۷۸۶
۹۲

یہ تصنیف و تالیف اللہ اکبر
شفیق اپنی قسمت پہ نازاں کیوں ہے

جو خلوت نشیں ہے وہی انجمن ہے
سفر میں ہے وہی جو سفر در وطن ہے

ظرفُ المحبُوبُ

المعروف

سوانح حیات

مولانا مولوی شاہ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ علیگ چترالی

معہ

خصوصیات ، ملفوظات ، مکتوبات ، کرامات

مرتبہ

شفیق احمد قریشی اکبرآبادی

اے خدا قربانِ احسانت شوم
ایں چہ احسانست قربانت شوم
(حافظ)

نام کتاب

ظرفُ المحبُوب

المعروف سوانح حیات حضرت قبلہ شاہ صلاح الدینؒ

مصنّف و مؤلف ———— شفیق احمد قریشی

ناشر ———— اصغر علی

طابع ———— اصغر علی

مطبع ———— گولڈن بلاک ورکس لمیٹڈ ۔ کراچی پاکستان

کتابت ———— آغا غلام حسین اسیر

ھدیہ ==== مبلغ دس روپیہ

نوٹ:۔ آپ کا دیا ہوا ہدیہ صدقہ جاریہ ہے جو فی سبیل اللہ کارِ خیر میں خرچ کیا جائے گا

اصغر علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۸ر جنوری ۱۹۸۳ء
مکۃ المکرمہ

حج کے گوناگوں منافع ہیں "لیشہدوا منافع لهم" اس میں سے ایک بڑا فائدہ اجتماعی بھی ہے۔ دنیا کے ہر گوشہ سے لوگ مکہ مکرمہ میں کشاں کشاں پہنچ جاتے ہیں "یاتون من کل فج عمیق" یہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا زندہ معجزہ ہے۔ جس کی مثال کسی دین اور معاشرہ میں نہیں پائی جاتی اور یہ کوئی فرضی نہیں بلکہ واقعہ ہے۔

اس اجتماعی فائدہ کا ایک بین ثبوت میرا اپنا تجربہ ہے۔ میری ملاقات اس سال موسم حج میں یکایک ایک ایسے صاحب بصیرت و وجدان سے ہوگئی جو سب کچھ ہو کر بھی نہایت تواضع سے ملے اور جب میں نے ان کا کہا "والسلام بحضرت سید اللہ نام پڑھتا ہوں" پر اس کا بہت اثر ہوا اور بعد کی ملاقاتوں میں تو میں نے محسوس کیا کہ جیسا قدیم شاعر عرفی کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ شعر کو پگھلاتا ہے اور ہر شعر اس کو پگھلاتا ہے۔ "یذیب الشعر والشعر یذیبہ"۔ یہی عالم میں نے اپنے عزیز میں پایا جن کا نام نامی اور اسم گرامی شفیق احمد قریشی ہے۔ میں ان کو اپنے اس حج کے اجتماعی فائدوں کا ما حصل تصور کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے اور ان کے دینی و دنیوی مدارج بلند فرمائے آمین!

عزیز موصوف نے اپنی ایک تالیف ظرف المحبوب عنایت فرمائی اور اس پر میری ناقص رائے کی خواہش ظاہر فرمائی میں اول معذرت خواہ ہوا کہ وہ پاکستانی ہے اور میں ہندوستانی اور ان دونوں ملکوں کے درمیان جو کشیدگی ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن خیال آیا کہ ادبی اور روحانی تعلق سیاست سے بالاتر ہے ؎

سخن کز بہر حق گوئی چہ عبرانی چہ سریانی ۔ قدم در راہ حق جوئی چہ جابلسا چہ جابلقا

دوسری چیز جو مانع رہی وہ میری اپنی کم بضاعتی اور ہیچ مہر زنی مگر میرے اس عزیز دوست کا کچھ جادو مجھ پر چل گیا کہ میری ایک پیش نہ گئی۔ اور میں یہ چند سطور لکھنے پر مجبور ہو گیا۔

میں نے ظرف المحبوب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا کتاب جناب قریشی کے ذوق صحیح ان کے انہماک علمی اور وسیع مطالعہ کا اور اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہے تصوف اور الٰہیات کا شاید ہی کوئی گوشہ ہو جو ان کی تحقیق سے بچ رہا ہو کتاب کے پہلے صفحات میں اسماء الحسنیٰ ان کی معانی اور خواص لکھے گئے ہیں پھر احادیث اور اوراد حدیث، جیسے بابرکت رموز قرآن مجید کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں، اس کے بعد نبوت، رسالت، ولایت، شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت پر قلم فرسائی فرمائی ہے لکھتے ہیں "جب بندہ مومن کثرت تعینات کی منزلوں کو طے کرتا ہے تو صفات بشری سے دور ہو جاتا ہے ...... پس شریعت اس کا معمول، طریقت اس کی روش اور حقیقت اس کا مقصود ہو جاتی ہے۔ (صفحہ نمبر) ایسے حقائق کے گہر پارے ظرف المحبوب میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ تصوف کی تعریف میں حضرت امام مالک کے حوالے سے رقمطراز ہیں "جو صوفی بنا اور علم سے بے بہرہ رہا زندیق ہوا۔ اور جس نے علم دین حاصل کیا اور تصوف حاصل نہ کیا فاسق ہوا جس نے دونوں کو حاصل کیا اس نے تحقیق سے کام لیا۔ (صفحہ ۸۶) مؤلف نے تصوف کی تعریف اس طرح فرمائی ہے کہ "اس کے ذریعے بندہ خدا کا ہو رہے"

کتاب ہذا میں مؤلف نے جملہ اہل طریقت اور اکثر شیوخ باطنی کا تذکرہ فرمایا ہے اور بر سبیل تذکرہ ان لوگوں کو جوابات بھی دیتے ہیں جو اولیاء اللہ اور ان کی کرامات کے منکر ہیں۔ خاص طور پر توجہ کے قابل حضرت علامہ ابو عبداللہ اندلسی کی زندگی کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ جو نہایت حیرت انگیز اور سبق آموز ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰۸ تا صفحہ ۱۱۶)

ظرف المحبوب فی الواقع حضرت مولف کے پیر و مرشد حضرت قبلہ سید شاہ صلاح الدین بابا قدس سرہٗ کی سوانح حیات ہے۔ کتاب کے پہلے حصہ کو کتاب کا مقدمہ کہا جائے تو نا مناسب نہ ہوگا۔ گویا پہلا حصہ "قال" ہے اور دوسرا "حال" یہ ہر دو حصے لازم و ملزوم ہیں۔

اپنے پیر و مرشد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "علوم ظاہری اور باطنی آپ کو نعمت خداوندی کی شکل میں تفویض ہوتے ہیں .... عالم سلوک میں .... آپ کو سلسلہ اویسیہ کی ایک جیتی جاگتی تصویر پائیں گے .... عالم استغراق میں فرائض شرعیہ کے سوا ہر ایک شئے کا احساس معدوم و مفقود اس طرح پایا گیا کہ آپ جس وقت بھی جو حالت اپنے اوپر طاری فرمانا چاہتے طاری کر لیتے .... شدت تپش اور موسم کی سختیاں آپ پر کبھی اثر انداز نہیں ہوتیں (صفحہ ۱۹۶) اپنے پیر و مرشد سے جو والہانہ عشق اور عقیدت مصنف کو ہے اس کو انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

جمال یار بنا دے جمال یار مجھے ؛ خودی شکار نہ ہو کر دے آشکار مجھے

جمال یار کی جو نمایاں ترین خصوصیات بیان کی ہیں: ملاحظہ ہو صفحہ ۱۹۲) ان کو بقول خود ان کے "حسن لیلیٰ بچشم مجنوں باید دید" والا معاملہ صادق آتا ہے۔ وہ والہانہ محبت اور عشق جو ان کو اپنے مرشد سے تھا اور ہے اس کا عالم یہ ہے کہ ؎

صنما تجھ پہ کچھ ایسا تیرا جادو چل جائے ؛ یہ جو میں ہی نظر آتا ہے تو ہی تو ہو جائے

مبارک ہو یہ عشق مجازی کہ یہ وسیلۂ عشق حقیقی کا عنقریب بن جائے گا اور عزیزم شفیق احمد قریشی کے درجے کہاں سے کہاں پہنچ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ انکی اس کتاب ظرف المحبوب فی ذکر المحبوب کو مقبولیت دوام نصیب فرمائے اور مصنف کو ان کی اس عرق ریزی اور اس عالمانہ تحقیق کی جزائے خیر دے آمین۔ اور اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین

راقم العبد الضعیف الراجی الی رحمۃ اللہ
السید عبدالوہاب بخاری

فہرستِ مضامین

تمت بالخیر

(الف)

ایک بزرگِ محترم کا ارشادِ حق

"پاکستان میں مساجد کی تعمیر فی الوقت اتنی ضروری نہیں جس قدر مسلمان کی تعمیر ضروری ہے"

اگر مذکورہ بالا ارشاد حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ ایک تنبیہ عامۃ المسلمین کے لئے ہے اور فی الواقع حالاتِ حاضرہ و سابقہ نے ثابت بھی کر دیا ہے کہ عالمِ اسلام کو اسی طرف اپنی تمام تر توجہ مبذول کر کے جدوجہد کرنی چاہیئے تاکہ مسلمان درحقیقت مسلمان بن کر دنیا میں اپنا دورِ ماضی از سرِ نو واپس لائے کیونکہ تعمیراتِ مساجد تو ہندوستان میں بھی بکثرت ہوئیں مگر آج انہی مساجد کو دشمنانِ اسلام نے اپنے اپنے مقاصد کے لئے استعمال ہی نہیں کیا بلکہ صدہا مساجد کو تو نیست و نابود بھی کر دیا ہے۔ اور تو اور جس قبلہ اوّل یعنی بیت المقدس کو قرآن و حدیث نے نہایت بلند مقام عطا فرمایا اور جو سینکڑوں شہیدوں اور غازیوں کی نشاندہی آج بھی کرتا ہے اغیار کے قبضہ و تصرف میں ہی نہیں ہے بلکہ اُن کے رحم و کرم پر ہے تو روشن ترین قول صادق آتا ہے:۔

"زینتِ مکان بالمکین"

یعنی

مکان میں رہنے والا ہی نہ رہے تو مکان کی رونق بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ بقول علامہ اقبالؒ

بجھی دین کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

میں نے اسی خیال کے ماتحت ایک ادنیٰ خدمت انجام دینے کا تہیہ کر لیا کہ آج مسلمان کو مسلمان کی حقیقی شکل میں دنیا کے سامنے آنا نہایت ضروری ہے تاکہ مساجد اور مقاماتِ مقدسہ کی حرمت قائم رکھنے کا اہل بن جائے۔ لہٰذا اسی ضمن میں یہ میرا پہلا قدم ہے کہ اعلیٰ حضرت شاہ صلاح الدین صاحب رح

کی زندگی کے مختلف پہلو جو ہمیشہ مطابق ارکانِ دین و شرع کے رہے تھے عوام کے علم میں لائے جائیں اور تقلید کی جدوجہد کی جائے چونکہ موصوف کا نظریۂ حیات دراصل ایسے روشن اور منور اصول حیات النبیؐ پر مبنی رہا ہے کہ جس کو اختیار کرنے سے بڑی حد تک مسلمانوں کی اصلاح ہوسکتی ہے اور وہ یہ تھا ملاحظہ ہو:

"مخلوق کی خدمت بھی خالق کی عبادت ہے"

چنانچہ میری دلی خواہش کے مطابق بحمداللہ جناب شفیق احمد صاحب نے تکمیلہ تصنیف و تالیف سوانح حیات شاہ صاحب موصوف کر لیا ہے تو اس کتاب کی طباعت کرا کے عوام کے سامنے پیش کرنے کا فخر محسوس کرتے ہوئے ملتمس ہوں کہ اس کتاب کی آمدنی اس جیسے ہی کارہائے خیر میں استعمال ہوتی رہے گی۔ لہٰذا جملہ حقوق اشاعت و فروختگی تنہا احقر کے پاس محفوظ رہیں گے۔ اور کسی دیگر صاحب کو اس حق کے استعمال کا مجاز نہ ہوگا۔ چنانچہ کوئی صاحب اس نوعیت کا قصد نہ فرمائیں۔

وما علینا الا البلاغ

احقر العباد
اصغر علی
پروپرائٹر: اصغر الیکٹرک انڈسٹریز فریر روڈ
کراچی

تجزیہ

انسان کو آغازِ زندگی میں جو ماحول ملتا ہے اُس کا اثر مدّت العمر دل و دماغ پر چھایا رہتا ہے۔
میں نے دنیا میں جب آنکھ کھولی تو صوفی منش اور درویش صفت لوگوں کو اپنے گرد حلقہ زن پایا۔
اگرچہ کچھ دنوں بعد میں ایک دوسرے ماحول میں پہنچ گیا جو پہلے ماحول سے قطعی مختلف تھا۔ پہلے ماحول
کے نقوش دھندلے ضرور پڑ گئے لیکن بالکل محو نہ ہوئے تھے۔ مجھے جب موقعہ ملتا میں درویشوں
اور اللہ والوں کی صحبت سے فیضیاب ہونے کی ضرور کوشش کرتا۔ کبھی کبھی تصوّف کی کتابیں
بھی پڑھتا۔ مگر تصوّف کی پُرپیچ گھاٹیوں اور تاریک غاروں میں گھر کر رہ جاتا۔ کیونکہ اُن کتابوں
کا طرزِ بیان اور ان کی زبان میرے لئے کسی گورکھ دھندے سے کم نہ تھی۔ میں بہت جلد اُکتا جاتا
اور بحالتِ مجبوری دل میں سوچنے لگتا۔ کاش کوئی جامع اور عام فہم کتاب ایسی مل جاتی جس
سے میں کما حقہٗ مستفیض ہو سکتا۔ مگر ایسی کتاب کے حصول میں ناکام رہا اور یہ حسرت دل کی
دل میں رہی۔ کیونکہ مکروہاتِ دنیا نے کبھی دم لینے کی مہلت نہ دی۔ ورنہ تلاش سے تو خدا بھی مل جاتا ہے
حسنِ اتفاق کہ ایک روز میرے ایک بہت پرانے کرم فرما اور قدیم دوست جناب شفیق اکبرآبادی
میری علالت کی خبر سنکر میری عیادت کے لئے تشریف لائے۔ اثنائے گفتگو میں جناب مولٰینا و مقتدانا
حضرت مولوی صلاح الدین صاحب قبلہ قدس سرّہ الشریف کا مقدّس ذکر آگیا۔ اُس ضمن میں
شفیق صاحب نے فرمایا کہ میں نے حضرت مولٰینا علیہ الرحمہ کے فرمانِ واجب الاذعان کے مطابق تصوّف
پر ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ جس کا نام "ظرف المحبوب" ہے۔ ساتھ ہی اس کتاب میں مولٰینا
علیہ الرحمہ کے سوانح حیات بھی ترتیب دیئے ہیں۔ اس کتاب کا بیشتر حصّہ مولٰیناؒ کی حیات ہی میں
ضبطِ تحریر میں آچکا تھا۔ مجھے اُس کتاب کے دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ انہوں نے فوراً اپنے بیگ
میں سے وہ کتاب کتابت شدہ صورت میں نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے جستہ جستہ مقامات
سے اُس کتاب کو پڑھا۔ پڑھ کر بے انتہا مسرت ہوئی۔ کیونکہ اس میں مجھے اپنے دیرینہ خواب کی تعبیر
نظر آئی۔ یہ کتاب بالکل ویسی ہی تھی جیسی میں چاہتا تھا۔ وہی اُس کی شُستہ و رُفتہ زبان، وہی سادہ

وپُرکاریاں ۔ اُس کتاب میں شریعت ۔ طریقت ۔ حقیقت اور معرفت کے اسرار و رموز نہایت ہی سادہ اور پاکیزہ اسلوب میں درج کئے گئے تھے ۔ ساتھ ہی شریعت ۔ طریقت ۔ حقیقت اور معرفت کی واضح اور جامع تعریف، اُن کا دائرۂ عمل اور اُن کے ایک دوسرے سے ربط و تعلق کو اس حسن و خوبی سے بیان کیا گیا ہے کہ معمولی سوجھ بوجھ اور تصوف سے تھوڑی سی شدھ بدھ رکھنے والا مجھ جیسا انسان بھی تصوّف کے نکات کو نہ صرف سمجھ سکتا ہے بلکہ اُس سے بخوبی استفادہ بھی کر سکتا ہے ۔ بے اختیار کلماتِ تحسین و آفرین میری زبان سے نکل گئے اور میں حیرت سے شفیق صاحب کا منہ تکنے لگا ۔ میں شفیق صاحب کو کم و بیش ۴۵ سال سے جانتا ہوں ۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ ایک بڑے شاعر اور بہترین ادیب ہیں ۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ بزرگانِ دین، فقرا و صالحین سے گہری عقیدت بھی رکھتے ہیں ۔ خاص طور سے حضرت قبلہ مولٰینا صلاح الدین علیہ الرحمہ کے تو وہ ایک حد تک پجاری رہے ہیں ۔ اُن کی بارگاہ اقدس میں انہیں قرب خاص کا شرف حاصل تھا ۔ مگر علمِ تصوّف و معرفت سے اُن کی اس درجہ وابستگی کا مجھے علم نہ تھا کہ اس میں بھی انہیں ایسی دستگاہ حاصل ہے کہ وہ ایسی نادر، مفید اور لکارآمد کتاب بھی تصنیف کر سکتے ہیں جو نہ صرف حقائق و معارف کی مکمل آئینہ دار ہے بلکہ موجودہ دور کے طالبانِ راہ نجات کے لئے رہبرِ کامل بھی ہے ۔ بہر حال اس سے زیادہ اور میں کیا کہتا کہ

"ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند"

یہ بھی واجب ہے کہ میں اُس اعلیٰ مناقب والا مراتب ہستی یعنی جناب زبدۃ العارفین وقدوۃ السالکین حضرت مولٰینا و مقتدانا مولوی صلاح الدین صاحب قدس سرہ الشریف رح کے بارے میں کچھ عرض کروں جن کے ایما پر یہ کتاب منصۂ شہود پر آئی ہے ؎

"زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا   کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کیلئے"

مولانائے موصوف علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکت میں بذاتِ خود مجھے بھی شرفِ حضوری حاصل رہا ہے ۔ اور میں نے مولانا علیہ الرحمہ کو بہت قریب سے دیکھا ہے ۔ بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ مولانا اپنے زمانے کے ایک جید عالم ہی نہ تھے بلکہ وہ ایک عظیم المرتبت صوفی اور ایک اعلیٰ پایہ کے درویش بھی تھے ۔ وہ کرامتِ مجسّم تھے ۔ صبح سے شام تک بلا مبالغہ صدہا کرامتیں اُن سے صادر ہوتیں چوبیس گھنٹے ہزاروں ہندو مسلم عقیدتمند پروانوں کی طرح اُن کے اردگرد جمع رہتے ۔ غریب، امیر اور بڑے چھوٹے کی اُن کے یہاں کوئی تخصیص نہ تھی ہر کہ و مہ بے خوف و خطر حاضر ہوتا اور دامنِ مراد بھر کر لیجاتا ۔ حق گوئی، بے باکی اور صداقت شعاری کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے صاحبانِ عز و جاہ اُن کے سامنے لرزہ براندام رہتے ۔ کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی ۔ اُن کی زبانِ فیض ترجمان حقائق و معارف کا سرچشمہ تھی ۔ اسرار و رموز کا نکات

کے سوتے ہر وقت اُبلتے رہتے۔ کشف القلوب اور کشف القبور بدرجہ اتم حاصل تھا۔ اکثر اوقات حاضرین کے قلبی تاثرات۔ تصورات اور خیالات، لطیف کنایوں اور حسین استعاروں کی صورت میں مولاناؒ کی زبان پر ہوتے۔ سمجھنے والے سمجھ جاتے اور حیران و ششدر رہ جاتے۔ غیر متعلق حضرات سوچتے ہی رہ جاتے کہ یہ کیا ہوا۔ اور بعض اوقات نہایت بے باکانہ بلکہ مستانہ انداز میں قدرت کے سربستہ رازوں کا پردہ چاک کر کے رکھ دیتے۔ حاضرین و معتقدین حسب صلاحیت و استعداد مستفید اور لطف اندوز ہوتے اور نااہل منہ تکتے رہ جاتے تاہم اُن کے دربارِ دُربار سے کوئی محروم و ناکام واپس نہ ہوتا۔ خود میرے ساتھ یا میری موجودگی میں ایسے محیّر العقول واقعات پیش آئے ہیں جنکے بیان کے لئے الگ ایک کتاب کی ضرورت ہے میرے اس دعوے کے ثبوت کیلئے وہی واقعات کافی ہیں جو جناب شفیق صاحب نے کتاب ہذا میں درج فرمائے ہیں۔ انہی واقعات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ کتنے بڑے صاحبِ کمال تھے اور دربارِ الٰہی میں اُن کا کیا مرتبہ ہوگا۔ بہرصورت "ظرف المحبوبؒ" میں مولاناؒ کے حالاتِ زندگی بڑے تجسس و تلاش اور بڑی چھان بین کے بعد تحریر کئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں بڑی جد و جہد کی ہے۔ یقیناً وہ اس دشوار ترین کام کے صلے میں سزاوارِ صد تحسین و آفرین ہیں۔

میں جناب شفیق صاحب کو اس نادر تصنیف اور اس کامیاب جد و جہد پر بصد خلوص ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں اور بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اُن کی اس کوشش و کاوش کا دین و دنیا میں اجر عظیم عطا فرمائے۔ اور شرف قبولیت بخشے۔

آمین ثم آمین

خاکپائے خاصانِ خدا

۸ر اگست ۱۹۷۱ء

سید حامد علی غفرلہٗ

منشی کامل۔ ادیب کامل۔ اعلیٰ قابل۔ ہیڈ مولوی وکٹوریہ ہائی اسکول آگرہ

جماعتی نقشبندی۔ مُریدِ برحق اعلیٰ حضرت الحاج پیر سید جماعت علیشاہ قدس سرہٗ

(ج)

جمیل احمد نعیمی
سکریٹری
مجلس عمل جماعت اہل سنت (رجسٹرڈ)
سبز مسجد صرافہ بازار۔ کراچی - ۲

پیش لفظ

برادرم شفیق احمد صاحب نے جس کاوش اور کوشش سے کتاب تصوف الموسومہ ظرف المحبوب کی تصنیف وتالیف کی ہے لائق تحسین وصد آفرین ہے۔ میں تو اس کتاب کے مطالعہ سے قبل موصوف سے اس قدر ہی متعارف تھا کہ آپ ایک سرکاری ملازمت میں بعدۂ جلیلہ فائز ہیں۔ مگر اب تو مجھے اظہار کرنے میں کوئی تکلف نہیں کہ جیسے حضرت شاہ صلاح الدینؒ اپنے عصر کے ایک صاحب کمال بزرگ، عالم دین، محقق ومبصر صوفی متشرع تھے تو بس ان کے وابستگان میں سے صرف شفیق احمد صاحب ہی ایک گوہر نایاب ثابت ہوئے جو ایسے بار عظیم کو اٹھا کر منزل پر پہنچنے کے قابل عوام کے سامنے آسکے۔ چنانچہ بمصداق:-

وزیرے چنیں شہریارے چناں

آپ کی کتاب ہٰذا دراصل ایک مجموعۂ تحقیقات اور اس کے نتائج عام فہم کا صحیفہ ہی کہی جاسکتی ہے۔ کیونکہ جن جن مقامات، تصوف، ولایت، محاکات دینی کو دائرہ قرآن وحدیث میں قائم رہتے ہوئے اصول واساس انسانیت کے تحت نہایت خوش انداز طرز تصنیف وتالیف میں لاکر اجاگر کر لیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تاوقتیکہ تائید ایزدی اور تصرف مرشدی کارفرما نہ ہو یہ کام آسان نہیں بلکہ مجھے لکھنے دیجئے کہ یہ وہ ضرورت پوری کردی گئی ہے جس کی مدتوں سے دور حاضر کو تلاش تھی۔ امید ہے کہ صاحبانِ دل اور اہلِ ایمان حضرات ضرور اس سے استفادہ حاصل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ کے صدقہ اس کتاب کو شرفِ عام بخشے اور شفیق صاحب کو بہتر جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ والسلام

جمیل احمد نعیمی

مورخہ ۱۰ شوال المکرم ۱۳۹۰ھ

تقریظ

از کلکِ گہر افشانِ بالیدۂ عرفانی حضرت قاری الحاج شاہ عبدالحکیم پیرزادہ سجّادہ نشین ومتولی خانقاہ کالاپل کراچی و درگاہ عالیہ سیّدی و مرشدی و مولائی حضرت شاہ صلاح الدین قدس سرّہٗ کوٹری سندھ (پاکستان)

"چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے   بہ امیدے رسد امیدوارے"

موجودہ پُر آشوب دور کی مادّہ پرستی و مختلف النّوع الحاد کی شورش آفرین تحریکات عالم اسلام کو بالعموم اور پاکستان کے مسلمانوں کیلئے بالخصوص تباہ کُن ثابت ہو رہی ہیں تو ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اس مسلّط عذاب سے نجات کی صورت پیدا کی جائے کہ برادرم شفیق احمد قریشی نے جو میرے عزیز ترین برادر طریقت ہیں اور حضرت قبلہ شاہ سلطان صلاح الدین رحؒ کے قریب تر رہنے کا شرف مدّتوں حاصل کر چکے ہیں و نیز اپنے مطالعہ کُتب نظامی اور مشاغل و مسائل تصوّف پر کافی عبور پائے ہوئے ہیں جو محض نتیجہ کاوش و کوشش ہی نہیں ہے بلکہ آپ نے عطیہ خداوندی سے بہرہ ور ہوتے ہوئے یہ بارِ عظیم اپنے کندھوں پر حیات حضرت قبلہؒ ہی میں اٹھا لیا تھا کہ اس باب میں آپ نے نہ صرف موشگافیاں کی ہیں بلکہ حیاتِ حضرت قبلہ کو نہایت خوش اسلوبی سے روشن و منوّر کیا ہے جس سے سالکان راہ طریقت کو علی الخصوص استفادہ حاصل کرنے کا موقعہ ملے گا مجھے اس سلسلہ میں کوئی عار نہ ہوگا۔ اگر کہوں کہ اس جیسی کاوش جو بیشتر منطق اور عام فہم ضبط تحریر میں نظر سے کم گذری ہے مختصر یہ ہے کہ حقائق و دقائق کا یہ ذخیرہ ہم سب کے لئے طرۂ امتیاز ہے۔

عبدالحکیم پیرزادہ
سجادہ نشین خانقاہ کالاپل

۷۸۶

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

چونکہ قرآن کریم اور احادیثِ نبی صلعم کے بعد اگر کوئی کلام مفید خلق اللہ ہو سکتا ہے تو وہ صرف مجموعۂ ارشادات و کلمات اہل اللہ ہی کافی اور بس ہے کیونکہ ان حضرات کا کلام محض قال تک محدود نہیں بلکہ وہ نتیجہ حال ہوتا ہے جس کی موشگافیاں اسرارِ حقیقت و معرفت سے متعلق ہوتی ہیں نہ کہ بحث و منطق سے، اور اگر سالک خوش نصیب ہے تو انہی حضرات کے کلامِ کرامت نظام سے ہر لحہ و ہر لحظہ ایک گونہ رہنمائی اور ہدایات پا سکتا ہے جس کی بدولت اس کے لئے منزلِ مقصود حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اہل اللہ ہی انبیاء کے وارث ہوئے ہیں لہٰذا ان کی ایثار و قربانی خدمتِ خلق کے لئے مخصوص ہے۔ اور ان حضرات کا کلام بھی تا قیامِ قیامت مشعلِ راہِ طریقت ہے جس کا مطالعہ کرنا عزم بالجزم کے ساتھ ہر مومن کے لئے مفید و مثاب ثابت ہوا ہے۔ مگر فنا ہر شے ہر ذرّہ کے لئے مقدر ہے لہٰذا اولیاء اللہ کا اس دارِ فانی سے کوچ کرنا بھی ایک قانون قدرت کے تحت ہے جس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں۔ لیکن ان کے کمالات و اخلاقیات جو اتباع رسول اکرمؐ کے ذریعہ حاصل ہوئے باقی رہ جاتے ہیں جن کا اظہار بذریعہ تقریر یا تحریر اگر ہوتا رہے تو آنے والی نسلوں کے لئے شعاعِ نور ہدایت بن جاتا ہے۔ پس منجملہ دیگر وجوہات چند غرض و غایت مندرجہ ذیل نے نیاز مند کو آمادہ کیا اور اس کتاب کی تصنیف و تالیف کا آغاز حیاتِ سراج السالکین، سلطان العارفین، امام المحققین سیدنا بابا شاہ صلاح الدین قدس سرہ العزیز میں کر دیا تھا۔ جس کے چند اوراق ابتدائی بابا صاحبؒ نے خود ملاحظہ فرماتے ہوئے تکمیلہ بخیر کی دعا فرمائی۔

چند ابتدائی غرض و غایت تصنیف و تالیف

۱۔ آجکل دنیا اس درجہ مادہ پرستی پر مائل نظر آتی ہے کہ دُنیوی و دینی مشاغل و مسائل کو مادی ترقی کی عینک لگا کر دیکھنا چاہتی ہے اور عقل کو عقیدے پر مسلط کرنا ایک اصول قرار دیا جا چکا ہے۔ گو مادی ارتقا خود فانی ہے اور روحانی قوت لافانی مگر لافانی کو فانی پر ترجیح دیکر اپنی تشنگی تحقیقات و معلومات کو بجھانا بمصداق :-

"برین عقل و دانش بباید گریست"

ہے لیکن اسی اصولِ ناپائدار کو عقل و فہم کی اساس بنایا جاتا ہے۔

۲۔ کچھ موجودہ ارتقائے علمی جس پر عمل ایسا ہے جیسے ریت پر ایک محل کا تعمیر کرنا۔ حالانکہ کوئی عقلی و علمی استدلال قابل پذیرائی نہیں ہوتے بلکہ اپنی بے بضاعتی اور بے ثباتی پر غور کر کے قائل ہونے کی بجائے تیقن کی زوال انداز عمارت تعمیر کرنا فخر و مباہات محسوس کیا جاتا ہے۔

۳۔ اگر حقائق دینی و علمی برگزیدہ حضرات کے منظرِ عام پر لائے جاتے ہیں تو افسانہ نگاری سے معنون کئے جاتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ۔

۴۔ قرآنِ حکیم و احادیث نبویؐ کی روشنی میں اگر دنیوی مشاغل و مسائل کو روبکار لایا جائے تو محض ناقفیت اور سطحی علمی قابلیت کی بنیاد پر انحراف بڑے حسین پیرایہ سے کیا جاتا ہے۔ اور اگر متقدمین و متحققین کے وہ حالات جن میں تحقیقات و معلومات کے لئے عزیز ترین عمریں صرف ہوگئیں تائیداً و تصدیقاً پیش کئے جائیں تو اسلاف کہنہ و فرسودہ سے منسوب کر کے اپنی کوتاہ بینی کا اعتراف نہیں کرتے ہیں

۵۔ چنانچہ قرآنِ حکیم و احادیث نبویؐ اور اہل اللہ کی تصنیفات و تالیفاتِ مقدسہ سے استمداد حاصل کرتے ہوئے سیدی و مولائی و مرشدی حضرت شاہ بابا صلاح الدینؒ قبلہ کی تدریسی و تعلیمی گہر افشانیوں سے حصول سعادت میں کافی تقویت محسوس کی اور جملہ حادثات و انقلابات مندرجہ بالا کا واحد علاج کتاب ہٰذا کی ترتیب و تالیف ہی خیال کیا تاکہ اس سیلاب لادینی و گمراہی کو روکا جائے اور عقائد میں استحکام دائمی پیدا ہو اور ناظرین کرام احقر کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔

یہاں مولانا رومؒ نے گہرہائے بے بہا جو قطعہ کی شکل میں اپنے ہمسفر تصوف کی شان میں پیش کئے تھے۔ بجنسہٖ ہدیۂ ناظرین کرنے کا فخر محسوس کرتا ہوں اور افتتاحی عنوان قائم کر کے اپنے پیر و مرشد سے منسوب کرتے ہوئے ایک گونہ سرور حاصل کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو

مطربا اسرار ما را باز گو
قصہائے جانفزا را باز گو
ما دہاں بربستہ ایم از ذکر اُو
تو حدیثِ دلکشا را باز گو
چوں صلاح الدین صلاحِ جانہاست
آں صلاحِ جانہا را باز گو

رومیؒ

واحسرتا۔ کہ ایک جزء ابتدائی ترتیب الختم نہ ہوا تھا کہ سایۂ عاطفتِ مرشدی سے بحال لبشری محروم ہونا پڑا اور بابا صاحب قبلہ خلد اللہ مرقدہٗ نے بتاریخ ۲۰ صفر المظفر ۱۳۸۳ھ وصال فرمایا اور تصنیف تالیف کا رُخ قدرے تبدیل کرتے ہوئے تلاش ملفوظات وحالات بابا صاحبؒ میں کافی وقت صرف کرنا پڑا۔ تحقیقات ومطالعہ میں مصروف ہوا اور اب ہمہ تن مصروفِ تصنیف کے لئے وقت ویکسوئی حاصل کرنا چاہا۔ تو الحمد للہ الحمد للہ ملازمت کی مدت ختم ہو کر پنشن مل گئی اور اس طرح دنیوی مشاغل سے فرصت پاتے ہی۔ اس طرف دوبارہ پورے انہماک سے رجوع ہو گیا اور اپنے لئے سرمایہ رہبری و دستگیری وہ ملفوظات ارشادات کے جواہر پارے بابا صاحبؒ کے جمع کرنے شروع کئے جو لبا اوقات تدریسی وتعلیمی مسائل ومشاغل کے سلسلہ میں اظہار فرمایا کرتے تھے اور جن کو بذوق وشوق اپنی ڈائری میں بطور یادداشت نوٹ کر لیتا تھا اور اپنے برادران طریقت سے بھی استدعا کرتا رہا کہ وہ اس کارِ خیر میں میری دستگیری واعانت فرمائیں کیونکہ یہ ہی وہ ارشادات گرامی ہو سکتے ہیں۔ جو کیمیائے سعادت کا کام انجام دے سکتے ہیں یعنی :-

"علم را برتن زنی مارے بود
علم را بردل زنی یارے بود"

(رومیؒ)

اب میرے لئے لازم ہو گیا کہ وہ ملفوظات وارشاداتِ عالیہ بابا صاحبؒ کے بعمیق نظر مطالعہ کروں اور اپنی بے مائیگی وبے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے حالاتِ زندگی بابا صاحبؒ کے اسی سلسلہ میں کچھ اس انداز سے ترتیب دیئے جائیں کہ بابا صاحبؒ کی ایک مکمل سوانح حیات بھی عالم وجود میں آ جائے اور ناظرین کرام کے لئے بابا صاحبؒ کا مسلک ومقامِ مقدس جو موصوف نے اپنی درویشی کی چہل سالہ زندگی میں حاصل کیا تھا روشناس عالم ہو جائے۔ مگر یہ وہ دشوار گزار راستہ ہے جس پر چلنے کے لئے قدم تو اٹھا لیا ہے۔ دعائیں بھی شاملِ حال ہیں۔ خداوند عالم کی رحمتیں بھی ساتھ ساتھ ہیں اور برادران طریقت کی ہر مناسب وموزوں اعانت موجود رہے تو کیونکر مایوس ہوا جائے چنانچہ اس شغل خاص کو اپنا ماحصلِ زندگی قرار دیا تاکہ روزِ قیامت امیدوارِ شفاعت ہو کر سرخروئی حاصل کر سکوں اور وابستگان بابا صاحبؒ کے لئے باعث استمداد ہو سکے۔ پس ناظرین کرام سے التماس ہے کہ اگر اس مقام پر کوئی غلطی بشریت سے ہو گئی ہو تو بمقتضائے الانسان مرکب من الخطاء والنسیان معاف فرمائیں بقول حافظ شیرازیؒ پناہ گزیں ہوتا ہوں۔

صلاحِ دین کجا و من خراب کجا ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا (حافظ)

نیاز کیش - شفیق احمد قریشی

اسمائے حسنیٰ

مع خواص و فتو اعدِ خاص مع اردو اعداد

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ۝

ھُوَ اللّٰہُ الَّذِی لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ عَالِمُ الغَیبِ وَالشَّھَادَۃِ ۚ

ھُوَ الرَّحمٰنُ الرَّحِیمُ ۝

اسم	اعداد	خاصیت
یَا اَللّٰہُ الوہیت کی تمام صفات والا	ابجد ۶۶	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو ہزار بار پڑھے صاحب یقین ہو اور جو بعد نماز سو بار وظیفہ کرے صاحب باطنی اور کشف ہو اور جو کوئی تین ہزار بار نام اللّٰہ کا لکھ کر آٹے کی گولیاں باندھ کر دریا میں ڈالے خدا نے چاہا تو مراد چالیس روز میں بر آئے ۱۲
یَا رَحمٰنُ اے بہت بخشنے والے	جمالی ۲۹۸	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو دو سو اٹھانوے بار بعد نماز فجر کے پڑھے خدا اس پر بہت رحم کرے اور اگر بعد نماز وظیفہ کرے الرحمٰن الرحیم حق تعالیٰ غفلت و نسیان اور فسادات اس کے دل سے اٹھاوے اور نور باطن سے روشنی حاصل ہو اور زیادتی پکڑے
یَا رَحِیمُ اے بہت مہربان	جمالی ۲۵۸	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو ہر روز پانسو مرتبہ پڑھے اس کو دولت ملے اور تمام خلق اللہ مہربان ہو۔ اگر یوں کہے یا رحمٰن الدنیا والاخرۃ و رحیما اکتالیس مرتبہ اکتالیس روز تک تلاوت کرے حاجت ضروری اس کی بند نہو دے ۱۲

اسم	عدد	خاصیت
یَا مَلِکُ اے بادشاہ ظاہر و باطن کے	عدد ۹۰	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو ساتھ اسم القدوس کے وظیفہ کرے اگر صاحب ملک ہو حق تعالیٰ اس کے ملک کو قائم و دائم رکھے والا نفس اسکا تابع وفرماں بردار ہو اور یہ اسم عزت وحرمت کیلئے خاص ہے اگر نوے بار پڑھے دل نرم ہو۔
یَا قُدُّوْسُ اے بہت پاک	عدد ۱۷۰	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو ہزار بار پڑھے سب سے بے پرواہ ہو اور اگر ساتھ اسم سبوح کے روٹی کے ٹکڑے پر لکھ کر کھاوے فرشتہ صفت ہو اور واسطے پناہ حاصل ہونے کے دشمنوں سے وقت بھاگنے کے جسقدر ہو سکے پڑھے اور مسافر راہ میں ماندہ نہ ہو ۱۲
یَا سَلَامُ اے سلامت رہنے والے	عدد ۱۳۱	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو ہزار بار بعد نماز فجر کے پڑھا کرے علم زیادہ ہو اور جو ایک سو اکتالیس بار پڑھ کر بیمار پر دم کرے صحت کلی پاوے وظیفہ خوان خوف سے نڈر ہو اور سلامتی دارین کا امیدوار ہو ۱۲
یَا مُؤْمِنُ اے امن دینے والے	عدد ۱۳۶	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو ہر روز تین بار پڑھے خوف سے خاطر جمع رہے اور جو پڑھے اور ساتھ اپنے رکھے خدا اس کو شر شیطان سے امن میں رکھے اور کوئی اس پر قدرت نہ پاوے اور ظاہر و باطن خدا کے حفظ میں رہے
یَا مُهَیْمِنُ اے نگہبان	عدد ۱۴۵	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو انتیس بار پڑھے غم نہ ہو اور اگر اس کی مواظبت کرے تمام آفتوں سے پناہ پاوے اور جو کوئی غسل کر کے اس اسم کو ایک سو پندرہ مرتبہ پڑھے اوپر باطن غیبوں کے مطلع ہو ۱۲
یَا عَزِیْزُ اے غالب اور بے مانند	عدد ۹۴	خاصیت :- اگر خلق جمع ہو کر دو ہزار بار اس اسم کو آخر شب میں پڑھے پانی برسے روزانہ پڑھے معزز ہو اور دشمن پر غالب اگر یوں کہے یا عزیز من کل عزیز بحق یا عزیز تمام خلق میں عزیز ہو اور فجر کی نماز کے بعد اکتالیس بار پڑھے محتاج نہ ہو۔

اسم	عدد	خاصیت
یَاجَبَّارُ اے نقصان کے پورا کرنے والے	جلالی ۲۰۶	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو بعد مسبعات عشر کے اکیس بار پڑھے ظالموں کی شر سے امن میں رہے اور اگر مداومت کرے غیبت اور بدگوئی خلق سے نڈر ہو اور اہل دولت ہو اگر انگوٹھی پر نقش کرکے پہنے ہیبت اور شوکت خلق کے دل میں پیدا ہو۔
یَامُتَکَبِّرُ اے بزرگ اور بے مانند	جلالی ۶۶۲	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو پیچ ہمبستر حلال اپنے کے قبل دخول دس بار پڑھے حق تعالےٰ اس کو فرزند سعید اور پرہیزگار عطا فرمائے اور ابتدا ہر کار میں بہت پڑھے مراد کو پہنچے اور اگر اکتالیس بار پڑھے خواب میں نہ ڈرے۔
یَاخَالِقُ اے پیدا کرنے والے ہر چیز کے	جلالی ۷۳۱	خاصیت :- جو کوئی اس اسم پر مداومت کرے حق تعالےٰ فرشتہ پیدا کرے تا اُس کے لئے عبادت روز قیامت تک اور دل اور منہ اُس کا روشن اور نورانی کردے اور جو کوئی لڑائی میں سو مرتبہ پڑھے دشمن اُس پر غالب نہو ۱۲
یَابَارِئُ اے پیدا کرنے والے خلق کے	جلالی ۲۱۳	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو ہفتہ میں سو بار پڑھے حق تعالیٰ اس کو قبر میں نہ چھوڑے اور روح اس کی ریاض قدس کی طرف لیجاوے اور اگر جمعہ کے وقت دس مرتبہ ورد کرے فرزند نیک عطا ہووے۔
یَامُصَوِّرُ اے صورت کرنے والے خلق کے	جلالی ۳۳۶	خاصیت :- جو بانجھ عورت ہو سات روزے رکھے اور افطار کے وقت اکیس بار اس اسم کو پڑھے اور پانی دم کرکے پیوے حق تعالےٰ فرزند نیک اور نرینہ عطا کرے اور جو کوئی بہت پڑھے کام دشوار اس پر آسان ہوجاویں ۱۲
یَاغَفَّارُ اے بخشنے والے گناہ بندوں کے	جلالی	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو بعد نماز جمعہ کے سو بار کہے یا غفر لی ذنوبی حق تعالیٰ اس کو منجملہ بخشے گئے میں کرے اور آخرت میں امیدوار مغفرت فراوان وعنایات بے پایاں کا گردانتا ہے واللہ یؤتی ملکہ من یشاء

اسم	عدد	خاصیت
یَاقَہَّارُ اے غالب ہر چیز پر	جلالی ۳۰۶	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو بہت پڑھا کرتا ہے حق تعالیٰ محبت دنیا کی اس کے دل سے اٹھاتا ہے اور خاتمہ بخیر ہوتا ہے اور واسطے کسی مہم کے سو بار پڑھے۔ فتح پاوے۔ اگر بہ نیت مقہوری دشمن فرض و سنت کے درمیان پڑھے مقہور ہو۔
یَاوَہَّابُ اے بہت دینے والے	جلالی ۱۴	خاصیت :- جو کوئی فقر و فاقہ سے حج میں ہو اس اسم کی مداومت کرے حق تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے دیتا ہے کہ وہ حیران ہو جاتا ہے کہ کہاں سے یہ انعام ہوا اور اگر بعد نماز چاشت کے آیت سجدہ پڑھے اور سر سجدہ میں رکھے اور سات بار پڑھے خلقت سے بے پرواہ ہو ۱۲
یَارَزَّاقُ اے روزی دینے والے خلق کے	جلالی ۳۰۸	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو بعد نماز فجر پڑھ کر اپنے گھر کے چاروں کونوں میں دس دس بار پڑھے اس گھر میں رنج و مفلسی نہ ہو لیکن داہنے کونہ سے شروع کرے اور قبلہ کی طرف رہے واسطے کشائشِ رزق کے مفید ہے۔
یَافَتَّاحُ اے نیک کھولنے والے کاموں کے	جلالی ۴۸۹	خاصیت :- جو کوئی بعد نماز فجر کے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر اس اسم کو ستر بار پڑھے زنگ اس کے دل سے جاتا رہے اور صفائی ارزانی ہو اور اگر مداومت کرے صفائی دل حاصل ہو۔
یَاعَلِیْمُ اے جاننے والے ہر چیز کے	جلالی ۱۵۰	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو بہت پڑھے حق تعالیٰ اس وقت اپنی ارزانی کرے اور جو کوئی بعد نماز کے سو بار پڑھے حق تعالیٰ اس کو اہل کشف سے کرے اگر پوشیدہ کار سے آگاہی چاہے شب جمعہ کو بعد نماز سو بار سجدہ میں کہہ کر سو رہے آگاہ ہو۔
یَاقَابِضُ اے تلف کرنے والے روزی کے	جلالی ۹۰۳	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو چالیس روز تک ہر روز روٹی کے چار ٹکڑوں پر لکھ کر کھالیا کرے عذاب قبر سے اور بھوک سے امن میں رہے گا اور جو کوئی تین بار پڑھے دشمن پر فتح پاوے واللہ اعلم بالصواب ۱۲

نام	معنی	جملی	خاصیت
یَا بَاسِطُ	اے دینے والے دل کے یا روزی بندوں کے	جملی ۷۲	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو سحر کے وقت ہاتھ اٹھا کر دس بار پڑھ کر منہ پر پھیرے ہرگز اس کو حاجت اس کی نہ ہو کہ کسی سے کچھ چاہے اور اگر چالیس مرتبہ پڑھے خلقت سے بے پرواہ ہو ۱۲
یَا خَافِضُ	اے پست کرنے والے	جملی ۱۴۸۱	خاصیت :- جو کوئی تین روزے رکھے پھر چوتھے روز ایک مجلس میں اس اسم کو ستر بار پڑھے دشمن پر فتح پاوے اور جو کوئی پانسو مرتبہ پڑھے دشمن کے صدمے سے امن میں ہووے ساتھ حفاظت خدائے تعالی ۱۲
یَا رَافِعُ	اے بلند کرنے والے درجہ لوگوں کے	جملی ۳۵۱	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو آدھی رات یا دوپہر کو سو بار پڑھے اللہ تعالی اسے خلایق میں برگزیدہ کرے اور توانگر اور بے نیاز کر دے اور جو کوئی ہر روز بیس بار پڑھے اس کی حاجت بر آوے اور مراد دلی بر آئے عنایت خدا سے ۱۲
یَا مُعِزُّ	اے عزت دینے والے بندوں کے جہان میں	جملی ۱۱۷	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو شب دوشنبہ یا شب جمعہ میں بعد نماز شام کے ایک سو بار پڑھے اس کے لئے خلق کی نظر میں ایک ہیبت اور حرمت ظاہر ہو اور سوائے خدا کے اور کسی سے نہ ڈرے اور اس کی پناہ میں رہے۔
یَا مُذِلُّ	اے خوار کرنے والے	جملی ۷۷۰	خاصیت :- جو کوئی کسی ظالم اور حاسد سے ڈرتا ہو چھتر بار اس اسم کو پڑھے بعد اس کے سجدہ کرے۔ اور کہے الٰہی فلاں کے ہاتھ اور شر سے امان دے حق تعالی اسے امان دے کر اپنی حفاظت میں رکھیگا ۱۲
یَا سَمِیْعُ	اے نیک سننے والے دعا وغیرہ کے	جملی ۱۸۰	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو پنجشنبہ کے دن بعد نماز چاشت کے پانسو مرتبہ پڑھے اور بموجب ایک قول کے ہر روز پانسو بار پڑھے اور وقت پڑھنے کے کلام نہ کرے اور بعد اس کے دعا کرے اس کی دعا قبول ہوگی۔

اسم	معنی	عدد	خاصیت
یَابَصِیْرُ	اے دیکھنے والے	حاصل	**خاصیت:** جو کوئی اس اسم کو درمیان سنت اور فرض فجر کے ساتھ اعتقاد درست ایک سو بار پڑھے مخصوص ساتھ حق کے ہوگا اور جو کوئی ساٹھ بار وقت عصر کے ہر روز پڑھے مرگ مفاجات سے امن میں رہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔
یَاحَکِیْمُ	اے حکم کرنے والے	حاصل ۷۸	**خاصیت:** جو کوئی اس اسم کو شب جمعہ میں بموجب ایک قول کے آدھی رات کو اتنا پڑھے کہ بیہوش ہو جائے حق تعالیٰ اس کے باطن کو معدنِ اسرار کرے گا اور جو بعد نماز پنجگانہ کے اسی بار پڑھے محتاج نہ ہوئے ۱۲
یَاعَدْلُ	اے انصاف کرنے والے بندوں کے	حاصل ۱۰۴	**خاصیت:** جو کوئی اس اسم کو شب جمعہ میں روٹی کے بیس لقموں پر لکھ کر کھاوے حق تعالیٰ تمام خلق کو اس کا مسخر کرے جو کوئی بعد نماز مغرب کے ہزار بار پڑھے آفت آسمانی ارضی سے امن میں رہے اور ہر بلیات سے نجات پائے ۱۲
یَالَطِیْفُ	اے پاک	حاصل ۱۲۹	**خاصیت:** جو کوئی فقر و فاقہ میں ناچار یا سفر میں بے یار و غمخوار یا بیماری میں گرفتار ہو یا لڑکی رکھتا ہو اور متردد ہو کہ کیونکر سرانجام نکاح کا ہو غسل کرے اور نماز دوگانہ ادا کرے سو بار پڑھے جس کام کا فکر خدا حاصل کر دے گا۔
یَاخَبِیْرُ	اے خبردار ہر چیز کے	حاصل ۸۱۲	**خاصیت:** جو کوئی نفس امارہ کے ہاتھ گرفتار ہو اس اسم کو بہت پڑھے یعنی وظیفہ کرے ہر روز شر نفس سے خلاصی پاوے اور استخارہ کے یاخبیر اخبرنی ملا کر پڑھے۔ نیک و بد سے مطلع ہو اور آگاہ ہو ۱۲
یَاحَلِیْمُ	اے بردباری کرنے والے	حاصل ۸۸	**خاصیت:** جو کوئی اس اسم کو کاغذ پر لکھ کر اور دھو کر اپنی کھیتی پر چھڑکے زراعت ہر وقت محفوظ رہے اور جو کوئی بعد نماز ظہر کے ہر روز نوے بار پڑھے یا مداومت کرے تمام خلق سے سرخرو ہو۔

اسم	عدد	خاصیت
یَاعَظِیمُ اے بزرگتر ذات وصفات میں	جمالی ۱۰۲۰	خاصیت:- جو کوئی اس اسم کو مداومت کرے یعنی ہر روز وظیفہ کرے خلق کی نظر میں عزیز اور مکرم ہو اگر سات مرتبہ پانی پر دم کر کے نوش کرے درد شکم نہ ہو۔
یَاغَفُورُ نیک بخشنے والے	جمالی ۱۲۸۶	خاصیت:- جو کوئی مریض ہو تپ وغیرہ سے یا غمناک ہو اس اسم کو لکھے اور روٹی میں نقش کر کے کھاوے شفا پاوے اور کثرت ورد سے سیاہی دل سے دور ہو اور حدیث صحیح میں آیا ہے جو سجدہ میں ربِ اغفرلی تین بار کہے اللہ تعالیٰ گناہ بخش دے۔
یَاشَکُورُ اے قدردان شکر کرنے والے	جمالی ۵۲۶	خاصیت:- جس کو تنگی معاش ہو یا تاریکی دل کی یا آنکھ کی پیدا ہو اکتالیس مرتبہ اس اسم کو پانی پر پڑھے اور پیوے اور آنکھ پر ملے شفا پاوے اور جو کوئی پانچ ہزار مرتبہ ہر روز پڑھے قیامت کے دن درجہ بلند ہوگا۔
یَاعَلِیُّ اے بلند مرتبہ	جمالی ۱۱۰	خاصیت:- جو کوئی اس اسم پر مداومت کرے اور اپنے پاس رکھے اگر خوار ہو بزرگ صاحب عزت ہو اور اگر فقیر ہو تو آنگر ہو اور اگر مسافرت میں مبتلا ہو وطن مالوف میں پہنچے اور جو کوئی ورم کے واسطے تین بار پڑھے سوجن دفع ہو ۱۲
یَاکَبِیرُ اے بڑے سب سے	جمالی ۲۳۲	خاصیت:- جو کوئی بہت پڑھے عالی قدر ہو اور اگر حاکم یا بادشاہ اس اسم کی مداومت کرے رعب زیادہ ہو اور مہمات امور سرانجام پکڑیں اور جو کوئی اوپر بیمار کے نو مرتبہ پڑھ کر دم کرے صحت پاوے۔
یَاحَفِیظُ اے نگاہ رکھنے والے خلق کے	جمالی ۹۹۸	خاصیت:- جس کو ڈوبنے یا جلنے یا زخم کا ڈر ہو یا وہم پریوں اور جنات کا ہو اور گھبراہٹ یا حرام نظروں سے ڈر ہو اس اسم کو اپنے بازو پر باندھے امن میں رہے گا۔ اگر بیمار پر سات ہفتہ پڑھ کر دم کرے تو شفا پاوے ۱۲

یَامُقِیْتُ
جمل ۵۵۰

اے قوت دینے والے

خاصیت:- جس کی آنکھ سرخ ہو اور درد کرے اس اسم کو دس بار پڑھ کر دم کرے اور اگر کسی کو غریب دیکھے یا خود کو غریبی پیش آوے یا کوئی لڑکا بدفعل ہو سات بار خالی آبخورے پر پڑھ کر دم کرے پھر اس میں پانی بھر کر پیوے خدا فضل و کرم کرے۔

یَاحَسِیْبُ
جمل ۸۰

اے حساب و حمایت کرنے والے عالم کے

خاصیت:- جو کوئی چور یا حاسد یا ہمسایہ دشمن سے یا نظر بد لگنے سے ڈرتا ہو ہر سحر و شام ایک ہفتہ تک ستر بار حسبی اللہ الحسیب ابتدا پنجشنبہ سے پڑھے اللہ تعالیٰ ان کی شر سے نگاہ رکھے گا ہنوز ہفتہ نہ گزرے گا کہ دوستی ہو۔ ۱۲

یَاجَلِیْلُ
جمل ۷۳

اے بزرگ قدر اور بے پروا

خاصیت:- جو کوئی اس اسم کو مشک و زعفران سے لکھ کر اپنے پاس رکھے یا کھاوے تمام خلق کے دل میں اس کی توقیر ہو اور ہر ایک انس کرے اور اگر اسباب کے اوپر دس بار پڑھے چوری سے محفوظ اور سلامت رہے ۱۲

یَاکَرِیْمُ
جمل ۲۷۰

اے بخشش اور کرم کرنے والے

خاصیت:- اگر اپنے بستر میں یہ اسم بہت پڑھے یہاں تک کہ سو جاوے فرشتے دعا کریں اور کہیں کہ اکرمک اللہ یعنی بزرگ کرے تجھکو اللہ اور خلق میں بزرگ مقرر ہو۔ اور کہتے ہیں حضرت علیؓ اس کو بہت پڑھتے تھے اس سبب سے ان کو کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔

یَارَقِیْبُ
جمل ۳۱۲

اے نگاہ رکھنے والے خلق کے

خاصیت:- جو کوئی سات بار اس اسم کو اپنی زوجہ اور فرزند اور مال پر پڑھے اور ان کے اوپر دم کرے تمام دشمنوں اور کل آفتوں سے نڈر رہووے اور جو کوئی تین یا سات بار پڑھ کر پھونک دے شفا حاصل ہووے ۱۲

یَامُجِیْبُ
جمل ۵۵

اے قبول کرنے والے دعا کے

خاصیت:- جو کوئی اس اسم کو بہت کہے یہ دعا کرے اللہ جلد قبول فرمائے اور اگر لکھ کر پاس رکھے خدائے تعالیٰ کی امان میں رہے اور دوسرے کے لئے جو کوئی تین مرتبہ پڑھ کر دم کرے درد سر دور ہو جائے۔

یَاوَاسِعُ	جمالی ۱۳۷	خاصیت :- جس کو بچھو کاٹے وہ ستر بار پڑھکر پھونک دے زہر اثر نہ کرے اور جو کوئی اس اسم کو ورد کرے دولت قناعت سے مالامال کرے اور واسطے کشائش کے آزمودہ ہے۔ احقر نے ورد اس کا کیا تھا کبھی محتاج نہ رہا جتنا خرچ کرتا زیادہ ملتا ۱۲
اے وسعت دینے والے		
یَاحَکِیْمُ	جمالی ۷۸	خاصیت :- جو کوئی کام پیش آوے اور اس سے سرانجام اُس کا نہ ہو سکتا ہو تو اس اسم کو مداومت کرے مہم اس کا سرانجام پاوے اور اگر بعد نماز پیشین نوے بار پڑھے تمام خلق سے سرخرو رہے اور درستی امور ۱۲
اے استوار کار درست گفتار		
یَاوَدُوْدُ	جمالی ۲۰	خاصیت :- جس کا فرزند بدراہ ہو جمعہ کے روز بعد نماز کے ایک ہزار ایک مرتبہ شیرینی لطیفہ و معطر پر پڑھ کر دم کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے اور وہ شیرینی اس کو کھلاوے انشاء اللہ تعالیٰ صلاحیت پذیر ہو ۱۲
اے بہت درست رکھنے والے		
یَامَجِیْدُ	جمالی ۵۷	خاصیت :- جس کو آبلہ یا پا فرنگ یا جذام یا برص ہو ایام بیض یعنی چاندنی والے دنوں میں روزے رکھے اور وقت افطار کے اس اسم کو بہت پڑھے اور پانی پر دم کرے اور پیئے صحت پاوے اور عزت کیواسطے ۹۹ بار صبح کو پڑھے۔
اے بزرگ		
یَابَاعِثُ	جمالی ۵۷۳	خاصیت :- جو کوئی سات مرتبہ پڑھے اور اپنے اوپر پھونکے روبرو حاکم کے جاوے تو وہ مہربان ہو اور جو کوئی چاہے دل زندہ ہو وقت سونے کے ہاتھ سینہ پر رکھے اور اس کو ایک سو ایک بار پڑھے دل زندہ اور روشن ہووے ۱۲
اے اٹھانے والے		
یَاشَہِیْدُ	جمالی ۳۱۹	خاصیت :- جس کا بیٹا نافرمان ہو یا بیٹی غیر صالح ہو ہر صبح کے وقت ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھے اور منہ آسمان کی طرف کرکے اکیس بار پڑھے یا شہید حق تعالےٰ ان دونوں کو صالح کرے ۱۲
اے حاضر		

نام	عدد	خاصیت
يَاحَقُّ اے ثابت	عدد ۱۰۸	خاصیت :۔ جس کا کچھ اسباب جاتا رہا ہو ایک کاغذ کے چاروں کونوں پر یہ اسم لکھے اور کاغذ کے بیچ میں نام اس اسباب کا بھی لکھے اور آدھی رات کو ہتھیلی پر پر رکھ کر آسمان کی طرف کرے۔ شفیع لاوے۔ پاجاوے ۱۲
يَاوَكِيلُ اے کارساز بندوں کے	عدد ۶۶	خاصیت :۔ اگر بجلی گرنے سے ہوائے تند سے یا پانی یا آگ لگنے سے خوف ہو اس اسم کو ورد کرے انشاء اللہ تعالیٰ امان میں رہے اور اگر خوف کی جگہ میں بہت پڑھے نڈر ہو جو ہر روز وقت عصر کے سات بار پڑھے پناہ میں رہے۔ ۱۲
يَاقَوِيُّ اے قوت والے	عدد ۱۱۶	خاصیت :۔ جس کا دشمن قوی ہو اور دفع سے عاجز ہو تھوڑا آٹا لیوے اور اس کی ۱۰۰ اگولیاں بنادے اور ایک ایک گولی اٹھادے اور کہے یا قوی اور بہ نیت دفع دشمن مرغ کے آگے ڈالے دشمن کو خدا مقہور کرے بفضلہ وکرمہ ۱۲
يَامَتِينُ اے مضبوط	عدد ۵۰۰	خاصیت :۔ جسے بچہ کا دودھ چھوٹا نا ہو اور بچہ صبر نہیں کرسکتا یا دودھ کی پلانے والی کے دودھ میں نقصان آجائے چاہیئے کہ اس اسم کو لکھ کر اس بچہ کو پلاوے یا صبر کرے اور واسطے وہم کے اتوار کے روز اول ساعت میں سات بار پڑھنا مفید ہے۔ ۱۲
يَاوَلِيُّ اے دوست مومنوں کے	عدد ۴۶	خاصیت :۔ جو کوئی اس اسم کو بہت پڑھے خلقت کے دل کی باتوں پر آگاہ ہو اور جس کی لونڈی ہو کر اس کی سیرت سے ناخوش ہو جس وقت اس کے آگے جانا چاہے اس اسم کو بہت پڑھے حق تعالیٰ اُس کو صلاحیت پر لاوے ۱۲
يَاحَمِيدُ اے تعریف کرنیوالے ذات اپنی کے	عدد ۶۲	خاصیت :۔ جو کوئی اس اسم کو بہت پڑھے ناپسندیدہ افعال ہوا ور فحش اور بدزبانی اس پر غالب نہ آسکے اپنے کو اس سے نگاہ رکھے اور اگر اس اسم کو پیالہ پر لکھے اور بعضوں نے یہ کہا نوے بار پڑھے اور اس میں پانی پیئے ۱۲

اسم	جلالی	خاصیت
یَا مُحْصِیُ اے احاطہ کرنے والے	جلالی ۱۴۸	خاصیت :- جو کوئی شب جمعہ کو اس اسم کو ایک ہزار بار پڑھے عذاب گور سے اور عذاب قیامت سے نڈر ہوگا اور جو کوئی ہر روز دس بار پڑھے ہر روز بلا اور حفاظت ایزدی میں رہے ۱۲
یَا مُبْدِئُ اے پیدا کرنے والے	جلالی ۵۶	خاصیت :- جسکی بی بی کو حمل ہو اور اسقاط حمل سے ڈرتا ہو یا دیر تک رہے چاہیے کہ خاوند اس کا سحر کے وقت نوے بار اس اسم کو پڑھے اور انگلی شہادت کی گرد پیٹ کے پھیرے حمل اسقاط نہ ہو اور جلدی خلاصی پاوے ۱۲
یَا مُعِیْدُ اے پیدا کرنے والے بار دوسری	جلالی ۱۲۴	خاصیت :- جس شخص کا کوئی آدمی غائب ہو اور وہ چاہے کہ وہ آجائے اس اسم کو گھر کے چاروں کونوں میں ستر ستر بار پڑھے اور بعدہٗ کہے یا معید پھیر تو فلانے کو سات روز تک نہ گزریں گے کہ غائب آوے یا اس کی خبر ملے ۱۲
یَا مُحْیِیُ اے جلانے والے	جلالی ۶۸	خاصیت :- جو کوئی درد اور رنج اور ضائع ہونے کسی عضو سے خائف ہو اسم محیی کو سات بار پڑھے حق تعالیٰ اسے نڈر کر دے اور واسطے درد ہفت اقسام کے سات روز تک سات بار پڑھے اور دم کرے شفا پاوے مداومت سے دل زندہ ہو۔
یَا مُمِیْتُ اے مارنے والے	جلالی ۴۹۰	خاصیت :- جو کوئی نفس پر قادر نہ ہووے کہ متابعت میں غلبہ کرے وقت سونے کے ہاتھ سینہ پر رکھے اور اس اسم یا ممیت کو پڑھے یہاں تک کہ سو جائے حق تعالیٰ اس کے نفس کو فرمانبردار کرے اور جو سات بار پڑھے اور دم کرے جادو اس پر اثر نہ کرے ۱۲
یَا حَیُّ اے زندہ رکھنے والے	جلالی ۱۸	خاصیت :- اگر کوئی شخص بیمار ہو اس اسم کو بہت پڑھے صحت پائے یا کوئی پڑھ کے دم کرے شفا پائے اور اگر بیمار پر آنکھ کے سامنے کرکے پڑھے شفا پائے اور اگر ہر روز ستر بار پڑھے عمر اس کی دراز ہو۔

يَا قَيُّوْمُ اے قائم رہنے والے	عدد ۱۵۶	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو بہت پڑھے وقت سحر کے دلوں میں تصرف اس کا ظاہر ہو یعنی دوست رکھیں گے لوگ اُس کو اور اگر بہت پڑھے مہمات اس کی بر آویں اور حسبِ دل خواہ مراد کو پہنچے اور دل شاد رہے ۱۲
يَا وَاجِدُ اے غنی بے پروا	عدد ۱۴	خاصیت :- جو کوئی وقت کھانا کھانے کے ساتھ ہر نوالے کے اس اسم کو پڑھے وہ کھانا پیٹ میں نور ہو اور جو کوئی خلوت میں اس کو بہت پڑھے توانگر ہو اور اگر ایک بار پانی پر دم کر کے پلاوے وہ محبت اس سے کرے ۱۲
يَا مَاجِدُ اے صاحب بزرگ	عدد ۴۸	خاصیت :- جو کوئی خلوت میں اس اسم کو اتنا پڑھے کہ بیہوش ہو جاوے انوارِ الٰہی اس کے دل پر ظاہر ہوں اور اگر مدام بہت پڑھے خلق کی آنکھ میں بزرگ ہو اور اگر شربت پر دس بار پڑھ کر بیمار کو دے آرام پاوے ۱۲
يَا وَاحِدُ اے یکتا ذات اپنی میں	عدد ۱۹	خاصیت :- اگر کسی کا دل خلوت سے ہراساں ہو ایک ہزار ایک بار اس اسم کو پڑھے خوف اس کے دل سے جاتا رہے اور مقرب حضرتِ حق کا ہووے اور اگر طلب حق کی ہو شب کو بہت پڑھے اور اگر فرزند چاہے پاس رکھے ۱۲
يَا اَحَدُ اے ایک	عدد ۱۳	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو نو مرتبہ پڑھے آگے امیر کے جائے تو عزت اور سرفرازی پائے اور اگر دونوں اسموں کو ملا کر ایک سو بار پڑھ کر سانپ کے کاٹے ہوئے پر دم کرے صحت و آرام پائے مجرب ہے ۱۲
يَا صَمَدُ اے بے پروا	عدد ۱۳۴	خاصیت :- جو کوئی سحر کے وقت یا آدھی رات کو سجدہ کرے اور ایک سو پندرہ بار اس اسم کو پڑھے صادق الحال وقال ہو اور اگر کسی ظالم کے ہاتھ میں گرفتار ہو بہت پڑھے خلاصی پاوے انشاء اللہ تعالیٰ ۱۲

یَاقَادِرُ — جلالی ۳۰۵
اے قوت والے

خاصیت :- اگر وقت دھونے اعضاء وضو کے اس اسم کو پڑھے کسی ظالم کے ہاتھ میں نہ پڑھے اور اگر کاش کوئی کار مشکل درپیش ہو اکتالیس بار پڑھے سب کام دشوار اس کے درستی پائیں اور انجام نیک ہو بفضلہ تعالیٰ

یَامُقْتَدِرُ — جلالی ۷۴۴
اے قدرت ظاہر کرنیوالے

خاصیت :- جو کوئی اس اسم پر مداومت کرے غفلت اس کی ساتھ ہوشیاری کے تبدیل ہو اور جو وقت اٹھنے کے سونے سے اس اسم کو ایک سو بیس بار پڑھے تمام کام اس کے حق تعالےٰ کی طرف رجوع پکڑیں بفضلہ تعالیٰ ۱۲

یَامُقَدِّمُ — جلالی ۱۸۴
اے آگے دینے والے ساتھ رسولوں کے

خاصیت :- جو کوئی معرکہ جنگ میں ہو اس کو پڑھے یا اپنے پاس رکھے کچھ رنج اس کو نہ پہونچے اور جو وظیفہ کر کے پڑھے نفس طاعتِ الٰہی میں فرمانبردار ہو جس کو نو مرتبہ پڑھ کر شیرینی پر کھلاوے عاشق ہو۔

یَامُؤَخِّرُ — جلالی ۸۴۶
اے پیچھے ڈالنے والے د

خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو ایک تسبیح پڑھے دل اُس کا ساتھ غیر کے آرام نہ پکڑے اور جو سو بار پڑھے تمام کام اس کے انجام کو پہونچیں اور اگر اکتالیس بار پڑھے تو نفس اس کا اطاعت اس کی قبول کرے اور اس کا فرمانبردار رہے ۱۲

یَااَوَّلُ — جلالی ۳۷
اے پہلے سب سے

خاصیت :- جس کے اولاد نہ ہو چالیس دن تک اس کو پڑھے اللہ تعالیٰ فرزند نیک عطا کرے اور اگر چالیس شب جمعوں میں پڑھے ہزار بار کل مرادیں اس کی بر آئیں اور ہر روز بہ نیتِ تسخیر گیارہ بار پڑھے تمام خلق مہربان ہو ۱۲

یَااٰخِرُ — جلالی ۸۰۱
اے پیچھے سب سے

خاصیت :- جس کسی کی عمر آخر کو پہونچی اور اعمال نیک نہ رکھتا ہو اس اسم کو ورد کرے حق تعالےٰ عاقبت بخیر کرے اور جو کہیں جائے اور اس اسم کو پڑھ لے وہاں عزت و توقیر پائے اور صاحب مرتبہ رہے ۱۲

اسم	عدد	خاصیت
یَاظَاهِرُ اے ظاہر ساتھ صفتوں اپنی کے	جلالی ۱۱۰۶	**خاصیت** :۔ جو کوئی اس اسم کو بعد نماز اشراق پانسو بار پڑھے آنکھیں روشن ہوں اگر خوف ہو مینہ وغیرہ کا تو بہت پڑھے امان حاصل رہے اور اگر دیوار پر لکھے تو دیوار سلامت رہے اور اگر گیارہ مرتبہ پڑھ کر سرمہ لگائے تو خلق مہربان ہو ۱۲
یَابَاطِنُ اے پوشیدہ وہم وخیال سے	جلالی ۶۲	**خاصیت** : جو کوئی اس اسم کو اپنے دل میں ورد کرے صاحب باطن اور واقف اسرار الٰہی ہو اور جو کوئی اس کی مداومت کرے تمام خلق اس پڑھنے والے کی محبت دل میں رکھے اور وہ عزیز ہو ۱۲
یَاوَالِیُ اے مالک کارساز	جلالی ۴۷	**خاصیت** : جو شخص چاہے کہ میرا گھر یا غیر کا تمام آفتوں سے محفوظ رہے اور آباد ہو کورے آبخورے پر پڑھے یا لکھے اور وہ پانی آبخورے کا دیوار پر مارے وہ دیوار سلامت رہے اور مسخر کرنے کے لئے اس اسم کو بہت پڑھے ۱۲
یَامُتَعَالِیُ اے بہت بلند	جلالی ۵۵۱	**خاصیت** :۔ جو کوئی اس اسم کو بہت پڑھے دشوار کام اس کے آسان ہوں اگر حیض کی حالت میں عورت پڑھے تمام آفتوں سے امن میں رہے اور اگر یکشنبہ کو وقت شب غسل کر کے منہ آسمان کی طرف کر کے دعا مانگے قبول ہو ۱۲
یَابَرُّ اے نیکوکار	جلالی ۲۰۲	**خاصیت** :۔ جو کوئی ہوا وغیرہ آفتوں سے ڈرتا ہو اس اسم کو پڑھے امان پاوے اور جو طفل پر سات مرتبہ پڑھ کر خدا کو سونپے سن بلوغ تک امن میں رہے اور جو شراب یا زنا میں مبتلا ہو ہر روز سات بار پڑھے دام شیطان سے خلاصی پائے ۱۲
یَاتَوَّابُ اے قبول کرنے والے توبہ کے	جلالی ۴۰۹	**خاصیت** :۔ جو کوئی نماز چاشت کے بعد تین سو ساٹھ بار کہے حق تعالیٰ اسے توبہ نصوح کرامت فرماوے اور اگر وظیفہ کرے سب کام اس کے صلاحیت پر آئے اور نفس طاعت میں آرام پکڑے اور وظیفہ کرنے والا عشرت میں رہے ۱۲

خاصیت	عدد	اسم
خاصیت:۔ جو شخص کسی دشمن سے مغلوب ہو اس اسم کو تین جمعہ تک پڑھے تو دشمن مغلوب ہو جاویں اور جس نیت سے آدھی رات سے پڑھے وہ کام سرانجام ہو اور بیچ بروایت ابوہریرہ کے منتم میں آیا ہے جو کوئی اس کی مداومت کرے ہرگز کسی کا محتاج نہ ہو ۱۲	جلالی ۶۳۰	**یَامُنْتَقِمُ** اے بدلہ لینے والے کافروں کے
خاصیت:۔ جس کے گناہ بہت ہوں اس اسم کو مداومت کرے حق تعالیٰ تمام گناہ اس کے عفو کرے جو کوئی تنہا بیس بار پڑھ کر تلوار پر پھونک دے اس پر اثر نہ کرے اللہ تعالیٰ کے نام میں سب طرح کی تاثیر ہے زبان اور دل صاف چاہیئے۔	جلالی ۱۵۶	**یَاعَفُوُّ** اے معاف کرنے والے
خاصیت:۔ جو کوئی چاہے کہ ظالم کے ہاتھ سے مظلوم کو چھٹا دے اس کو دس بار پڑھے وہ ظالم اس شخص کی شفاعت قبول کرے گا اور جو کوئی اس پر مداومت کرے دل اس کا نرم ہو اور سب کو دوست رکھے اور سب لوگ اس کو عزیز رکھیں ۱۲	جلالی ۲۸۶	**یَارَءُوفُ** اے بڑے مہربان
خاصیت:۔ جو کوئی اس کی مداومت کرے تو انگر ہو اور حاجات اور مہمات دارین کی درستی پائیں اور عالموں نے لکھا ہے کہ جو کوئی دونوں اسموں کو ملا کر پڑھے اگر فقیر ہو تو غنی ہو جائے لیکن جلال بہت رکھتا ہے۔	جلالی ۲۱۲	**یَامَالِكَ الْمُلْكِ** اے مالک دو جہان کے
خاصیت:۔ یہ اسم اعظم ہے بعض کے نزدیک جو شخص یا ذوالجلال والاکرام بیدک الخیر ہو علیٰ کل شئ قدیر سو بار پڑھ کر پانی پر دم کرے اور اس پانی کو بیمار کو پلائے بیماری سے شفا پائے اور دل محزون مسرور ہو از امام جعفر صادق ۱۲	جلالی ۱۰۹۵	**یَاذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامُ** اے صاحب بڑائی اور بخشش کے
خاصیت:۔ جو کوئی اس اسم کو سو بار پڑھے شر شیطان سے اور اس کے وسوسہ سے نڈر ہو اور کوئی سات سو بار پڑھے جو مقصود رکھتا ہو حاصل ہو اور جو کوئی رنج میں مبتلا ہووے ستر بار پڑھے رنج سے نجات حاصل ہووے خوشی ملے۔	جلالی ۲۰۹	**یَامُقْسِطُ** اے انصاف کرنے والے

اسم	عدد	خاصیت
یَاجَامِعُ اے جمع کرنیوالے لوگوں کے قیامت کے دن	عدد ۱۱۴	خاصیت :- جس کے اہل واقارب متفرق ہو گئے ہوں وقت چاشت کے غسل کرے اور آسمان کی طرف نظر کرکے دس بار پڑھے ہر ایک انگلی کرے پھر ہاتھ منہ پر ملے تھوڑے عرصہ میں جمع ہو جاویں گے اگر لاکھ بار پڑھے ملائک خصلت ہو۔
یَاغَنِیُّ اے بے پروا	عدد ۱۰۶۰	خاصیت :- جو کوئی طمع میں مبتلا ہوا اسم یاغنی کو اوپر ہر عضو کے پڑھے اور ہاتھ کھینچ لاوے حق تعالیٰ اس کی بلا دفع کرے گا اور جو ہر روز ستر بار پڑھے اس کے مال میں برکت ہو کہ کبھی محتاج نہ ہو اور پنجشنبہ کو ہزار بار پڑھے دولت ملے ۱۲
یَامُغْنِیُ اے بے پروا کرنے والے	عدد ۱۱۰۰	خاصیت :- جو کوئی اس اسم کو دس جمعوں تک مداومت کرے کہ ہر جمعہ کو ہزار بار پڑھے خلقت سے بے پرواہ ہو اور کتاب مفید عالم میں لکھا ہے جو کوئی وقت جماع کے ستر بار پڑھے تو امساک بہت ہو ۱۲ ادبیر عباس
یَامُعْطِیُ اے دینے والے	عدد ۱۲۹	خاصیت :- حضرت شیخ قدس سرہ العزیز نے لکھا ہے جو کوئی اس اسم معظم یا معطی کو ورد اپنا کرے کبھی محتاج نہ ہو۔ ۱۲
یَامَانِعُ اے منع کرنے والے	عدد ۱۶۱	خاصیت :- جب میاں بیوی میں خفگی اور نزاع واقع ہووے جس وقت کہ بچھونے پر جاوے اس اسم کو بیس بار پڑھے حق تعالیٰ اس کے غصہ کو دفع کرے حضرت شیخ کا قول ہے جو کوئی یا مانع کا ورد کرے محتاج نہ ہو۔
یَاضَآرُّ اے ضرر پہنچانے والے	عدد ۱۰۰۱	خاصیت :- جس کو حال اور مقام میسر نہ ہو اس اسم کو جمعہ کی شبوں میں سو بار پڑھے حق تعالیٰ اس کو مقام میں ثبات وقیام عطا فرمائے اور مرتبہ اہل میں پہنچائے اور کمال ظاہر کا کچھ اصل اس کے آگے نہیں ۱۲

اسم	عدد	خاصیت
یَانَافِعُ — اے نفع پہنچانے والے	جلالی ۲۰۱	**خاصیت** :- جو کوئی کشتی میں بیٹھے اور اس اسم پر مداومت کرے کوئی آفت اس کو نہ پہونچے اور اگر ابتدائے ہر کار میں ۲۱ بار پڑھے تمام کام اس کے حسب دلخواہ مراد کو پہونچیں اور جو کوئی ماہ رجب میں ورد کرے اسرار الٰہی سے آگاہ ہو ۱۲
یَانُوْرُ — اے روشنی بخشنے والے	جلالی ۲۵۶	**خاصیت** :- جو کوئی شب جمعہ میں سات بار سورہ نور اور ایک ہزار بار اس اسم کو پڑھے اس کے دل میں نور پیدا ہووے اور اگر وقت صبح کے ہر روز اس کی مداومت کرے دل اس کا روشن اور منور ہووے ۱۲
یَاهَادِیُ — اے راہ دکھانے والے	جلالی ۲۰	**خاصیت** :- جو کوئی ہاتھ اٹھا کر اور منہ طرف آسمان کے کرکے اس اسم کو بہت پڑھے اور ہاتھ اور منہ اور آنکھوں کے اوپر پھیرے مرتبہ اہل معرفت کا پاوے اور اسرار معارف اس پر ظاہر ہوں ۱۲
یَابَدِیْعُ — اے پیدا کرنے والے چیزوں کے	جلالی ۸۶	**خاصیت** :- جس کو کوئی غم پیش آوے ستر ہزار بار اور ایک روایت میں ہزار بار یا بدیع السمٰوٰت والارض پڑھے وہ مہم سرانجام پائے اور اگر باوضو منہ قبلہ کی طرف کرکے اتنا پڑھے کہ سو جائے کچھ پاوے خواب میں واللہ اعلم ۱۲
یَابَاقِیُ — اے ہمیشہ رہنے والے	جلالی ۱۱۳	**خاصیت** :- جو کوئی شب جمعہ میں ایک سو مرتبہ پڑھے تمام عمل اس کے قبول ہوں اور اگر روز شنبہ کے بہ نیت مقہوری اعدا سو مرتبہ مداومت کرے دشمن اس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں ۱۲
یَاوَارِثُ — اے رہنے والے بعد فنا خلق کے	جلالی ۷۰۷	**خاصیت** :- جو کوئی وقت طلوع آفتاب کے اس اسم کو ایک سو مرتبہ پڑھے کچھ رنج اس کو نہ پہنچے اور جو کوئی اس پر مداومت کرے تمام کام اس کے بن جائیں اور خود امن میں رہے ۱۲

اسم	اعداد	خاصیت
یَا رَشِیْدُ اے رہنما عالم کے	عدد ۵۱۴	خاصیت :- جو کوئی تدبیر اپنے کام کی نہ جانے اس کو درمیان نماز شام اور سونے کے ہزار بار پڑھے جو کچھ خواب ہو اس پر قادر ہو اور اگر مداومت کرے بغیر سعی مہمات سرانجام پائیں اور کل کام ٹھیک اور درست ہوں ۱۲
یَا صَبُوْرُ اے بردبار	اعداد ۲۹۸	خاصیت :- جس کو رنج یا مشقت یا درد یا مصیبت پیش آئے تینتیس ۳۳ بار اس کو پڑھے اطمینان باطن پاوے اور اگر آدھی رات یا دوپہر کو مداومت کرے واسطے زبان بندی دشمنوں وغیرہ کے بہت مفید ہے ۱۲

التماسِ ضروری

اگر کوئی منذکرہ بالا اسماء حسنیٰ کے عملیات و تعویذات پر یہ عقیدہ رکھے کہ تارکِ واجبات و فرائض عائد کردہ منجانب شریعت ہو کر کامیاب ہو سکتا ہے تو یہ جہالت ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی مطلب کے لئے کوئی عمل پڑھتا ہو اور ظاہری شرعی کوشش نہ کرتا ہو تو وہ یقیناً ناکام ہوگا اس کی مثال ایسے مریض کی سی ہوگی جو دوا تو کھاتا ہو مگر پرہیز نہ کرتا ہو بلکہ عمل پڑھنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ عمل کی وجہ سے ظاہری شرعی کوشش ناکام نہ رہے۔

اس لئے گزارش مؤدبانہ ہے کہ شرعی احکام کی پابندی مقدم و مؤخر جانو اور جس طرح نماز سے قبل طہارت واجبہ ضروری ہے یا ہانڈی میں نمک بقدرِ ضرورت چاہیئے تو اعمال و اسبابِ ظاہری مطابق عین شرع شریف قبل از اقدام لازم و ملزوم ہیں۔ اور اگر اللہ توفیق دے تو کسی صاحب نظر عابد و عارف باللہ سے استمداد و رہنمائی بھی سونے پر سہاگہ کا اثر پیدا کرے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلام تو وہی کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اسی کی تعریف اسی کی زبان سے ادا ہو تو درست ہے اور وہ ہی سچی تعریف ہے ورنہ خالق کی شان اور مخلوق کی زبان۔ یا مختار کی بزرگی اور مجبور کی اُفتادگی۔ یا مالک کا جاہ وجلال اور مملوک کا خستہ حال ایسا ہے کہ

ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

کیونکہ وہ سچا اُس کا کلام سچا۔ خود فرماتا ہے:۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝

احدیت و واحدیت

پھر ہم اپنے جھوٹے الفاظ کیوں اُس ذات پاک کے واسطے استعمال کریں بلکہ اُسی کے سچے جواہرات ہی اُس کے سامنے کیوں نہ پیش کر دیں۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے جو کچھ کہ سب آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ وہ زبردست حکمت والا ہے

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى

اسی کی بادشاہی آسمانوں اور زمین کی ہے وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہی

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَ

ہر چیز پر قادر ہے وہ ہی سب سے پہلے اور وہ ہی پیچھے اور وہ ہی ظاہر ہے اور

الْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

وہ ہی چھپا ہوا ہے اور وہ ہی ہر چیز کو جانتا ہے

اشیاء کا عین وہ اس طرح سے ہے کہ لباسِ اسماء وصفات میں عالم علم اور عالمِ عین میں وہی ظاہر ہے مگر غیر اس اعتبار سے ہے کہ اس کی ذات ہنوز مخفی و پوشیدہ ہے اور نقص و زوال کی صفات سے نہایت عالی اور حصر و یقین سے منزّہ و مبرّا ہے لیکن حدوث و تکوین کے داغ سے مبرّا ہے۔ اس نے اشیاء کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ خود ان میں مخفی و پوشیدہ ہو جائے مگر اشیاء ظاہر ہو کر اس کو چھپا لیں

اور قیامتِ کُبریٰ میں وہ عدل اِس طرح سے کرے کہ وہ خود وحدتِ حقیقی سے ظاہر ہوگا اور اشیاء پر وہ قہر نازل کرے گا چنانچہ فرمایا :۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

آج کس کا مُلک ہے ؟ اللہ واحدِ قہار کا

اور فرمایا :۔

وَكُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَكَ

ہر چیز ہلاک اور نابود ہو جائے گی سوائے اس کی ذات کے

اور قیامتِ صُغریٰ میں وہ عالمِ شہادت سے عالمِ غیب میں تحوّل فرمائے گا یعنی ایک ہی عالم میں ایک صورت سے دوسری صورت میں وہ خود کو ظاہر کرے گا پس جو ماہیات ہیں وہ اُس کے کمالات ہیں اور اسماء وصفات اُس کے مظاہر ہیں چنانچہ پہلے وہ علم میں ظاہر ہوا پھر وہ عین میں ظاہر ہوا اور عین اُس کا ظہور اشیاء ہی کے ذریعہ سے ہوا تاکہ اُس کی نشانیاں ظاہر ہوں اور اُس کی قدرت و عِلم کا عَلم ہر وجہت میں بلند رہے۔ اسی واسطے باعتبار صورتوں کے اُس میں کثرت ہے پھر بھی وہ وحدتِ حقیقی اور کمالاتِ سرمدی میں ظاہر ہے اور حقائق اشیاء کو اُسی سے ادراک کرتا ہے جس سے وہ اپنی ذات کی حقیقت کو ادراک کرتا ہے کیونکہ وہ حقائق بھی اپنی ذات کی اصل میں عین ہیں اگرچہ وہ عین اس کے غیر ہیں اور اُس کو اُس کا غیر ادراک نہیں کرسکتا ہے چنانچہ فرماتا ہے :۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبصار

اُس کو بصر ادراک نہیں کرتی ہے بلکہ وہ خود بصر کو ادراک کرتا ہے

وَ لَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا

اور اس پر لوگ علم سے احاطہ نہیں کرسکتے

یہ ہی تعریف ہے جو اُس کے لائق ہے ورنہ بقول شیخ سعدیؒ

نہ گنجد کرمہائے حق در قیاس

چہ خدمت گزارد زبانِ سپاس

نبوّت

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بھی ایسی ہی طاہر و مُطہر ہے جہاں ہم اپنی انسانی دل و دماغ کی کاوش اور زبان کی کوشش کو قاصر پاتے ہیں اور اپنی زبان کے الفاظ شایانِ شانِ نبیؐ تلاش نہیں کر سکتے جبکہ قرآنِ کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ واضح اور انوکھے انداز میں خطاب فرماتا ہے :-

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ

مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○

یعنی اُس پاک پروردگار نے اپنے بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سیر کرائی۔ وہ مسجد اقصیٰ جس کے گرد و نواح کا علاقہ بھی بہت بابرکت ہے تاکہ آپ کو اپنی نشانیاں دکھائے تحقیق وہ ہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

یا

اپنے کلامِ معجز نظام میں بصراحت و بوضاحت مزید اپنے حبیبِ مکرم شفیعِ مُعظّم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

رسالت

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ

لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ○ تفیرحسینی

"وہ خدا ہے جس نے بھیجا اپنے رسُول کو کہ محمدؐ ہیں ہدایتِ خلق اور احکام دین کرنے کے ساتھ اور دینِ حق کے ساتھ کہ اسلام ہے تاکہ غالب کر دے اس دین کو اوپر سب دینوں کے یعنی اور

دین اگر حق ہو تو اس کے احکام منسوخ کر دے اور اگر باطل ہو تو اس کو جڑ سے اکھاڑ دے اور کافی ہے خدا شہیداً گواہ ہے محبوب پر"

اے حبیب اگر سہیل کہتا ہے کہ صلحنامہ پر محمدؐ بن عبداللہ لکھیں تو تم غم نہ کرو کہ ہم تو کہتے ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط کہ محمد رسول اللہ کے برحق ہیں۔

منقبتِ صحابہ

منقبتِ صحابہ بھی تو آخر اسی نبیؐ کی توصیف ہے جسے اللہ اپنے مکہ سے عرش تک لے گیا پھر اس کی روحیں نبیؐ سے کب جُدا تھیں۔ دُنیا میں جب ان کی معیت ثابت ہے تو وہاں کب علیحدہ ہیں یعنی اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ۔

وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ یعنی یارِ غار حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ" جو تقرب اور مصاحبت میں آپ سے مخصوص رہے " سے منسوب ہے۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ یعنی "سخت دل اور کڑے ہیں کافروں پر " سے مراد حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہے کیونکہ وہ مشرکوں اور منافقوں کے ساتھ بہت کڑے تھے۔

رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ یعنی " مہربان ہیں آپس میں " سے اشارہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف ہے کیونکہ نرم دلی۔ حیا۔ مروت اور وفا ان کی مشہور ہے۔

تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یعنی" دیکھئے ان کو رکوع اور سجدہ میں " سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو متعارف کیا گیا ہے کیونکہ آپ کے اکثر اوقات عبادت میں گزرے تھے ہر رات ہزار بار نماز میں اللہ اکبر کی آواز خلوت سے آپ کے خدامِ آستانِ عالی کے کان میں پہونچتی تھی۔

یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا۔ ان حضرات کی خواہشیں کیا تھیں اللہ فرماتا ہے کہ " خدا کے فضل سے یعنی ثواب کی زیادتی ڈھونڈھتے ہیں اور خوشنودی خدا کی "

سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط اس آیۃ مقدسہ میں ان کی پاک صورتوں کا قیافہ بیان فرماتا ہے کہ وہ ایسے ہیں کہ" نشانیاں نماز کی پیشانیوں سے ان کے چہروں سے ظاہر ہیں اور سجدہ کرنے کے اثر سے لبالب ہیں "

لکھا ہے کہ نماز کا اثر ان حضرات کی نورانی پیشانیوں سے ظاہر تھا کیونکہ نمازی کا چہرہ اہلِ دل

کی نظر میں آفتابِ تاباں ہے کہ

من کثر صلوٰۃ باللیل حسن وجھہ النھار

یعنی جو رات کو بہت نماز پڑھتا ہے اُس کا چہرہ دن کو حسین اور نورانی ہوتا ہے۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ۔

اور یہ وصف کہ مذکور ہوئے ہیں صفت اُن کی توریت میں اوصاف اُن کے لکھے ہیں انجیل میں یعنی اُن ہی صفتوں کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں اُن کا ذکر ہے یا توریت اور انجیل میں اُن کا ذکر ایسا ہے جیسا کہ کھیتی کے پہلے نکالتی ہے چھوٹی سی شاخ یعنی کونپل نکلتی ہے پھر قوی کرتی ہے اپنی اُس شاخ کو پھر موٹی ہو جاتی ہے۔

فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

لِيَغِيْظَ بِهِمُ

"پھر سیدھی کھڑی ہو جاتی ہے اپنی جڑ پر۔ پہلے بیج تھا پھر نرم گھاس ہوتی ہے آخر کو درخت ہو گیا۔ تعجب میں لاتی ہے کھیتی کرنے والوں کو اس کی قوت اور تیاری تا کہ غصہ کھائیں"۔ اس مثال کے ساتھ آنحضرت صلعم اور آپ کے اصحابِ کبار مثال دیئے گئے ہیں کہ اول میں دعوتِ اسلام ضعیف تھی جس قدر بڑی قوت پکڑی اور سیدھی قائم ہو گئی اور اہل علم کے تعجب کا سبب ہوئی اللہ تعالےٰ نے یہ تمثیل دی۔

الْكُفَّارَ۔ "رسول کے یاروں پر کفار"

امام قشیریؒ نے فرمایا ہے کہ یہ آیۃ اصحابِ کبار کی شان میں ہے پس جو اُن پر غصہ کرے کافروں میں داخل ہو گا

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔

وعدہ کیا ہے اللہ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور کام کئے ہیں انھوں نے اچھے اُن میں سے

یعنی اُن سب سے وعدہ فرمایا ہے منحرف گناہ بخش دے گا اور بڑے اجر دے گا

ولایت

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ مخلوقات میں برگزیدہ قرار دیئے گئے تو کمال انسانی کا انحصار بھی آپ ہی کے اتباع پر رہے گا یا اُن مقدس ہستیوں کے اتباع پر جنہوں نے آپ کی پیروی میں پوری صداقت اور پورے استقلال اور ثابت قدمی کا اظہار فرمایا۔ مثلاً خلفائے راشدین، آئمۂ اطہار صحابۂ کرام و اولیائے متقدمین و متاخرین۔ اس اتباعِ خصوصی سے جن کمالات کا تاقیام قیامت اظہار ہوتا رہے گا قرآنِ کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرما کر اس آیۂ مقدسہ میں تصدیق کردی ہے

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

" جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کا دوست خدا ہے کہ اُن کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے۔"

اس متذکرہ بالا اتباع کی بھی دو قسمیں ہیں :-

ظاہری اور باطنی

متابعتِ ظاہری مرتبۂ نبوت سے متعلق ہے اور **متابعتِ باطنی** مرتبۂ ولایت ہے۔ نبوت سے اُن احکامِ شریعت کی جانب اشارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عَالَمِ قُدس سے بواسطۂ جبرئیل علیہ السلام حاصل فرما کر مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ ولایت وہ فیضانِ اسرارِ توحید ہے جو حضور سرورِ کائنات مقام لی مع اللہ میں بلاوساطت جبرئیل براہ راست حق سبحانہٗ تعالیٰ سے اخذ فرماتے ہیں۔ عارفین کے اس قول میں کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ اسی امر کی جانب اشارہ ہے کہ ہر نبی ولی ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر ولی نبی ہو۔ وہ ولی جو نبی نہیں ہوتا انوارِ ولایت کا اظہار کمالاتِ نبی کے ذریعہ کرتا ہے لیکن ہر نبی نورِ نبوت

کو اپنی ہی ولایت کے آفتاب سے اخذ کرتا ہے اور کسی غیر کا محتاج اور تابع نہیں ہوتا۔ نبی مثل آفتاب کے ہے جو خود بھی روشن ہے اور دوسروں کو بھی روشنی بخشتا ہے۔ ولی مثل ماہتاب کے ہے جو آفتابِ نبوت سے نور اخذ کرتا ہے اور متابعتِ آفتاب اُس پر لازم ہوتی ہے تا وقتیکہ ولایت کمال کو نہیں پہنچتی نبوت ظاہر نہیں ہوتی قوتِ نبوت حسبِ قوتِ ولایت ہوتی ہے۔ آدم علیہ السلام جنت میں ولی تھے جب دنیا میں آئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو نبوت عطا فرمائی کیونکہ نبوت تشریع و تکلیف کا نام ہے اور دنیا تکلیف کا گھر ہے برخلاف جنت کے وہ کرامت و مشاہدہ کی جگہ ہے یعنی نبوت کا تعلق ظاہر سے ہے اور نبوت کا باطن ولایت ہے۔ ظاہر کو باطن سے مدد ملتی ہے۔ باطن ہی سے ظاہر کی پرورش ہوتی اور باطن ہی کی جانب سے ظاہر کو فیضان پہونچایا جاتا ہے۔ باطنی پہلو یہ ہے کہ اللہ سے تعلق قوی ہو اور اس میں استغراق و فنائیت حاصل کی جائے اور مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کے مرتبہ پر فائز ہو جائے اسی کا نام ولایت ہے۔ ظاہری پہلو یہ ہے کہ اس باطنی تعلق کی بنا پر جو کچھ عالمِ قُدس سے حاصل کیا گیا ہے اُسے خلق تک بطریقِ مناسب و مفید پہونچایا جائے یہ نبوت ہے۔ چنانچہ بندہ جب اپنے معبود کی عبادات و ریاضات باصولِ شریعتِ محمدیہ اس انداز سے مکمل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ اُس کا ظاہر و باطن اسبابِ طریقت سے مزین و آراستہ ہو جاتے تو ایسے حالات و مقامات سے دوچار ہوتا ہے کہ شریعت و طریقت کے مجاہدات خود بخود مشاہدات میں تبدیل ہو جاتے ہیں جن کے ذریعہ سے اس کو کمالِ ولایت نصیب ہو جاتا ہے۔ مگر یہ ہی انتہائے ولایت ابتدائے نبوت تک تو پہنچ سکتی ہے عروجِ نبوت سے استفادہ حاصل کر سکتی ہے۔ مقاماتِ نبوت سے عرفان نصیب ہو سکتی ہے لیکن عالمِ نبوت میں قیام ناممکن ہے۔ کیونکہ نبوت ذاتِ سرورِ کائنات مفخرِ موجودات جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی۔ یعنی کاملِ ولایت ہو کر بھی حاملِ نبوت نہیں ہو سکتا۔ البتہ نبی تو نہیں وارثِ نبی ہو سکتا ہے۔ اور اس کمال کے طفیل میں انکشافاتِ اسرارِ الٰہی ہونے لگتے ہیں جن کو بالفاظِ دیگر الہامات کہا جاتا ہے۔ وہ بھی محض اس وجہ سے کہ آنحضرت خاتم النبیین اور پیغمبر آخر الزمان ہیں اور آپ کی بعثت سے قبل تمام پیغمبروں کا زمانہ ختم ہو گیا لیکن آپ کا زمانہ آخرِ دُنیا تک ہے۔ جو جاری ہے چنانچہ ختمِ نبوت کے بعد دائرۂ احکامِ اُلوہیت اولیاء اللہ میں منتقل ہو گیا اور یہ ہی سلسلۂ نظام تا قیامِ قیامت دائم و قائم رہے گا۔ وہ یہ ہی اولیاء اللہ ہیں جو اتباعِ رسولِ اکرمؐ میں انسانِ کامل کے مقام پر پہونچ کر خلافتِ الٰہی اور نیابتِ رسول کے منصب پر ممتاز ہوئے ہیں اور امام مہدیٔ آخِرُ الزّمان کے

ظہور تک ہر زمانہ میں رہیں گے۔ یہ لوگ اس زمین پر اللہ کے قائم مقام اور محمدؐ الرسول اللہ کے وارث ہوتے ہیں۔ زمین پر تصرف کی قوتیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اخذ کرتے ہیں اور اسماء صفات کے متولی ہوتے ہیں اس کے لئے وہ معرفتِ الٰہی کے محتاج ہوتے ہیں اس لئے کمالِ انسانی کا اظہار اس پر ہے کہ انسان اللہ اور اس کے فضل و کمال کو بقدرِ قوتِ بشری معلوم کرے گویا کمال خلافت یا کمالِ انسانی کا دارو مدار **کمالِ معرفت** پر ہے

اب متذکرہ بالا بحث یا تشریح کے لئے چار مقامات سے متعارف ہونا ضروری ہو گیا جو درجِ ذیل ہیں :-

اوّل ——————— **شریعت**

دویم ——————— **طریقت**

سویم ——————— **حقیقت**

چہارم ——————— **معرفت**

یہ چاروں منازلِ تعیّنات ہیں جن کو سر کرنے کے بعد انسانِ کامل صفات بشری سے دُور ہو کر اصلِ حقیقت سے واصل ہوتا ہے۔ تجلّیٔ ذات سے منعکس ہو کر مظہرِ جمیع اسمار و صفاتِ الٰہی بنتا ہے یعنی کارخانۂ قدرت کا مختار بن کر کارِ غلامی انجام دیتا ہے۔ متابعت اور عبودیت کے مقام پر اختیار خصوصی حاصل کرتا ہے۔ جملہ مدارجِ ذاتِ اُلوہیت کی حفاظت کرتا ہے۔ طریقت اُس کی رہگذر۔ شریعت اس کا شعار اور حقیقت اُس کا مقام اصلی ہو جاتا ہے ایسا انسان اس زمین پر اخلاقِ الٰہی کی چلتی پھرتی تصویر اور اس دنیا کے رہنے بسنے والوں کے لئے رحمت اور برکت کا باعث ہوتا ہے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرکار دو عالم نے ایک مرتبہ عبد و معبود کے تعلقات پر تبصرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

يَقُوْلُ رَبِّيْ مَا زَالَ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ
بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اَحْبَبْتُهٗ فَكُنْتُ سَمْعَهُ
الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُبِهٖ
وَيَدُهُ الَّذِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّذِيْ
يَمْشِيْ بِهَا وَلَئِنْ سَاَلَنِيْ لَاُعْطِيَنَّهٗ
وَاِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَاُعِيْذَنَّهٗ۔

"میرا بندہ عبادتِ نافلہ کے ذریعہ میرا قربِ نوافل حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اُسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سُنتا ہے۔ اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ جب وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اور جب وہ پناہ مانگتا ہے تو میں پناہ دیتا ہوں"

اس حدیث کی شرح میں علامہ صالح جزائری لکھتے ہیں :۔

"جب بندہ اپنی تمام ہوا وہوس کو بھول کر صرف حق تعالیٰ کی اطاعت و بندگی میں لگ جاتا ہے اور اُس کا ہر فعل اپنے معبود کی تسلیم ورضا سے منسوب ہو جاتا ہے تو اُس کے مدارج میں ترقی ہوتی ہے اور حق تعالیٰ اُسے درجۂ محبوبیت عطا فرماتا ہے اور اپنی رحمتوں کے دروازے اُس پر کھول دیتا ہے

تعارف شریعت

بحکم خدا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں ایسا قانونِ مکمل انسان کو عطا کیا جو اس کے ظاہر و باطن کے لئے یکساں مفید و مثاب ہر دور میں ثابت ہو چکا ہے۔ انسان کی اجتماعیتِ ظاہری کے لئے شریعت وہ قانون ہے جس کے ذریعہ اموراتِ ظاہر اور مسائلِ مادی و حسی پر احکامات نافذ کئے جاتے ہیں۔

جس طرح انسانِ کامل کے دو رُخ ہیں ظاہر و باطن یا قالب و قلب۔ اسی طرح دینِ کامل کے بھی دو رُخ ہیں۔ شریعت و طریقت۔ اور جس طرح شریعت نام ہے ظاہر یا قالب کے اعمال و احکام کا اسی طرح طریقت نام ہے باطن یا قلب کے اعمال و احکام کا یا بالفاظِ دیگر باطن کے فقہ کا۔ جس طرح نماز۔ روزہ وغیرہ کے ارکان و اعمال کی ایک ظاہری صورت ہے جس کے احکام فقہ میں بیان ہوتے ہیں۔ اسی طرح خضوع و خشوع۔ حضورِ قلب یا دل سے حق تعالیٰ کی یاد و ذکر "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ" قلب و باطن کے اعمال ہیں۔ جس طرح ترکِ اکل و شرب روزہ کا ظاہر ہے۔ اُسی طرح اُس کا باطن تقویٰ بھی۔ "لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ" ہے۔ پھر جس طرح مختلف اعمال شرعیہ اپنی اپنی قالبی صورت رکھتے ہیں اسی طرح ان سب کی صحت و سقم۔ قبول و عدم قبول کا مدار "اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّیَّاتِ" اور درجاتِ اخلاص پر ہے۔ سب سے بڑھ کر ایمان اور عقائد جن پر نجات اور ظاہر کے سارے اعمال کی صحت و قبولیت کا مدار ہے اور جن کے بغیر نہ نماز، نماز ہے اور نہ روزہ روزہ۔ وہ یقین و ارادہ کے قلبی و باطنی فعل ہی کا نام ہے۔

سارے عقائد و ایمانیات کی جڑ توحید "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" ہے۔ یعنی الوہیت و معبودیت پر ایمان و یقین کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہم کو موت و زندگی، بیماری و تندرستی، ناداری و تونگری۔ ذلت و عزت وغیرہ کی ظاہری راہوں اور اسباب سے جو کچھ نفع و نقصان پہونچتا ہے سب کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو جاننا اور ماننا اور کسی فعل و اثر کا خالق غیر اللہ کو نہ سمجھنا ہی ہماری زندگی کے لئے شریعت ہے اور یہ ہی عینِ دین اور کمالِ دین ہے اور یہ ہی قلبی و باطنی علم و عمل یقین و ایمان

سارے ظاہری عبادات و معاملات کی روح و جان ہے اور اس روح و جان یا ایمان و عقیدہ کی صحت و حفاظت سارے اعمال و افعال سے بڑھ کر فرض و واجب نہیں۔

شریعت کے اندر جن اعمال کے کرنے کا حکم ہے وہ دو قسم کے ہیں۔ بعض کا تعلق ظاہر بدن سے یا ظاہری چیزوں سے ہے۔ جیسے کلمہ پڑھنا۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ ماں باپ کی خدمت وغیرہ۔ ان کو مامورات کہتے ہیں۔ اور کلمات کفر کہنا۔ شرک کے افعال کرنا۔ زنا۔ چوری بسود خوری رشوت وغیرہ ان کو ممنوعات کہتے ہیں۔ بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے جیسے ایمان و تصدیق و عقائد حقہ۔ صبر و شکر۔ توکل و رضا۔ بقضا تفویض۔ اخلاص و محبت خدا و رسول وغیرہ ان کو مامورات و فضائل کہتے ہیں۔ اور عقائد باطلہ بے صبری۔ ناشکری۔ ریا۔ تکبر وغیرہ ممنوعات و رذائل ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔ یہ عین اصول حکمت کے مطابق ہیں اور انہی مامورات کے ماتحت زندگی بسر کر کے ہم اپنی روحانیت کو ترقی دے سکتے ہیں۔ چنانچہ انسان کو اربعہ منازل سے گزرنے کے لئے اول شریعت محمدیہ کو عملاً و تصدیقاً قبول کرنا ازبس ضروری ہے کیونکہ شریعت ظاہر اور قلب سے تعلق رکھتی ہے ظاہر وجود انسانی ہے اور قلب عرش الٰہی کی حیثیت رکھتا ہے مگر شریعت وجود ظاہر اور قلب مومن پر یکساں جاری رہتی ہے۔ مثلاً اگر زبان سے کلمہ طیب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللہِ ادا کیا جائے تو دل بھی اس کلمہ کے معانی پر یقین رکھتے ہوئے تصدیق کرے یعنی

اظہار باللسان اقرار بالقلب

ہو تو شریعت ہے۔ اسی طرح عبادت خداوندی بندہ مومن کے لئے چند حدود میں حصار کی گئی ہے جس کی تعمیل شریعت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ سورہ فاتحہ پڑھنے کا تصور۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ " میرا بندہ جب نماز کے لئے میرے روبرو کھڑا ہوتا ہے اور اللہ اکبر کہتا ہے تب میرے اور بندہ کے درمیان جو پردہ ہے وہ اٹھا دیا جاتا ہے اور جس وقت میرا بندہ اَلْحَمْدُ کہتا ہے تب میں اُس سے پوچھتا ہوں

سوال :۔ حمد کس کے لئے کہتا ہے ؟

جواب :- تب وہ کہتا ہے لِلّٰہِ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے حمد کہتا ہوں۔
س :- پھر سوال ہوتا ہے کہ اللہ کون ہے؟
ج :- تب وہ کہتا ہے کہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی اللہ وہ ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔
س :- پھر اللہ پوچھتا ہے کہ رب العالمین کون ہے؟
ج :- تب وہ کہتا ہے کہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ یعنی رب العالمین وہ ہے جو از حد مہربان اور نہایت ہی رحم کرنے والا ہے۔
س :- پھر ارشاد ہوتا ہے کہ رحمٰن اور رحیم کون ہے؟
ج :- تب بندہ کہتا ہے کہ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ یعنی وہ رحمٰن اور رحیم جو مالک الملک و الملکوت اور مالک کون و مکان اور دنیا و آخرت و روز جزا کا مالک ہے۔ تب اللہ تعالیٰ کا دریائے کرم جوش میں آتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے بندہ تو نے سچ کہا۔ ہاں احکم الحاکمین، مالك الملك والملکوت میں ہی ہوں۔ تب بندہ یہ سن کر اُس معبودِ حقیقی سے عرض کرتا ہے کہ
اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ یعنی اے ذاتِ باری میں عاجز تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور اُس کے کرنے میں تیری بارگاہ میں مقبولیت کے لائق ہونے کے لئے تیری ہی ذات والاصفات سے مدد کا طالب ہوں۔ تب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے بندہ جب کہ تو میری ہی عبادت کرتا ہے اور مجھی سے مدد طلب کرتا ہے تو اب مانگ کیا مانگتا ہے؟ تیرا سوال پورا ہوگا۔
تب بندہ عرض کرتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ یعنی مجھ کو سیدھے راستہ پر چلا۔ تب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
س :- وہ کون سی سیدھی راہ ہے؟
ج :- بندہ عرض کرتا ہے کہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے احسان فرمایا۔
تب حق سبحانہٗ فرشتوں کو گواہ کرتا ہے کہ میں نے اپنے اس بندہ کو ان لوگوں میں شامل کر لیا ہے جن پر میری طرف سے انعام واکرام ہوا ہے۔ یعنی انبیاء و صدیقین و صالحین و شہداء کی مبارک

جماعت میں داخل کردیا۔

پھر بندہ عرض کرتا ہے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ یعنی جن لوگوں پر تیرا غضب اور غصہ ہوا اُس راہ سے بچائے رکھنا۔

تب اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ہاں ہاں اے میرے بندہ میں نے تجھے اُن لوگوں کی گمراہی سے بچا لیا جن پر میرا غضب اور غصہ ہوا تب بندہ ادب سے کہتا ہے آمین۔ اور فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔

یہ تو ہوا تصور بالیقین مگر بندۂ مومن کے لئے اس کو عملی لباس پہنانا بھی ازبس ضروری ہے تاکہ تکمیلِ شریعت ایمان ہو جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان اس طرح تقسیم کیا ہے کہ آدھی میرے لئے اور آدھی میرے بندۂ نمازی کے واسطے ہے پس جس وقت میرا بندہ کہتا ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تب حق تعالیٰ فرشتوں سے خطاب کرتا ہے کہ دیکھو میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے اور جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تب اللہ فرماتا ہے کہ دیکھو میرا بندہ میری خوبیاں بیان کرتا ہے۔ اور جب بندہ کہتا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تب ارشاد باری ہوتا ہے دیکھو میرا بندہ میری بزرگی بیان کرتا ہے اور تعظیم سے میری یاد کرتا ہے۔ اور جب بندہ کہتا ہے مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ تو ارشاد ہوتا ہے دیکھو میرا بندہ میری بڑائی بیان کرتا ہے اور جب کہتا ہے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ تب اللہ فرماتا ہے کہ

اس آیۃ کا مضمون میرے اور میرے بندہ کے درمیان مشترک ہے کیونکہ عبادت حق میرا ہے اور مدد طلب کرنا میرے بندہ کا حق ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہنے میں اُس نے میرا حق ادا کیا اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہنے سے اپنا حق طلب کیا۔

اور جب بندہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ کہتا ہے تب ارشاد باری ہوتا ہے کہ یہ تمام مضمون میرے بندہ کے واسطے ہے تو اب میں اپنے بندہ کا سوال پورا کروں گا یعنی سیدھی راہ راہ اپنی معرفت کی دکھاؤں گا۔ اور غضب و گمراہی سے اپنی پناہ میں رکھوں گا۔

رکوع اور تسبیح کے وقت کا تصوّر

نمازی کو لازم ہے کہ رکوع میں سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیم پڑھتے ہوئے یہ خیال رکھے کہ خداوندا تیری ذات پاک سب سے عالی ہے۔ میں تیرا ناچیز اور گنہگار بندہ ہوں تو اپنی رحمت سے میرے سر سے گناہوں کی گٹھری کو دُور کر دے۔ آنحضرت کا ارشادِ گرامی ہے کہ جس وقت بندۂ مومن نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تب اس نمازی کے سارے گناہ باندھ کر اس کے سر پر رکھے جاتے ہیں اور جب رکوع میں جاتا ہے تب وہ سارے گناہ گِر جاتے ہیں اور یہ بندہ نمازی خوش ہوتا ہوا کھڑا ہو جاتا ہے اور اسی خوشی میں اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے کہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَن حَمِدَہ۔ یعنی سُبحان اللہ سُن لیا میرے مولا نے جو کچھ میں نے اس کی بارگاہ میں عرض کیا۔ اور جب یہ نمازی اپنی نماز سے فارغ ہو جاتا ہے تب اپنے تمام گناہوں سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔

سجدہ کے وقت کا تصوّر

یہ ہونا چاہیئے کہ سجدہ کی حالت میں سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلیٰ پڑھتے ہوئے یہ خیال کرنا چاہیئے کہ اے اللہ تو پاک ہے نہایت ہی اعلیٰ اور بلند تر ہے میں نے اپنے سرِ نیاز کو تیری بارگاہ میں زمین پر رکھا ہے کہ جو حصّہ میرے جسم کا سب سے اعلیٰ اور بلند ہے اُسی کو انتہائے عجز و نیاز کے ساتھ تیرے سامنے پستی میں ڈال کر تیری بلندی کا اقرار کرتا ہوں کہ تو نے مجھ کو اسی خاک سے پیدا کیا اور اسی خاک میں مجھ کو ملنا ہے۔ تب دریائے رحمت جوش میں آتا ہے اور ارشاد باری ہوتا ہے کہ اے بندہ اُٹھ اور سب کو دکھا کہ ہم نے اس خاک سے تجھے کس طرح پیدا کیا۔ یہ سُن کر بندہ فوراً اللہ اکبر کہتا ہوا خاک سے سر کو اٹھاتا ہے مگر ارشاد مکرر ہوتا ہے کہ اے بندہ اس مختصر وقفۂ زندگی پر غرور نہ کرنا کیونکہ پھر تم کو خاک میں ملنا ہوگا۔ اے بندہ دوسرا سجدہ کر اور خاک میں مل کر دکھا کہ بندہ مر کر کس طرح خاک میں ملے گا۔ یہ ارشاد باری تعالیٰ سنتے ہی نمازی فوراً اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں گیا اور وہی تسبیح ادا کی پھر اس پاک ذات کی طرف سے ارشاد ہوا کہ ہم مارنے کے بعد دوبارہ پھر زندہ کریں گے تب بندہ اللہ اکبر کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو گیا کہ دیکھو اس طرح خاک سے زندہ ہو کر قیامت کے دن

کھڑے کئے جائیں گے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمان رسولِ اکرمؐ ہے۔ "سب سے زیادہ پیاری حالت بندہ مومن کی اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ جب بندہ سجدہ میں پڑا ہو اور اس بندہ کا منہ اللہ کے سامنے خاک پر پڑا ہو۔ جامع صغیر سیوطی میں اس عالم کو اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ سجدہ کرنے والا بلاشبہ اللہ پاک کے قدموں میں سجدہ کرتا ہے۔ اور اپنے مولا سے نہایت قریب ہوجاتا ہے"

تشہد میں صلوٰۃ و طیبات جتنی چیزیں تشہد کی ہیں ان کے پڑھنے کے وقت یہ خیال کرے کہ جس طرح ملک خدا کے لئے ہے اسی طرح جملہ کائنات اللہ کے لئے ہیں اور اَلتَّحِیَّات کے معنی یہ ہی ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ پڑھنے کے وقت نبی صلعم کے مبارک و مقدس وجود کو اپنے دل میں قائم کرو اور یقین جانو کہ یہ سلام خود بہ نفسِ نفیس آنحضرت سنتے ہیں اور اس کے جواب میں سلام عنایت فرماتے ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْن کہنے کے وقت یہ تصور کریں کہ حضوریٔ بارگاہِ الٰہی سے رخصت ہونے سے پہلے جملہ صالحین کے لئے تحفۂ سلام پیش کرتا ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بندہ "اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْن" کہتا ہے تو یہ ہدیہ جملہ صالحین کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنے کے وقت صدقِ دل سے گواہی دے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اور رسولِ اکرمؐ اُس کے پیارے حبیب اور رسول ہیں۔

چنانچہ مذکورہ بالا ہر دو مثال سے واضح ہوا کہ ارکانِ دین کی ادائیگی جسمانی اعضائے مخصوص اصول و قیود کے تحت کی جاتی ہے جس کی تعمیل و تکمیل کے لئے بندۂ مومن کو عاجز و قاصر ایک طرف دوسری جانب خود کو اپنے وجودی اختیار کی بنا پر احتراماً اُس معبودِ حقیقی کے سامنے اس انداز سے ثابت کرنا لازمی ہوجاتا ہے کہ جس کا ماحصل خود شریعت محمدؐیہ ہی حیاتِ انسانی کے لئے معنون کی جاسکے اور یہ ہی معراجِ انسانیت ہے۔ جس کا انتہائے مقام آغازِ طریقت کا پیش خیمہ بن سکے اور یہ ہی وہ قانونِ شریعت ہے جو عالمِ شہادت یعنی زمین سے عرشِ اعظم تک جاری رہتا ہے اور جس کے ذریعہ احکاماتِ ظاہر مادی و حسی پر نافذ کئے جاتے ہیں اور جن کا ظہور اعضائے جسمانی کے ذریعہ عام طور پر ہوتا رہتا ہے۔ مگر عالمِ روحانی پر ان کیفیات کا اطلاق ہونے لگے تو منزل

دوسری شروع ہوجاتی ہے۔

تعارفِ طریقت

اس عالم کو عام طور پر روشِ اربابِ حال یا سفر در وطن کہا جا سکتا ہے۔ حالانکہ شریعت جس عالم کا جسم ہے اُسی کی رُوح طریقت ہے جس کی پرواز ماورائے عرشِ اعظم تا حدِ عالمِ امر ہوتی ہے چنانچہ جب بندۂ مومن اتباعِ شریعتِ محمدیہ کی تکمیل و تعمیل کر چکتا ہے تو اُس کے باطنی افعال آغازِ طریقت پر مائل ہونے لگتے ہیں اور اپنے حالات کو روحانی کیفیات میں آسانی ڈھلتے دیکھتا ہے ـــ اسے واضح تر کرنے کے لئے اگر یوں کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ بندہ شریعت کی پابندی کرتے کرتے اس قدر عادی ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے باطن کا تجزیہ کرنا۔ اپنے تخیلات کی اصلاح کرنا۔ اخلاقیات کا پاکیزگی سے مظاہرہ کرنا۔ اعتقادات کو صحیح طریقہ سے روبکار لانا۔ تزکیہ نفس کرنا۔ تصفیۂ قلب کرنا اور تجلیۂ رُوح کرنا اُس کی ایک جزوِ فطرت ہوجائے تو اس مجاہدہ ہی کو طریقت کہتے ہیں جس کی ابتدا طلب ، اوسط سلوک ، اور انتہا ولایت ہوتی ہے یعنی معرفتِ نفس کے استدلال پیدا ہونے کے امکانات روشن ہوجاتے ہیں۔

اب یہ مسئلہ مزید واضح ہوگیا کہ طریقت دراصل باطنی قانون کے علم کا نام ہے اور اسی وجہ سے کُلیتہً یہ باطنی ہے۔ مثلاً طریقت کی جھلک دیکھنی ہو یا عینی مشاہدہ کرنا ہو تو مقدس مزارات اور خانقاہوں وغیرہ میں بھی خصوصاً نصیب ہوتا ہے اور دیکھنے والا اگر بصیرت و بصارت رکھتا ہے تو ضرور طریقت کی جلوہ ریزیوں سے ایسے مقاماتِ مقدسہ میں روشناس ہوسکتا ہے۔ اور اپنا دامنِ مراد بھر لے گا۔ کیونکہ یہاں باطنی تاثرات کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ انہی مرکزوں میں تو ابدی حیات پانے والوں نے اپنے کمالات سے خلق اللہ کے لئے چشمہ ہائے فیض جاری کر دیئے ہیں اور اپنے فیوضِ باطنی سے عوام کو بہرہ ور کرتے رہتے ہیں۔ یہاں ایک واقعہ

اگر تائیداً شامل کر دیا جائے تو کل مسئلہ طریقت اپنی جگہ خود بخود روشناس عالم ہو جائے گا۔

افلاطون اور موسیٰ علیہ السلام کو ایک دوسرے سے ملاقات کا بے حد اشتیاق تھا مگر اتفاقاً ان دونوں کی ملاقات بھی ہوئی تو ایک جنگل میں جہاں کوئی تیسرا شخص اس ملاقات کا سبب بن سکے موجود نہ تھا چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے کمال کے ذریعہ پہچان تو لیا مگر تجاہل عارفانہ میں ایک دوسرے نے آپس میں گفتگو کا آغاز اس طرح کیا۔

سوال :۔ تم کون ہو؟

موسیٰ علیہ السلام :۔ میں اس زمانہ کا پیغمبر ہوں۔

افلاطون :۔ کیا خوب ۔ اجی حضرت پیغمبر تو میں ہوں۔ تم کیونکر ہو سکتے ہو؟

موسیٰؑ :۔ تم غلط کہتے ہو۔ اس زمانہ کا تو پیغمبر صرف میں ہوں۔

افلاطون :۔ اگر تم پیغمبر ہو تو اس خشک لکڑی کو زمین میں گاڑ کر سرسبز کر دو۔

موسیٰ :۔ تھوڑی دیر تامل کرو کہ میں وضو کر کے نماز ادا کر لوں اور اپنے خالق کی بارگاہ میں دعا کروں کہ یہ خشک لکڑی سرسبز ہو جائے۔

چنانچہ افلاطون اس واقعہ کو بغور دیکھتا رہا کہ موسیٰؑ نے وضو کیا۔ نماز ادا کی اور دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھاتے ہوئے عرض کرنے لگے کہ مولا اس وقت تیری ذات مقدس اور میری پیغمبری پر بظاہر ضرب لگانے کی کوشش ہے۔ اس امتحان میں مجھ کو کامیاب کر دے اور افلاطون کے ہاتھ سے لکڑی لے کر زمین میں گاڑ دی وہ فوراً سرسبز ہو گئی۔ مگر بجائے قائل ہونے کے افلاطون مسکراتے ہوئے کہنے لگا کہ

" یہ پیغمبری کی شان نہیں کہ ذرا سے کام کے لئے اتنا بڑا اہتمام کیا۔ دیکھو یہ ہی کام میں بھی کر سکتا ہوں "۔

یہ کہہ کر افلاطون نے اس سرسبز لکڑی کو زمین سے اکھاڑ پھینکا اور اس کی جگہ ایک خشک لکڑی گاڑ دی تو فوراً وہ لکڑی بھی سرسبز ہو گئی۔ اب تو موسیٰؑ کو سخت حیرت ہوئی اور آپ رنجیدہ ہو گئے۔ تو افلاطون نے کہا

" آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ بے شک آپ ہی پیغمبر وقت ہیں۔ میں تو آپ کا امتحان لے رہا تھا "

موسیٰؑ نے کہا لیکن یہ ماجرا کیا ہے۔ آخر تم نے کس طاقت سے کام لیا جو خشک لکڑی سرسبز ہو گئی؟

افلاطون نے کہا کہ یہ میری کسی طاقت کا کرشمہ نہ تھا بلکہ یہ بھی آپ ہی کا معجزہ ہے۔ کیونکہ آپ کی دعا سے اس زمین میں وہ قوتِ نامیہ پیدا ہو گئی جس کی بدولت جو خشک لکڑی یہاں گاڑی جائیگی سرسبز ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ کی لکڑی کی طرح میری خشک لکڑی بھی جس وقت گاڑی تو سرسبز ہو گئی۔

جب موسیٰ اس علم سے واقف ہو گئے تو مطمئن ہو کر اس معجزہ کو خود سے منسوب کیا۔ مگر یہ ہی علم تو علمِ باطنی تھا جس کے کمالات و اثرات کا علم افلاطون کو تھا جس کے ذریعہ سے ایک پیغمبرِ وقت کو حیرت میں ڈال دیا۔ اور علمِ طریقت انہی باطنی اثرات کو واضح کرتا ہے جس کی رو سے ہم اجابتِ دعا کے اوقات و مقامات کو بخوبی پہچانتے اور اُن سے اپنی ضروریات کے مطابق استمداد کرتے ہیں

طریقت میں توجہ الی اللہ کی اشد ضرورت ہے جس کے لئے وسیلہ بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کوئی انعام کسی بندہ کو بغیر کسی وسیلہ کے نہیں پہونچتا ہے۔ جس طرح اگر کوئی شخص چاہے کہ سورج کی روشنی اور گرمی کو بغیر سورج کی کرنوں کے حاصل کرے تو ممکن نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی چاہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی انعام کو بغیر وسیلہ کے حاصل کرے تو ممکن نہ ہوگا۔ کیونکہ سبب ایک حجاب ہے مسبب تک پہنچنے کا۔ تعینِ ثانی نہ ہوتا تو حق و خلق کے درمیان کوئی حجاب نہ ہوتا چنانچہ تعینِ ثانی موجودات و کائنات کے لئے ایک سبب قائم ہوا جس کی بنا پر

وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ

کا اصول جزوِ ایمان ہے اور طریقت کی رو سے سب سے بڑا وسیلہ نورِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جو انعاماتِ خداوندی کو بندوں تک پہونچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معطی ہے اور رسولِ اکرمؐ قاسم۔ پس وہ لوگ جو فنا فی الرسول ہو چکے ہیں وہ بھی وسیلہ ہو جاتے ہیں نورِ رسالت کا۔ یعنی محتاج کرم ہوتے ہوئے بھی ارواح بزرگان کو نورِ رسالت کا وسیلہ تسلیم کرتے ہیں اور نورِ رسالت وسیلہ ہے انعاماتِ خداوندی کا۔ اس لئے ہم ان وسائل کے ذریعہ انعاماتِ خداوندی تک رسائی حاصل کرتے ہیں کامیاب ہو جاتے ہیں اس مقام کو واضح تر کرنے کے لئے اکبرالہ آبادی کے چار مصرعہ درج ذیل ہیں

شریعت طریقت سے ہے صف بصف — یہ ہے موجِ دریا وہ دریا میں کف

سنو دو ہی لفظوں میں مجھ سے یہ راز — شریعت وضو ہے طریقت نماز

چنانچہ ثابت ہوا کہ ظاہری عمل تو شریعت کی اتباع سے معنون کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں باطنی

علم وعمل بمنزلہ طریقت ہیں جو اپنے حالات کو حقیقت کی بلندیوں تک پہونچا کر بصارت الٰہی کے نور سے بصیرت باطنی حاصل کرتے ہیں لیکن جب عرش سے اوپر عالمِ امر کی طرف پرواز ہونے لگے تو انتہائے عالمِ امر تک طریقت کارفرما ہوتی ہے۔ مگر جب عالمِ امر کی حدِ آخر سامنے آنے لگے تو عالمِ جبروت کا مشاہدہ لازمی ہوجاتا ہے جہاں حدِ طریقت بھی ختم ہوجاتی ہے اور منزل حقیقت کا آغاز ہونے لگتا ہے۔

تعارفِ حقیقت

جب کہ منازلِ شریعت وطریقت سے بندۂ مومن گزر کر منزل قربِ خدا کی تلاش کرنے میں بدن کو نفس کی طرف۔ نفس کو دل کی طرف۔ دل کو روح کی طرف اور روح کو سِرِّ اِلّا اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اسمِ ذات واسمائے صفاتِ الٰہیّہ کو باعتبار مظاہر غور کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور حقائقِ عالم میں علم اور عین دونوں کو حقیقتِ انسانی کا مظہر پاتا ہے جو اسم اللہ کا مظہر ہے تو اس کے تمام ارواح بھی روحِ اعظم انسانی کے جزئیات ہیں خواہ وہ ارواح فلکی ہوں یا عنصری یا حیوانی ہوں جس میں حقیقتِ انسانی اور اس کے لوازم بعینہٖ شامل ہیں اسی واسطے غواصانِ علم معرفت عالم مُفَصَّل کو انسانِ کبیر کہتے ہیں۔ کیونکہ اس عالم میں انسان ہی کی حقیقت ظاہر ہے۔ چنانچہ اسی کمالِ انسانی اور اسرارِ الٰہیّہ کے مظہر ہونے کی وجہ سے تمام حقائق سے یہی مستحقِ خلافت ہوا اور سوائے حقیقتِ انسانی کے اسرارِ الٰہیّہ کا دوسرا کوئی مظہر نہیں ہے جیسا کہ محققین کا فیصلہ ہے

سُبْحَانَ مَنْ اَظْهَرَ نَاسُوْتَهٗ سِرَّ سَنَا
لَاهُوْتِهِ الثَّاقِبْ ثُمَّ بَدَا فِیْ خَلْقِهٖ
ظَاهِرًا فِیْ صُوْرَةِ الْاٰكِلِ وَالشَّارِبْ

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے لاہوت کے چمکیلے نور کے راز کو اپنے ناسوت میں ظاہر کیا پھر وہ اپنی مخلوق میں کھانے اور پینے والوں کی صورت میں صاف ظاہر ہوا۔

نوٹ :-

مَظْہَر : جگہ ظاہر ہونے کی　　مُظْہَر : مدد پہونچایا گیا

مُظْہِر : ظاہر کرنے والا

اسی وجہ سے تو مناسب اور موزوں ترین تلاش مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کے ذریعہ قرار دیا گیا کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک دہقانی عرب نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سوال کیا کہ

اَیْنَ کَانَ رَبُّنَا قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ الْخَلْقَ

ہمارا خدا مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل کہاں تھا ؟

آنحضرتؐ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ

کَانَ فِیْ عَمَاءٍ مَا فَوْقَہٗ ھَوَاءٌ

وَلَا تَحْتَہٗ ھَوَاءٌ

"عما یعنی لاعلمی میں تھا نہ اُس کے اوپر ہوا تھی اور نہ اس کے نیچے ہوا تھی ۔"

بزبانِ سلیس عام فہم یعنی جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا۔ جب تھا بھی نہ تھا تو وہ موجود تھا جب کچھ نہ ہوگا تو وہ ہوگا اور جب ہوگا بھی نہ ہوگا تو وہ موجود ہوگا۔ یہ الفاظ کی اُلٹ پھیر نہیں ہے بلکہ وہ ذاتِ حق سُبحانہٗ تعالیٰ درک سے ۔ جہت سے ۔ مقام سے ۔ صوت سے اور وقت سے محدود نہیں یہ سب کچھ مخلوق ہے اور ان سب کا وہ خالقِ حقیقی ہے ۔ ان صفات کے احاطہ میں اس ذات کا آنا محال ہے ۔

اسی واسطے آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (پہلے اللہ نے میرے نور ہی کو پیدا کیا) آنحضرت کی مراد اس سے عقلِ اوّل ہے چنانچہ دوسرے قول سے اپنے اس معنی کی تائید بھی کی ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ (پہلے اللہ نے عقل کو پیدا کیا) پھر اُس کے بعد نفوس ناطقہ ۔ فلکیہ اور عقول وغیرہ کے صورت میں ظاہر ہوا اور وہ صورتیں صورتِ طبعی اور ہیولیٰ کلیہ اور تمام اشکال جسمیہ میں انفرادی اور اجتماعی حیثیت میں ہیں جس کی تائید ایک عظیم الشان واقعہ سے ہوتی ہے کہ حضرت امیر المومنین ۔ امام المتقین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے خطبہ میں بحالتِ جذب الٰہی منزلِ حقیقت کر مندرجہ ذیل الفاظ میں روشناس عالم کر دیا۔

"میں ہی اسم اللہ سے منسوب ہوں"

"میں ہی قلم ہوں"

"میں ہی لوحِ محفوظ ہوں"

"میں ہی عرش ہوں"

"میں ہی کرسی ہوں"

"میں ہی ساتوں آسمان ہوں"

"اور میں ہی ساتوں زمین ہوں"

مگر دورانِ خطبہ جب ہوش میں آئے اور استغراق فی الالوہیت سے فارغ ہوئے تو علمِ بشریت پر مائل ہونا پڑا اور نزولِ انوارِ تجلیاتِ الٰہی بکثرت ہونے لگے تو آپ اپنی عبودیت اور بے چارگی کا اقرار کرنے لگے جس سے انکشافِ حقیقتِ انسانی ہوگیا اور یہ کہنا پڑے گا کہ علم اور عین بالکل دو علیحدہ علیحدہ ناقابلِ تردید حقیقتیں ہیں۔ یعنی علمِ ظاہری و علمِ باطنی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے دو جدا حقیقتیں ہیں۔ اسی طرح سے مشاہدہ بشری و مشاہدۂ حقیقی بھی دو علیحدہ علیحدہ کمالات ہیں جن کا اظہار عالمِ عروجِ انسانی کے ذریعہ ہوتا ہے اور وہ محض استغراق فی الالوہیت ہی کے عالم میں ہوا کرتا ہے۔ حضرت علی ابن ابی طالبؓ عالمِ بشری میں خطبہ ادا کر رہے تھے تو اپنے معبود کی حمد و ثنا میں مصروف تھے مگر جب علمِ ظاہری و علمِ باطنی سے گزر کر ماورائے بشریت پرواز کرنے لگے تو ایک وہ عالمِ عین یا مشاہدۂ ذات میں استغراق ہوئے جس میں اپنے کو مفقود و معدوم۔ فنا فی الذات محسوس کرنے لگے اور انکشافاتِ حقیقت وارد ہونے لگے بقول مولٰنا مولوی سیّد نثار علی اکبر آبادیؒ ابو العلائی

چوں شریعت باطریقت در فزود
معرفت اندر حقیقت رُو نمُود

اسی کو بزبانِ عام فہم یوں بھی کہا جا سکتا ہے۔

قطرہ دریا نہیں ہوتا ہے نہ دریا قطرہ
قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے

(شفیق)

یہاں ارشادِ حضرت بندہ نوازؒ گیسو دراز نقل کرنا وضاحت وصراحت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"یہ عقیدہ نہ رکھو کہ شریعت طریقت اور حقیقت ایک دوسرے سے جُدا جُدا ہیں۔ دیکھو بادام کے اندر تین چیزیں ہیں۔ پوست۔ مغز اور روغن۔ تینوں ایک دوسرے سے جُدا ہیں بلکہ ایک دوسرے کا خلاصہ ہیں یعنی پوست کا خلاصہ مغز ہے اور مغز کا خلاصہ روغن اسی طرح شریعت کا خلاصہ طریقت اور طریقت کا خلاصہ حقیقت ہے"

یہی ایک وہ مقام ہے کہ جہاں بشریت دوراہے پر آکر تصویر حیرت بن جاتی ہے کیونکہ جملہ اسماء و صفات ایک جامع اسم یعنی اللہ میں جمع ہو کر صورتِ بشری میں ظاہر ہوتے ہیں اور جو دیکھنے والے ہیں انھیں موقعہ ملتا ہے کہ اسم اللہ کی صورتِ ظاہری کو دیکھیں اور اپنی منزلِ مقصود کو پالیں۔ مگر اس دیکھنے کا حق وہی ادا کرتے ہیں جن کی نظر دونوں جہتوں پر ہو۔ یعنی ایک جہتِ حقیقت دوسری جہت بشریت۔ اگر جس نے ایک جہت پر نظر کی اور دوسری جہت کو نہ پہچانا اس نے کچھ حاصل نہ کیا بلکہ اندیشہ گمراہی کا ہے۔ چنانچہ یہی وہ نازک ترین مقام ہے جہاں ایک رہبر کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جو آنے والی منزل کے لئے رہنمائی کر سکے۔ اسی مقام کو صالحین نے عالمِ جبروت کہا ہے۔ جہاں جملہ صفاتِ الٰہیہ کا مرکز حقیقت کہا جاتا ہے اور یہیں سے عالمِ بشریت فنا فی الذات کی منزل کی جانب مائل ہو جاتا ہے

تعارفِ معرفت

جس مقام پر عالمِ بشریت اپنے کمالاتِ ظاہری و باطنی کے ذریعہ سے ماورائے عرش سے گزر کر

انتہائے عالمِ امر تک اور انتہائے عالمِ امر سے عالمِ جبروت تک اور عالمِ جبروت سے عالمِ ذات (لاھُوت) تک رسائی ہیں خود کو فنا کردے تو اس کو **معرفت الٰہیہ** حاصل کرنا کہتے ہیں۔ مگر اس منزل کو حاصل کرنے کے لئے حقیقت محمدیہؐ سے کماحقہٗ متعارف و منسوب ہونا نہایت لازم و ملزوم ہے۔ کیونکہ جب اس کی رہبری سے ہی ہر سہ متذکرہ بالا مقامات حاصل ہوئے تو آخری منزل جس کی سند پر مہرِ تصدیق ثبت ہونا لازمی ہے معرفتِ حقیقتِ محمدیہؐ بھی اسی قدر جزو لاینفک ہے۔

ارشادِ نبویؐ ہے :-

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ
مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ

یعنی "مجھ کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے جس میں مَلکِ مقرّب اور نبیٔ مرسل نہیں سماتے"

دوسری جانب ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ

یعنی "کہدو (اے محمدؐ) کہ میں مثل تمہارے ایک بشر ہوں"

ہر دو ارشاداتِ مقدسہ سے واضح ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات کی دو جہتیں ہوئیں۔ یعنی بشری اور حقیقی۔ عجز و مسکینی۔ عبدیت و بشریت کی جملہ صفات جہت بشری میں شامل تھیں جو آپ کو عالمِ سفلی میں نزول فرمانے اور عناصر کی قید میں مقید ہونے سے حاصل ہوئیں تاکہ آپ اپنے ظاہر سے علومِ ظاہر پر چھا جائیں اور غالب رہیں مگر اپنے باطن سے جمیع علومِ باطنی پر بھی حاوی رہیں۔ جس طرح ایک آفتاب عالمتاب پر ابر چھا گیا ہو تو ابر کی وساطت سے دیکھنے والے آفتاب کو بآسانی دیکھ سکیں۔ مگر آفتاب کی حقیقی شان میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ کیونکہ علم آفتاب ایک شے ہے اور عینِ آفتاب بالکل دوسری شے ہے صرف دیکھنے والے کے ظرف و حوصلہ پر مشاہدۂ آفتاب کا دارومدار ہے۔

بشریت اور **معرفت** کے مظاہرہ کا روشن ترین واقعہ درج ذیل ہے جو اس مسئلہ کے لئے دلیل بیّن ثابت ہوگا۔

ایک دن بعد نمازِ ظہر مسجد نبویؐ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کو تنہا آرام فرماتے دیکھا اور سرِ مبارک اپنے زانو پر رکھ لیا کہ آنحضرتؐ

نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور سوال کیا

سوال :- مَنْ اَنْتَ (تم کون ہو؟)

جواب :- میں عائشہ ہوں

سوال :- مَنْ عائشہ (کون عائشہ؟)

جواب :- بنتِ ابی قحافہ

سوال :- مَنْ ابی قحافہ (کون ابی قحافہ؟)

جواب :- یارِ غار محمدؐ الرسول اللہ

سوال :- مَنْ مُحَمَّد (کون محمدؐ؟)

اُس وقت حضرت عائشہؓ ایک عجیب عالمِ سکوت وحیرت میں پڑگئیں کہ آنحضرتؐ خود کو نہیں پہچانتے ہیں اور مجھ سے اپنی معرفت کے لئے کیونکر سوال کرتے ہیں؟ شاید یہ کوئی خاص عالم ہے اور گھبرا کر سرِ مبارک اسی طرح زمین پر رکھ کر واپس آگئیں۔ مگر نمازِ عصر کے لئے جس وقت حضرت بلالؓ نے "اللہُ اکبر" کہہ کر اذان دی تو آپ فوراً اُٹھ کر بیٹھ گئے اور جب نماز سے فارغ ہو کر آپؐ اندر تشریف لائے تو کل واقعہ حضرت عائشہؓ نے گوش گزار کیا تو مذکورہ بالا ارشاد فرما کر واضح کیا۔

"میرے اور خدا کے درمیان کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ کوئی مقرب فرشتہ یا نبیٔ مرسل بھی حائل نہیں ہو سکتے"

یعنی استغراقِ فی الالوہیت کا عالم یہ ہی ہوتا ہے کہ جب عبد و معبود کے درمیانی حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں اور مشاہدۂ ذات سے اس درجہ تقرب ہوجاتا ہے کہ عالمِ بشریت بھی یکسر فنا ہوجائے۔ تو کمالِ معرفت یا کمالِ انسانی کا دار و مدار کمالِ قوتِ بشریت پر ہے کیونکہ جب بندۂ مومن کثرتِ تعینات کی منزلوں کو طے کرتا ہے تو صفاتِ بشری سے دُور رہوتا جاتا ہے لیکن اصل حقیقت سے واصل اس درجہ ہوتا ہے کہ تجلیٔ ذات سے متحقق و متعارف ہو کر جمیع اسماء و صفاتِ الٰہی بن جاتا ہے۔ پس شریعت اُس کا معمول۔ طریقت اُس کی روش اور حقیقت اُس کا مقصود ہو جاتی ہے۔ یہ مقامِ انسانِ کامل کو جب نصیب ہوتا ہے جب کہ وہ خالق کی طرف سے مخلوق میں شامل رہے مگر خالق سے ہمہ وقت واصل۔ تاکہ علمُ الیقین۔ عینُ الیقین اور حقُ الیقین کے مشاہدات سے بہرہ ور ہوتا رہے۔ مثلاً حقیقتِ محمدیہ پر جب غور کیا جاتا ہے

تو واضح ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالمِ ارواح واجسام کے جامع بالکل اسی طرح قرار پائے گئے جیسے کہ سورہ فاتحہ کی پہلی آیۃ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یا وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ہر دو آیتوں میں عالمین شامل ہے جس طرح عالمین کا رب اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اسی طرح عالمین کی رحمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ جس قدر عالمین کے لئے ربوبیت ضروری ہے اسی قدر رحمت۔ چنانچہ جب اس حقیقت پر غور کیا جائے گا تو اُس کی دو جہت ظاہر ہوتی ہیں اول آنحضرتؐ کی جہت بشریت دوسری جہتِ رحمت۔ مگر رحمت بغیر ربوبیت محتاج اور ربوبیت بغیر رحمت محتاج تعارف۔ لیکن ہر دو جہت میں کمالاتِ محمدؐیہ پنہاں بھی ہیں اور عریاں بھی۔ بشرطیکہ مَظہر اور مُظہِر سے نسبتِ خاص حاصل ہو تو یہ راز راز نہ رہے گا۔

دیگر یہ کہ جب کل کائنات وعالمین نقطۂ "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ" پر مرکوز ہیں تو محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالمین کے جامع مَظہر ہوئے اور اسی کو ربوبیت کہتے ہیں اور یہ ہی آپ کی حقیقت کی جہت سے ہے نہ کہ بشریت کی جہت سے کیونکہ بشریت کی جہت سے آنحضرتؐ بندہ اور مربوب اپنے رب کے محتاج ہوئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی جہت کی طرف ارشاد فرمایا ہے۔

"قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ یعنی " تم کہدو (اے محمدؐ) کہ میں تمہارے مثل بشر ہوں لیکن میرے پاس وحی آتی ہے۔" اس مقام پر بشریت سے منسوب کیا اور مربوب بناکر اپنی ربوبیت قائم رکھی۔ مگر وَاِنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ (اور جب محمدؐ اللہ کا بندہ کھڑے ہوکر ان کو حق کی دعوت کرنے لگا) سے ثابت کر دیا کہ محمدؐ عبد ہے اللہ کا یعنی اسم ذات سے منسوب کر دیا کیونکہ یہ اسی اسم ذات کا جامع مَظہَر ہے اور کسی اسمِ صفاتی سے منسوب نہ کیا جو محمدؐ کے کمالات محدود ہو کر رہ جاتے چنانچہ یہ بھی جہت ربوبیت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اس آیۃ مقدسہ سے ثابت ہوتا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (اور تم نے نہیں پھینکا جب تم نے پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا) اِس میں اُن کے پھینکنے کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی اور یہ ربوبیت اس وقت متصور ہو سکتی ہے جبکہ ہر مستحق کو اُس کا حق دیا جائے اور عالمین کی جملہ ضروریات کے لئے فیضان اُس سے پایا جائے اور یہ بات بغیر پوری قدرت اور تمام صفاتِ الٰہیہ کے ممکن نہیں ہے۔ اسی واسطے ان کو تمام اسماء پر حکومت حاصل ہے اور اسی قوتِ الٰہیہ سے عالمین میں ہر ایک کی بقدر ظرف نصرت فرماتے ہیں۔ اور جب یہ حقیقتِ دو جہت آنحضرتؐ کی صفتِ بشریت

اور صفتِ الہیت پر محمول تھی تو آپ کی ربوبیت عالمین میں صفتِ الٰہی سے تھی جو تا قیامِ قیامت ظہور میں آتی رہے گی اور یہ ہی آپ کا اصلی مرتبہ ہے مگر عجز و مسکینیت اور نقائصِ امکانی کے لوازمات بشریت کی جہت سے منسوب تھے جو آپ کو عالمِ سفلی میں تنزل کرتے اور عناصر کی ترتیب میں حاصل ہوئے تھے تاکہ آنحضرتؐ اپنے ظاہر سے عالمِ ظاہر پر اثر انداز رہیں اور اپنے باطن سے عالمِ باطن پر حاوی ہوں فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔
اس آیہ مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ جب شدت جنگِ (بدر) ہوئی تب آنحضرتؐ نے ایک مٹھی کنکریاں اس مخالف لشکر کی طرف پھینکیں۔ اللہ کی قدرت سے ہر کسی کی آنکھ میں خاک پہونچی اور اس کے بعد کفار نے شکست کھائی۔ مگر یہ فرمایا کہ مسلمان سمجھیں کہ فتح ہماری قوت سے نہیں سب اللہ کی مدد سے ہے تو کسی بات میں اپنا دخل نہ کریں (تفسیر شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ)

یعنی صفتِ بشریت کنکریاں پھینکنے سے آنحضرت کی ظاہر ہوئی مگر صفتِ الہیت کارفرما ہوتے ہوئے انجام پذیر ہوئی جو تمام لشکرِ کفار پر عالمِ باطنی کے ذریعہ اثر انداز ہو کر شکست کی صورت میں نمودار ہوئی۔ اس مقام پر اگر اسی حدیثِ روشن کو بھی دُہرا دیا جائے تو حقیقتِ محمدیہ واضح تر ہو جائیگی۔

"میں اپنے بندہ کو جب محبوب بنا لیتا ہوں تو اُس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اُس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اُس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے جب وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اُس کو عطا کرتا ہوں اور جب وہ پناہ مانگتا ہے تو پناہ دیتا ہوں"

یہاں ایک پہلو مزید پیدا ہوتا ہے کہ صفتِ بشریت کے ساتھ ساتھ محبوبیتِ الٰہی کا ہونا بھی اسی قدر ضروری ہے جتنا جسم کو روح کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے لئے محبوبیتِ الٰہی ازلی مقدر ہو چکی تھی۔ جس کا تعلق کائنات کے خلق ہونے سے ظاہری و باطنی عالمین میں ہو چکا تھا تو ممکن ہی نہ تھا کہ جملہ علوم ظاہر و باطن سے سرفراز ہوتے ہوئے کسی مقام پر کسی صفتِ الہیت سے محروم ہوتے۔ بلکہ اکثر مواقع پر تو استعجاب کا عالم یہ ہوا ہے کہ آنحضرت کی معرفت حاصل کرنے کے لئے مقربین بارگاہِ رسالت بھی مہر بلب ہو کر رہ گئے ہیں اور اظہار کی تاب نہ رہی کہ ایک لفظ بھی زبان سے ادا کر سکیں چنانچہ یہ ہی وہ کمالِ عبدیت ہے جو کہیں عالمِ بشریت میں، کہیں صفتِ محبوبیت میں اور کہیں صفتِ الہیت سے متصف ہو کر کارگاہِ عالم کی حاجت روائی کرتا رہا ہے بالفاظِ دگر کارخانۂ قدرت میں نظامِ کائنات اس طرح

دائم و قائم ہے کہ حقیقتِ محمدیہ خالق سے واصل لیکن مخلوق میں شامل اور بس یہی معرفتِ الٰہیہ ہے جس کو الفاظی لباس میں لانا گو محال ہے مگر بقول شخصے :-

جب مکمل شوقِ ایزد ہو گیا　　نقطۂ اوّل محمدؐ ہو گیا

زِ ہر یک نقطہ زیں دورِ مسلسل　　ہزاراں شکل می گردد مکمل

ہر کہ رمزِ مصطفیٰ فہمیدہ است　　شرک را در خوف مضمر دیدہ است

یَاصَاحِبَ الْجَمَالِ وَیَاسَیِّدَ الْبَشَرِ　　مِنْ وَّجْہِکَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نَوَّرَ الْقَمَرُ

لَایُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقَّہٗ　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تو مختلف زاویۂ نظر سے اگر عالمِ ظاہری میں یا عالمِ باطنی میں حقیقتِ محمدیہ کا مشاہدہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ آپ کا عالمِ الوہیت سے عالمِ محبوبیت میں اور عالمِ محبوبیت سے عالمِ بشریت میں نزول کرنا بھی کمال ہے جیسے مقامِ اصلی کی طرف لیلۃ المعراج میں عروج کرنا آپ کا کمال ہے گو ایک اعتبار سے یہ نقصان ہی کمال ہے مگر اس کو وہی پہچانے گا جس کے دل کو اللہ نے نورِ الٰہی سے روشن کیا ہے بمصداقِ آیۃ مقدسہ کے۔

مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا

اَوْمِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ

"بشر کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بغیر وحی اور حجاب کے بلا واسطہ کلام کرے" مگر حکمتِ قادرِ مطلق یونہی کارفرما ہوئی تھی کہ جیسا ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"وَلَوْ جَعَلْنٰہُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَیْھِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ"

"اگر ہیں آنحضرتؐ کو فرشتہ بناتا تو بھی میں اُن کو آدمی کرتا اور ان کو آدمیوں کے لباس میں ملبوس کرتا" چنانچہ اس حقیقتِ محمدیہ کا ظہور جملہ کمالاتِ اسماءِ صفاتی کے ساتھ پہلے ممکن نہ تھا بلکہ مناسب نہ تھا۔ اسی واسطے وہ حقیقت مخصوص صورتوں میں ظاہر ہوئی اور ہر ہر صورت ایک ایک مرتبہ سے مخصوص

ہوئی اور وہ صورتیں ہر دور اور ہر زمانہ کے لحاظ سے بہت مناسب اور موزوں ہوتی رہیں۔اس وقت میں اپنے اپنے دور کے مطابق عین صفاتی مخصوص اسمار گرامی کے ذریعہ ہر صورت پہچانی گئی اور یہ ہی جملہ صورتیں انبیار علیہم السلام کی صورتیں ہیں۔جس کی تصدیق خود اللہ تبارک و تعالیٰ اس ارشادِ مقدس کے ذریعہ فرماتا ہے

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ ۔ "روزانہ وہ نئی شان میں ہے "کیونکہ آپؐ کا مادہ سوائے "اللہ کے کوئی دوسرا نہیں ہے "اور آنحضرتؐ کا مادہ رُوح سے نہیں ہے بلکہ آنحضرتؐ کی رُوح سے تمام ارواح و اجسام کا مادّہ ہے اگرچہ وہ رُوحِ مقدّس خود چند عنصری کے ترکیب سے زمانہ میں اس امر کی ادراک نہ کرے۔پس آنحضرتؐ باعتبار اپنی حقیقت اور مرتبۂ ذاتی کے ان سب چیزوں کے خود عالم ہیں اور باعتبار اپنے ترکیبِ عنصری کے آپ کو ان امور تغیرات سے لاعلمی بحالتِ بشریت بھی ہوتی رہی ہے تاہم آپ کا مرتبۂ الوہیت واصل بالذاتِ الٰہی ہے تو کہنا پڑے گا کہ

آپؐ عالم اور غیر عالم دونوں ہوئے اور آپ متضاد صفتوں سے متصف ہیں۔جیسا کہ باری تعالیٰ متضاد صفاتِ جمالی و جلالی۔ظاہر و باطن۔اول و آخر وغیرہ سے متصف ہوا اور جب محبوب باری تعالیٰ خود اس کا عین ہوا تو اس کا عین نہیں ہو سکتا ہے۔پس وہ بھی عالم ہے اور عالم نہیں ہے۔وہ جانتا بھی ہے اور نہیں بھی جانتا۔وہ شاہد بھی ہے اور شاہد نہیں بھی وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ بکمال ادب یہ لکھنا پڑتا ہے کہ وہ خالقِ اول و آخر۔وہی ظاہر و باطن وہی جمال و جلال کے کمالات میں بے مثال و مطلق ہے تو محبوب کے مخلوق ہونے میں بھی وہی جملہ کمالاتِ الٰہیہ مضمر ہیں۔ صرف ایک فرق ہے جو اس ناچیز کے دماغ میں برابر محسوس ہوتا ہے جس کا انکشاف نہایت ضروری ہے اور ممکن ہے کہ کسی حد تک صحیح اور قابل پذیرائی ہو

یعنی :۔

وہ موجود تھا جب کچھ نہ تھا۔تو محبوب اس کا اوّل الخلائق ہوا جس میں جملہ کمالاتِ خالق و مخلوق بشکل عین عالم وجود میں آئے تاکہ شاہد و مشہود کی حقیقتِ مخفی کی تبلیغ ہو۔اور پھر کوئی راز راز نہ رہے۔

بقول احقر :۔

شوق بھی تھا صرف اپنی حمد کا | حمد پر اک میم شامل کر دیا
میم گویا اک معمہ بن گیا | رازِ عریاں ہو گیا مخلوق کا

میم سے ملتی ہے گویا معرفت ‏ اللہ اللہ یہ کمالِ احدیت
انکشافِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد ‏ اعترافِ حق ہے اَللّٰهُ الصَّمَد
میم ہی قلبِ احد کی جان ہے ‏ روئے احمدؐ کی یہی پہچان ہے

یہ تو اظہارِ تاثرات ہے مگر حقیقتِ محمدؐیہ کیا ہے اللہ تعالیٰ علیم ہے جس نے اپنے محبوب کی تخلیق و کمالاتِ محمدؐیہ کی جس جس پیارے انداز سے قرآنِ حکیم میں توضیح کی محتاجِ بیان نہیں بقول غالب مرحوم

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

اور جب حقیقتِ محمدؐیہ نے معرفتِ الٰہیہ کے لئے خود ارشاد فرما دیا ہو کہ:-

مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

تو بشریت کی کیا مجال ہے جو اپنی عقلِ نارسا کو اس میدانِ لامتناہی میں دوڑانے کی کوشش کرے جس کا ماحصل بظاہر و بباطن حقیقتِ محمدؐیہ ہے۔ گو یہی منزل کامرانی بن سکتی ہے بشرطیکہ چشمِ بصیرت کے ساتھ ساتھ فضلِ الٰہی بھی شاملِ حال و قال ہو۔

مگر ارشادِ نبویؐ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ہمارے لئے ایک وہ شمعِ ہدایت ہے کہ اگر اس پر غور کیا جائے تو معرفتِ محمدؐیہ سے ہی معرفتِ الٰہیہ ثابت ہو جائے گی کیونکہ آنحضرتؐ تمام مخلوق سے وہ افضل و ارفع ہستی پیدا کئے گئے جو نہ صرف عالمِ ازلی ہوئے بلکہ شاہدِ عینِ تجلّی بھی قرار دیئے گئے اور آپ ہی جمیع صفاتِ الٰہی میں اس طرح جاذب ہوئے کہ جیسے رنگ کپڑے میں یا شکر پانی میں مگر جملہ صفاتِ قدیمہ بلباسِ حادث جلوہ گر تو ہوئیں لیکن اپنے محل سے متجاوز نہ ہو سکیں۔ چنانچہ اگر حق تعالیٰ ہی ظاہر ہے تو خلق اس میں پوشیدہ ہے اور اگر حق تعالےٰ کے تمام اسمارِ صفاتی خلق ہوئے جیسے سننا۔ دیکھنا۔ جاننا وغیرہ وغیرہ تو اس کی تمام نسبتیں ان اسمائے صفاتی سے بھی خلق ہوئیں اور اگر خلق ہی ظاہر ہے تو حق تعالیٰ خلق میں پوشیدہ ہے اور وہی ان سب میں باطن ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ مخلوق کا سُننا۔ دیکھنا۔ جاننا وغیرہ وغیرہ سب اس خالقِ حقیقی کے مظاہر ہوئے۔ پس اگر ذاتِ حق ان تمام نسبتوں سے خالی ہو جائے تو وہ اِلٰہ نہ رہے گا اور ان ہی نسبتوں کو بشر ہونے نے حادث ثابت کر دیا۔ اور اسی نے جیسے اس کا قدیم ہونا بھی ثابت کر دیا تاکہ تکمیلِ معرفتِ الٰہیہ کے لئے معرفتِ محمدؐیہ کو عالمِ نظامِ کائنات قرار دیا جا سکے چنانچہ عالمِ کُنْ فَیَکُوْن کا دامن پکڑے بغیر اگر معرفتِ الٰہیہ کی کوشش کی جائے گی تو جمیع صفاتِ الٰہیہ سے اجتناب کے مترادف ہوگا اور ذاتِ قدیم ازلی

تک پہونچنا ایک سعیِ رائیگاں ہی نہیں بلکہ نظامِ کائنات سے بھی انحراف کرنا پڑے گا جس کا انجام ظاہر ہے۔
بقول حضرت نثار اکبر آبادی ؎

سب کھل گیا طلسمِ جہاں کا جو راز تھا
جس پردہ کو اٹھایا وہی پردہ ساز تھا

متذکرہ بالا بحث نے ثابت کر دیا کہ اگر معرفتِ الٰہیہ مقصود ہے تو ایک رہبری ازبس ضروری ہے۔ مگر رہبری کے چند معیار زیرِ غور آنے ضروری ہیں یعنی اس رہبری کے لئے ایسا رہبر ہونا مقدم ہے کہ

اوّل :- جس میں تخلیقی کمالات ماورائے کائنات ہوں۔ یعنی جس طرح خالق بے مثل و بے نظیر ہے۔ تو اس کی مخلوق اوّل بھی کامل و اکمل ہو۔

دوئم :- جو علمِ ظاہر اور علمِ باطن کی جمیع صفات سے متصف ہو۔

سوئم :- جو اپنے اقوال و اعمال کو خصائلِ خالق و مخلوق کے عین مطابق عالمِ وجود میں لا کر کامیاب ہو گیا ہو۔

چہارم :- جس کا ہر کمال و عروج تقرّبِ الٰہی کی شہادت پر مستند قرار دیا گیا ہو۔

پنجم :- جو انوارِ تجلّیاتِ ذاتِ الٰہی کا شاہدِ عینی اپنے ہر عالم میں رہا ہو۔

ششم :- جس کا اُسوۂ حسنٰی جہاں تکمیلِ ایمان۔ تزکیۂ اخلاق۔ تصفیہ قلب اور فلاحِ آخرت کا ضامن ہو تو ضروری ہے کہ اصلاحِ اجتماع۔ جہاں گیری۔ جہاں بانی اور جہاں رانی کے بھی کامل ترین اصولوں کا حامل ہو۔

ھفتم :- جو اپنے خالق سے بکمال درجہ واصل ہو مگر مخلوق میں شامل ہوتے ہوئے بھی خالق کی نمائندگی کرنے میں بجز اپنے خالق کے کسی کا محتاج نہ رہا ہو۔

ھشتم :- گر وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ کی جیتی جاگتی تصویر ہو کر قرآنِ کریم کی اس آیۂ مقدسہ پر عمل پیرا ہو کہ "غنی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور تم سب فقیر ہو" لیکن اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کبھی اپنے لئے طرّۂ امتیاز جانے۔

نہم :- جو عبد و معبود کے موضوع پر اعتراف کرے کہ " مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ لیکن عبادت گزاری میں اپنی ہر چیز اور طاقت کو خدا کی امانت سمجھتے ہوئے صرف خدا کے حکم کے مطابق ان کو استعمال کرے اور جرمِ خیانت سے بری رہنے کی پوری کوشش کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی آیاتِ انفسی و آفاقی کی طرف جو اُن کے ظاہر و باطن میں خود موجود ہے حق و حقیقت کے مشاہدوں میں

اپنے قلب و نظر کو مصروف رکھے اور اپنی عاجزی و بندگی کو محسوس کرتے ہوئے سجدوں میں گریہ و زاری کرتا رہے تاکہ یہ ہی بندگی رحمتِ خداوندی بنکر نوازتی رہے۔

دھم :- جو مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کا محقق و مبصر کامل ایسا ہو کہ اپنے نفس کے فقر و احتیاج کو پہچان کر اپنے پروردگار کے غنا کو یقینِ واثق گردان چکا ہو۔

چنانچہ چند عنوانات مندرجہ بالا نے موضوعِ بحث اور اندازِ تحقیقات پر مزید پابندیاں اور حدود قائم کر دیں جن کو فرداً فرداً دائرۂ مضمون میں لانا ضروری ہو گیا جن کو فصل اول تا فصل دہم علی الترتیب ذیل میں پیش کیا جاتا ہے :-

فصلِ اوّل

اس مقام پر یہ جاننا ضروری ہے کہ وجہِ آفرینش اور مقصدِ حیاتِ انسانی کیا ہے ؟ جس کے جواب میں قرآن حکیم ہی عظیم الشان سند ہے۔ جو مکمل ضابطۂ حیاتِ محمدؐ یہ ہے پس قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیثِ نبویؐ۔ افعال و اعمال محمدؐ یہ کا مکمل مطالعہ بعمیق نظری کرنا لازمی ہے جس کی روشنی میں انسان کی خودی وہ نور تسلیم کرے گی جو خدائے بزرگ برتر کی انانیت سے پیدا ہوا جس کا احتراماً برقرار رہنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ اس انانیت کی تکمیل بطور خاص بہمہ اوصافِ پروردگار لازم اور واجب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ذات غالب ہے صفات پر اور صفات معدوم ہونے والی ہیں مگر ذات لامحدود ہے علاوہ ازیں صفت مابینِ موصوف و موصوف الیہ ایک برزخِ عارضی ہے جس کا انکشاف ہر لحظہ اور ہر لمحہ ہوتا رہتا ہے۔ کاش چشمِ بصیرت و بصارت بفضلِ الٰہی نصیب ہو۔ بقول حضرت مظہر آغائی ابوالعلائی اکبرآبادی

جا پنچ لی شانِ مصوّر عالم تصویر سے
صاحبِ تحریر پہچانا گیا تحریر سے

بصراحتِ مزید اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ صفاتِ مابعد ذات ہوا کرتی ہیں۔ یعنی ذات سے منطبق صفات ہوتی ہیں اور صفات سے تعارفِ ذات ہوا کرتا ہے تو جمیع کمالاتِ ذاتِ احدیت منطبق بہ صفاتِ نبوت ہو کر مظہرِ انوارِ خالقیت ہوئے جس کی تصدیق میں جبرئیل امین نے نورِ محمدیؐ کو تخلیقِ اول مانا اور یہ ہی مظہر کن فیکون ہوا چنانچہ حدیث میں ہے۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ یعنی " میں نبی اس وقت تھا جب

آدم پانی اور مٹی میں تھے " یہاں یہ مسئلہ اس طرح حل کیا جا سکتا ہے کہ خالق و مخلوق کا تعلق کیا ہے اور صانع و مصنوع کا کیا واسطہ ہے ؟

جب ہم کائنات پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں دو حیثیتیں پائی جاتی ہیں ۔ ایک اشتراک دوسری امتیاز یعنی ایک یہ کہ وہ ایک دوسرے سے مختلف صفتوں میں مشترک ہیں مثلاً انسان انسانیت میں مشترک ہے ۔ اور اپنے خاص تعینات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ممتاز ہے ۔ اسی طرح حیوانات بھی ہیں مگر تمام موجودات میں جو چیز مشترک ہے وہ وجود ہے ۔ ممکن ۔ واجب دونوں میں وجود پایا جاتا ہے اس وجود سے ھونا مراد نہیں بلکہ وہ حقیقت مراد ہے جس کی بنا پر ہم کسی چیز کو موجود کہتے ہیں ۔ یہ حقیقت اپنی جگہ پر بلا کسی موجود کرانے والے کے موجود ہے اس لئے کہ یہی ذریعۂ وجود ہے لہٰذا اسے خود پہلے موجود ہونا چاہیے اور یہی وجود تمام کائنات کا مرجع و مخزن ہے اگر یہ نہ ہو تو ہر مخلوق معدوم ہے ۔ معلوم ہوا کہ خالق کا مخلوقِ اول یا صانع کا مصنوع اوّل ہی کارگاہِ عالم کی اساس و بنیاد ہوا جس کا وجود اَزَلِیٌ ۔ اَبَدِیٌّ حَیٌّ ۔ قَیُّومٌ اعتباری ہی نہیں ہے بلکہ مُسَلَّم بھی ہے

فصل دویم

علمِ ظاہر و علمِ باطن کی جمیع صفات سے متصف ہونا بھی اس متذکرہ بالا عالمِ وجود میں آنے کے ساتھ ساتھ اسی قدر ضروری ہوا جس طرح مصنوع یا مخلوقِ اوّل کا ھونا ضروری ہو گیا تھا تاکہ صانع یا خالق کی حقیقی معرفت نصیب ہو سکے ۔ چنانچہ نورِ محمدؐی نے امری ظہور پاتے ہی کہا ۔ سُبْحَانَ اللّٰہ (پاک ہے خدا) دوسرے مقام پر وجود حضرت آدمؑ کے ذریعہ اعلان کیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ (سب تعریف خدا کے لئے) تیسرے مقام پر عالمِ حضرت نوحؑ میں آ کر بتوں سے انکار کرتے ہوئے جہاد بایں الفاظ کیا لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ (کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے) چوتھے مقام پر حضرات ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے والہانہ انداز میں بوقتِ ذبح کہہ دیا ۔ " اَللّٰہُ اَکْبَر " (اللہ سب سے بڑا ہے) مگر ان تمام نمائندگیوں کے باوجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق شناس سے ببانگِ دُہل کہلوا دیا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ " (بری حالتوں کے تبدیل ہونے کی برداشت اور اچھے کاموں کے کرنے کی طاقت کسی کے بس میں نہیں سوائے اللہ کے)

مذکورہ بالا کلمات بطور چند نمونہ از خروارے پیش کئے ہیں مگر صرف انہی کلمات کو جو وجودِ نورِ محمدؐی کے مظہر آیاتِ بیّنات تصور کئے جاتے ہیں یکجا کیجئے تو :-

سُبحَانَ اللّٰہِ وَالحَمدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکبَر

کی شکل میں آجاتے ہیں جن کا علم ظاہر و علم باطن دلالت کرتا ہے کہ مخلوق اپنے خالق کے لئے یا مصنوع اپنے صانع کے لئے ہی عالم وجود میں آیا بس اگر داغ لگا ہے تو اس قدر کہ جب کچھ نہ تھا تو خالق ہی تھا مگر نورِ محمدیؐ کا عالمِ وجود میں آنا ہی مخلوق کا اطلاق علاحدہ ہو گیا یعنی صانع ہی تھا جب کچھ نہ تھا مگر مصنوع نہ تھا اور ھو گیا تو اس کا عالمِ وجود میں آنا ہی داغ لگ جانا ہو گیا۔ ورنہ جملہ نمائندگی ہر عالم میں اسی ہونے کی بدولت دائم و قائم ہے۔ بقول شخصے

تنِ اورا غلاف نور کردند

پئے عالم بشر مشہور کردند

فصلِ سوئم

خداوندِ عالم نے آپ کا نامِ نامی بَشِیرٌ ۔ نَذِیرٌ ۔ رَؤُف ۔ رَحِیم ۔ رَحمَۃً لِلعَالَمِین ۔ محمد ۔ احمد ۔ طٰہٰ ۔ یٰسین ۔ مُزَمِّل مُدَّثِّر بھی فرمایا ہے سُبحَانَ الَّذِی اَسرٰی بِعَبدِہٖ لَیلاً ۔ میں آپ کا نام عبد فرمایا ہے ۔ مگر آیۂ مقدسہ " لَمَّا قَامَ عَبدُاللّٰہِ یَدعُوہُ " میں آپ کا نام عبداللہ فرمایا ہے اور آیۂ مبارکہ اِنَّمَا اَنتَ مُنذِرٌ " میں آپ کا نام منذر فرمایا ہے مگر یہ سب نام آپ کے صفات کے بیان میں ہیں ۔ یعنی ہر نام اپنے صفاتی اعتبار سے اپنا مقام آپ بلحاظِ قال و حال واضح کرتا ہے تاکہ آپ کی حیثیت و حقیقت ظاہری ماورائے علین ذات جانی اور پہچانی جا سکے ۔ چنانچہ اس ضمن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ آپ کا چال چلن آپ کے اعمال و اقوال ۔ آپ کے خصائل و اطوارِ زندگی مکمل آئینۂ قرآن مجید تھے یعنی آپ کے ہر شعبۂ انسانی میں آپ کی ہستیٔ مبارکہ محض قرآن الٰہی کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھی جس میں کسی وقت بھی آپکے کسی قول و عمل سے تضاد نہ پایا گیا ۔ اسی کی یہ وجہ بھی تھی کہ آپ نے پیغامِ الٰہی کے پاتے ہی جس طرح عوام و خواص کو جھنجوڑا ۔ ان تک اللہ کا پیغام پہنچایا ۔ راہِ ہدایت دکھائی ۔ شرک و کفر کی مذمت فرمائی ۔ توحید کا سبق پڑھایا ۔ تبلیغ دین میں شریعت عین فطرتِ الٰہی کے مطابق نافذ فرمائی اور اس سلسلہ میں مشقتیں برداشت کیں ۔ مصیبتیں اٹھائیں ۔ طعنے سُنے ۔ گالیاں کھائیں ۔ پتھروں سے

زخمی ہوئے ۔ دشمنیاں سہیں ۔ کافروں اور مشرکوں کے استہزار کا نشانہ بنے ۔ ان حالات و واقعات سے صفحاتِ تاریخ رنگے ہوئے ہیں ۔ مگر جو قدم آگے بڑھ گیا تھا پیچھے نہ ہٹا نہ ہٹنے کا موقع آنے دیا چنانچہ رفتہ رفتہ اس انقلابی پیغامِ الٰہی نے اپنے کمالات دکھائے جیسا کہ قرآنِ حکیم شاہد ہے۔

الف :- وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

(خدا تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو)

ب :- لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَكُمْ

یہ لوگ خدا سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے کیونکہ وہ ان کے ساتھ ہے۔

ج :- كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا

خدا ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

چنانچہ مخالفتوں کے طوفان تھمنے لگے ۔ مصیبتوں کے بادل چھٹنے لگے ۔ مخالف موافق بننے لگے دشمن دوست اور حریف ساتھی بننے لگے ۔ برائیاں دُور ہونے لگیں ۔ اندازِ فکر بدلنے لگا ۔ اچھائیاں ابھرنے لگیں ۔ کفر و شرک کی تاریکی نور کے سامنے نہ ٹھہر سکی ۔ چونکہ دینِ محمدیؐ تمام انبیاء کا دین اور تمام انبیاء کا دین خدا ہی کا دین ہو سکتا ہے ۔ اسی کے سوا کسی نبی کے لئے کوئی بھی دین قابلِ تسلیم نہیں تھا اور نہ ہو سکتا تھا چنانچہ اسی دینِ محمدیؐ کی شریعت میں شریعتِ ابراہیمؑ ۔ شریعتِ نوحؑ ۔ شریعت موسیٰؑ ۔ شریعت عیسیٰؑ جذب و ضم ہو گئیں ۔ اور آخر میں شریعتِ محمدیہؐ ہی کار فرمائے دینِ فطرتِ الٰہی کے مطابق جاری و ساری ہو گئی عرب کی کایا پلٹ گئی ۔ ٹکڑیوں ۔ گروہوں اور قبیلوں میں بٹے ہوئے انسان ملّتِ اسلامیہ کی اخوت اور محبت کے رشتوں میں منسلک ہو گئے ۔ دشمن بھائی بن گئے ۔ زانی ۔ شرابی ۔ جواری اور باغی اللہ کے تابعدار بندے بن گئے ۔ غلام اور آقا ایک ہو گئے ۔ رعونت انکساری سے بدل گئی ۔ بربریت جوانمردی سے شجاعت میں بدل گئی ۔ بخل سخاوت سے بدل گیا ۔ بغض و عناد محبت و خلوص سے بدل گیا ۔ نا اتفاقی کی جگہ اتفاق قائم ہو گیا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بے مقصد زندگی کو ایک مقصد مل گیا لیکن اس شریعت محمدیہؐ کا مقصود صرف دعوت و تبلیغ نہیں تھا ۔ بلکہ آنحضرتؐ نسلِ انسانی کے مصلحِ اعظم ۔ قائد اور رہنما بھی تھے کیونکہ آپ نے جس عزم و یقین کے ساتھ دنیا کی رہنمائی فرمائی اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے کیونکہ

آپ نے ایک حیرت انگیز کامیابی کے ساتھ فریضۂ رسالت ادا فرمایا اور لوگوں کی توجہ اقوامِ سلف کی عاقبت پر غور کرنے کی دعوت بھی دی۔ چنانچہ سب سے پہلے ذہن انسانی کو تجربہ اور مشاہدہ پر آمادہ کیا عوام کو اپنے قلب و ذہن کا محاسبہ کرنا سکھایا اور یہ بھی بتایا کہ خدا نے کائنات کو بیکار محض نہیں بنایا۔ دُنیا آیاتِ ربّانی کی مَظہر اور سننِ الٰہیہ کی ترجمان ہے بہر حال دنیا نے تسلیم کیا کہ رسولِ اکرمؐ نے فکر و تدبّر کی دُنیا میں وہ انقلابِ عظیم پیدا کیا کہ وہ اندازِ دیرینہ جس میں دین و دنیا۔ مادّیت و روحانیت روح و جسم بالکل ایک دوسرے کی متضاد مخلوق ہیں عقل و عقیدہ بالکل دو مختلف زاویے فکر کے ہیں جن میں کوئی کسی عالم میں ربط نہیں پیدا ہو سکتا و نیز جذبات و تخیلات ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتے۔ غلط اور بے بنیاد ثابت کر دیا اور لوگوں کو شریعتِ محمدیہ سے اس قدر مانوس اور متعارف کر دیا کہ اجزائے حیات و کائنات ایک دوسرے سے مربوط اور ہم آہنگ نظر آنے لگے جس کے بعد انسانی زندگی کائنات کا ایک واحد۔ مفید اور اہم ترین جُز بن کر ترقی و عروج کے انتہائی مدارج طے کرنے لگی۔ یہ ہی تعلیم تھی نبیؐ رحمت اور نبیٔ اُمّی کی جس کے اثر نے عرب کے بدّو اور صحرا نورد قوم کو جہالت و ضلالت کے تاریک غار سے نکال کر عظیم الشان پیکر انسانیت مبلّغ دین۔ مفکرِ عالی مقام۔ مبصّرِ شواہدِ عالم۔ محققِ شرح قرآن۔ مجاہدِ میدان پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اور ان شاء اللہ تا قیامِ قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

فصل چہارم و پنجم

مشاہدۂ حق کے لئے مجاہدہ ضروری ہے۔ مگر مجاہدہ کے لئے ہوش و بیہوشی بقدر ظرف بھی نہایت ضروری ہے۔ یہاں ہوش کے معنی اللہ کی عبادت و ذکر میں مصروف رہنا اور بے ہوشی کے معنی اللہ کی محبت میں قوتِ امتیاز کو کھو دینا ہے جس کی بدولت کمال و عروج تقربِ الٰہی کی سند ہو جائے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام سے بحالت صحو جو افعال ظہور پذیر ہوتے تھے اللہ تعالیٰ اُنہی کی ذات سے منسوب کرتا تھا مگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت سُکر بھی جو فعل ظہور میں آیا اللہ تعالیٰ اس ہر فعل کو اپنی طرف منسوب فرماتا مثلاً :-

"اے پیغمبر۔ جب آپ نے کفار پر کنکریاں پھینکیں تو آپ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں"

نوٹ :- صحو بمعنی ہوش اور سُکر بمعنی بے ہوشی ہے ۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا :-

" اے پیغمبر جن لوگوں نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی گویا خدا کا ہاتھ اُن سب لوگوں کے ہاتھوں پر چھایا ہوا تھا۔

چنانچہ واضح ہوا کہ جو اعمال بحالتِ صحو یعنی ہوش میں سرزد ہوں وہ بندوں سے منسوب ہوتے ہیں لیکن جو اعمال بحالت سکر یعنی وجد و سرور اور عشق الٰہی کی مستی اور سرشاری میں واقع ہوں وہ براہِ راست اللہ کی ذات سے منسوب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عالمِ کثرت سے اپنی توجہ ہٹانے کے لئے فرماتے

" اَرِحْنِی یَا بِلَال "

اے بلال ہم سے ہم کو چھین لو "

تو بلالؓ فوراً اذان دیتے۔ ظاہر ہے کہ اذان اور بلالؓ کی زبان سے ادا ہو تو کیف و بے خودی کا مسلط ہوجانا فطری تھا۔ آنحضرتؐ نماز میں مصروف ہوجاتے اور بقول حضرت عائشہؓ کہ :-

" نماز کی حالت میں رونے کے باعث آپ کے سینۂ اطہر میں سے ایک آواز تانبے کی دیگ میں اُبال کی سنی جاتی تھی "

یہ ہی وہ عالمِ استغراق ہوتا تھا جو بجانب عالمِ قدس پرواز کر کے مشاہدۂ ذاتِ الوہیت حاصل کراتا تھا۔ اسی کو اسماء و صفات کی جہت سے نکل کر محلِ شہود یا تجلیاتِ والنوارُ الغیوب تک رسائی کہتے ہیں۔ جہاں مَظْہَر خود مُظْہِر ہونے کی مَعراج حاصل کرتا ہے۔ بقول آنحضرتؐ :-

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن

یہاں علیٰ قدرِ مراتب عروج کا حاصل کرنا بھی ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ مومن۔ ولی اور سردار الانبیاء کو عروج یا مشاہدۂ حق ہر ایک کو اُسی کی استعداد کے مطابق حاصل ہوتا ہے جو نبیٔ آخر الزماں کو بدرجہ اتم ہر لحظہ و ہر ساعت بلاکسب و طلب و اجتہاد بھی حاصل ہوتا تھا۔

یعنی

حق سے واصل خلق میں شامل

چنانچہ اگر کمالاتِ محمدؐیہ میں سے صرف ایک ہی کمال موضوع بحث بنایا جائے کہ آپ ہمہ وقت خود کو مصنوع اور خدا کو صانع سمجھتے اور دیکھتے تھے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ صرف اس تیقّن اور تصور کی بدولت آپ کو معرفتِ احدیت حاصل ہوتی رہتی تھی۔ اُسی کی فکر میں آپ کو حضوری نصیب تھی۔ اسی کے علم

کے ادراک میں آپ کو استغراق بھی حاصل ہوتا رہتا تھا اور اُسی کے جلال کا شہود و تقرب بھی بدرجۂ خاص نصیب تھا جس کی بدولت آپ بذاتہٖ علمِ الٰہی ۔ مشیتِ الٰہی ۔ ارادۂ الٰہی اور احکام الٰہی کی صورت بھی ہوئے ۔ آپ ہی افضل البشر ۔ سرورِ کائنات ۔ خلاصۂ موجودات ۔ ختم المرسلین شفیع المذنبین رحمتہ اللعالمین ۔ اور خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ و وسیلہ بھی ہوئے ۔

عرش پر دازی کرے جس کی زمیں
ہے وہی علم الیقین عین الیقیں

فصل ششم و ہفتم

شفیوتے

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

" اللہ وہ ہے کہ جس نے اَن پڑھوں میں سے ہی پیغمبر بھیجا جو ان لوگوں کے سامنے اللہ کی کتاب و حکمت کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو سکھاتا ہے اور پاک کرتا ہے "

حق تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لئے ہی نہیں بلکہ ہماری اصلاحِ ظاہری و باطنی کے لئے قرآن نازل فرمایا مگر قرآن پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ایک ماہر القرآن بھی مبعوث فرمایا جو ہم میں ہمارے ساتھ مل جل کر ہمارے نفسیاتی ۔ دنیوی ۔ معاشرتی اور ہر شعبۂ زندگی سے واقف رہا جس نے اللہ کے کلام کی صراحت و وضاحت اس طرح کی کہ انسانی زندگی کا مقصد خاص اجاگر کر دیا ۔

یہاں یہ نکتہ مزید واضح ہو جائے گا اگر موجودہ سائنسی ۔ مادّی اور معدنیاتی ترقی کو بطور مثال پیش کر دیا جائے ۔

پاکستان میں سوئی گیس (SUI GAS) تو موجود تھی مگر نہ اس کی حقیقت کا علم تھا اور نہ کوئی اس کی قوت سے واقف تھا ۔ مگر ناواقفیت یا عدمِ معلومات اس کی خوبیوں پر پردہ نہیں ڈال سکتی بلکہ یہ ماننا ہی پڑے گا کہ سوئی گیس کا ایک خزانۂ مخفی پاکستان کی حدود میں موجود تھا مگر صرف اس کی معلومات

کا وسیلہ ملتے ہی اس خزانۂ مخفی کے لئے ایک واحد طرّۂ امتیاز ہو گیا چنانچہ جس ماہر معدنیات نے اپنے علم کے ذریعہ سے اس مقام پر عملی تجربہ کیا اور کامیاب ہو گیا تو پھر تفصیلات اور انکشافات کا دور آیا اور اس ماہر سوئی گیس کا متحققانہ مبصرانہ اور مجاہدانہ تجربہ محض اُس کے ذاتی علم کی استعداد و صلاحیت پر مبنی ہوا۔ جس نے اُس کو کامیاب کیا اور جب وہ اپنی تحقیقاتی منازل ختم کر کے تدریسی و تعلیمی دور میں داخل ہوا تو اُس کے لئے لازم ہو گیا کہ عوام کو عملی مشاہدہ بھی کرائے۔ پس اس طرح اُس ماہر کو تحقیقاتی دور کے بعد تدریسی صورت اختیار کرنی پڑی مگر عملی تجربہ نے اس کی جدوجہد میں چار چاند لگا دیئے اور عوام بھی اس خزانۂ مخفی کو نعمتِ غیر مترقبہ ماننے پر آمادہ ہو گئے جس سے پوری طرح استفادہ اٹھا رہے ہیں۔

بالکل یہ ہی صورت اس تعلیم القرآن کی بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے تبلیغ بھی کی وعظ و نصائح بھی فرمائے مگر اپنی پاکیزہ زندگی کا نمونہ عملاً عوام کے سامنے پیش کیا تو ایام جاہلیت کے اَن پڑھ عرب اور سادہ لوح بدویوں نے جس قرآن کے ذریعہ ہدایت حاصل کی تو یہ ہی دنیا کی مہذب ترین قوم ہر شعبۂ زندگی میں اقوامِ عالم کے لئے ایک نمونہ بن کر نمودار ہو گئی۔ سیرتُ النبیؐ کی مستند تصانیف سے واضح ہے کہ دعویٰ نبوت سے پیشتر حضور اکرمؐ کی امانت و دیانت کا شہرۂ آفاق اس درجہ ہوا کہ آپ کا لقب امین ہو گیا اور کبھی کوئی بدترین دشمن بھی کسی موقعہ پر تردید کی ہمت نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ نجاشی شاہِ حبشہ کا تاریخی واقعہ ہے کہ

بڑے بڑے ماہرینِ الزام تراش کفارِ مکہ کے سامنے دربار نجاشی میں جس وقت جعفرؓ بن ابی طالب نے مندرجہ ذیل انکشافات برجستہ کئے تو کوئی تردید نہ کر سکا:۔

> "اے بادشاہ! ہم پہلے جاہلیت والے تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ مُردار جانوروں کو کھاتے تھے۔ فحش کاری۔ قطع رحمی۔ بد خلقی میں مبتلا تھے۔ ہمارا نصب العین جاہ پرستی تھا۔ ہم تاریکی میں بھٹک رہے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا جو ہمارے ہی کنبہ سے ہے ہم اُن کے نسب۔ سچائی۔ امانت اور عفت سے خوب واقف ہیں اور انھوں نے ہم کو دعوت دی کہ اللہ کو واحد لاشریک مانیں۔ بُت پرستی چھوڑ دیں۔ سچ بولیں۔ عزیز و اقارب کے ساتھ صلۂ رحمی کریں پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں ہمیں خون بہانے۔ جھوٹ بولنے اور یتیم کا مال کھانے سے روکا اور ہمیں نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج کا حکم دیا۔ ہم نے جب یہ سنا تو اُس پر ایمان لے آئے۔"

یعنی آپ کی تعلیم و عمل نے جہاں وحدتِ ربانی کے دوسرے پہلوؤں کی تکمیل کی اس وحدت کے مفہوم کو

بھی مکمل کیا اور بتایا کہ وہ ایک ہی خالق ہے جو تمام فرضی دیوتاؤں کے مختلف النوع اوصاف سے متصف ہی نہیں بلکہ وہی سب کا خالق ہے۔ قیوم ہے۔ وہ زندہ بھی ہے زندہ کرنے والا بھی ہے اور مارنے والا بھی۔

"هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ"

"وہی مارتا اور جلاتا بھی ہے"

بندہ ہونے کی حیثیت سے خواہ بڑا ہو چھوٹا۔ آقا ہو غلام۔ کافر ہو یا مومن منکر ہو یا مواحد سب اُسی کے بندے ہیں اور وہی ایک سب کا خالق و مالک ہے ایک ہی رب کی ربوبیت کل کائنات پر اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ تمام مخلوقات اس حال میں یکساں شریک ہے اور اس لحاظ سے رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیم نے اُن تمام تفرقوں کو یکسر مٹا دیا جو ایک خُدا کو ماننے کے باوجود دنیا کو اور قوموں اور خاندانوں کو گویا مختلف خداؤں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اور بتا دیا کہ خدا کے بندے ہونے کی بنیاد پر ہم سب برابر ہیں۔ یہ کوئی آسان کام نہیں بلکہ سیرتِ محمدیہ کو بہ عمیق نظری مطالعہ کرنے سے واضح ہوگا کہ اس انقلابی اصلاحِ کائنات کی جیتی جاگتی تصویر کے صدہا رُخ نظر آئیں گے کہیں آپ واحدُ البشری اور کہیں آپ فوق البشری ۔ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔ يُوحٰى اِلَيَّ ہوئے اس لئے آپ کی صحیح توصیف تو اُسی وقت ممکن ہے جبکہ آپ کا اُسوۂ حسنیٰ مجموعی طور پر پیش نظر رہے لیکن آپ کی سیرت کے کسی ایک پہلو کے نظارۂ جمال سے بھی سیری ممکن نہیں ہے اس لئے ایک ایک جزو کی تعریف و توصیف میں کوئی امر مانع نہیں ہے بشرطیکہ اس ایک جزو زیر بحث کو کل نہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ جب جامعیتِ کمال نظر انداز ہو جاتی ہے تو اجتماعی ذکر و فکر کے بجائے انفرادی حیثیت محسوس ہونے لگتی ہے جو سیرتِ طیبہ کی صحیح معنویت سے انحراف کے مترادف ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہوگیا کہ منصب رسالت و نبوت کے صحیح مقاماتِ عروج و کمالات کا گہرا مطالعہ و تعلق بوقتِ اظہار موجود رہنا ضروری ہے۔

بعثت نبوی ﷺ کے وقت جس طوائف الملوکی۔ بدامنی۔ بے چینی۔ لاقانونیت۔ بے حیائی اور بداخلاقی کے تاریک دور میں ہر ملک اور ہر قوم مکمل طور سے مبتلا تھی جس سے کوئی مفر کی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ اس زبوں حالی میں فاران کی چوٹیوں سے ایک عالمگیر صدائے لاھوتی بلند کی گئی۔ ایک اعلیٰ ترین مرکز انسانیت پیش کیا گیا جو نسل و قوم۔ رنگ و وطن۔ زبان و جغرافیائی حدود سے بالاتر ایک خدائے بزرگ و برتر کے ماننے اور اُسی کی خوشنودی ڈھونڈھنے کی دعوت دیتا تھا

یہ ایک ہمہ گیر اور ابدی پیامِ حیات تھا۔ اس میں وحدتِ اللہ ۔ وحدتِ رسول اور وحدتِ کتاب کے ذریعہ سے منتشر اور پراگندہ انسانیت کو ایک کرنے کے پورے سامان موجود تھے ۔ یہ اونچ نیچ ۔ ذات پات، سیاہ سفید کے ہر فرق سے ناآشنا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تجدید تو اس حیاتِ انسانیت میں پیدا کرکے صرف لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ کے دوجزوی محور پر عالمِ انسانیت کو متحد الخیال اور متحد العمل کر دیا۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ہر دُنیوی اور دینی جد وجہد میں کامیابی قدم چومنے لگی جیسا کہ کسی قوم یا ملک کی اصلاح سے قبل حصولِ غلبہ کسی تعیّنِ خاص کے ساتھ ضروری ہے کیونکہ جب لوگوں میں نفسیاتی اختلاف اور خیالات میں تضاد ہوتا ہے تو عوام کا رجحان دنیوی حصول مقاصد کی جانب ہوتا ہے تو آپس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے اور ایک دوسرا ایک دوسرے کا بدخواہ اور سدِّ راہ بن جاتا ہے مگر جب لوگوں کی توجہ کسی خاص واحد مقصد کے تحصیل کی جانب ہوتی ہے یعنی سب کی توجہ خدا کی جانب ہو جاتی ہے تو آپس کا اختلاف کیسا۔ بلکہ ہر شخص ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی جد وجہد کرتا ہے اور ایسے ہی مواقع پر مشاہدہ میں آیا ہے کہ اُس شخص کو جو حصولِ مقصد کے لئے کامیاب نظر آتا ہے تو دوسرے بجائے بُغض وحسد کے جذبۂ خلوص کے ساتھ اس کی مدد کرتے ہیں اور اس کی کامیابی پر فرحاں وشاداں نظر آتے ہیں بلکہ اس کی کامیابی کو اپنی ذاتی کامیابی تصوّر کرتے ہیں۔ اس ماحول و معاشرہ کا نام ہی متحد الخیال ہو کر متحد العمل ہو جانا کہتے ہیں۔ اور یہ ہی مقصدِ تبلیغِ دینِ الٰہی تھا۔ کہ انسان کی تخلیق ہی خالق کی نمائش کے لئے ہے اور انسان کی فنائیت سے بھی عروجِ خالق کا اظہار ہوتا ہے چنانچہ جس قوم و ملک کے افراد میں پیامِ محمدیؐ کی مرکزی خصوصیت جاگزیں ہو گئی اس کی سطوت و شوکت کا مظاہرہ بذریعہ جہاد بھی ہوا اور بذریعہ حکمرانی بھی۔

اب دوسرا پہلو، اخلاقیاتِ محمدیہ کا ملاحظہ ہو جس سے دوست و دشمن ۔ مخالف و موافق ۔ شاہ و گدا ۔ ایک دوسرے کا شریکِ غم و شریکِ حال بن گیا ۔ جب کہ اس دعوتِ حق کے دینے والے کو لوگوں نے دیکھا کہ قاتل کے ساتھ رحم کرتا ہے ۔ دشمن مریض کی عیادت کرتا ہے ۔ خود بھوکا رہتا ہے مگر دوسروں کو کھانا کھلاتا ہے ۔ خود پیاسا رہتا ہے مگر دوسروں کو پانی پلاتا ہے ۔ خود تکلیف اٹھاتا ہے مگر دوسروں کو آرام پہونچاتا ہے ۔ دوسروں پر زر و جواہرات لٹاتا ہے مگر اپنے لئے کچھ نہیں رکھتا ۔ تو سرمایہ داروں نے خوشی خوشی اپنی دولت لٹائی اور دُنیوی کشمکش سے نجات پائی ۔ مگر یہ انقلاب نہ صرف حیرت انگیز تھا بلکہ اصلاحِ معاشرہ کے لئے شدّت سے محسوس کیا جا رہا تھا۔ یہ ہی وقت موزوں ترین تھا کہ آپؐ نے اعلان فرمایا۔

"ساری انسانیت خالقِ حقیقی کا ایک کنبہ ہے"

جس میں نہ کوئی بڑا ہے نہ کوئی چھوٹا ہے۔ بلکہ بڑا وہ ہے جو اپنے خالق کو راضی کرلے اور اس جدوجہد میں فوقیت حاصل کرکے کامیاب ہوجائے۔ جس کے لئے لائحہ عمل ایثار و قربانی کو راہِ حق میں مقدم و مؤخر ٹھہرایا:۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

آنحضرتؐ نے مزید وضاحت فرماتے ہوئے آئینِ الٰہی کو اس طرح نافذ فرمایا کہ "جو کچھ ضروریاتِ زندگی سے پس انداز ہو اللہ کی راہ میں خرچ کردو"

مگر اس خرچ کی آگے چل کر مزید صراحت فرمائی کہ زکوٰۃ۔ جزیہ اور ورثہ بھی اس کے اجزائے ضروری ہیں جو انسانی معاشرہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مگر ان کے نفاذ کے لئے ایک ادارۂ مطلق اور اقتدارِ اعلیٰ کا ہونا بھی ایک جزوِ لاینفک ہے تو اس مسئلہ کو بھی منطقی لباس میں نہیں پیش کیا بلکہ عملاً ثابت کردیا کہ اقتدارِ اعلیٰ تو صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

اور انسان تو اس کا نائب ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً

اب ہر انسان محکوم ہوا اور اللہ تعالیٰ حاکمِ حقیقی ہوا جس کا ہر حکم انسان کے لئے واجب العمل ہوگا مگر کوئی شخص یا کوئی جماعت تو صاحبِ اقتدار ہوکر احکامِ الٰہی کو عوام پر نافذ کرلے وہ کس نوعیت کا شخص یا جماعت ہو؟ قربان جایئے اس فیصلہ پر۔ فرمایا

"اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ"

یعنی یہ ایک حاکم اصطلاحی ہوگا جو عوام میں سے ان اوصافِ حمیدہ کا حامل ہوگا مگر اس پر بھی حاکمِ حقیقی کا ہر حکم نافذ العمل ہوگا اور اپنے اس عارضی اقتدار کے ذریعہ دوسروں سے احکامِ الٰہی کی تعمیل کرائے گا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اگر حاکمِ اصطلاحی جو حاملِ اقتدارِ عارضی ہے کسی کوتاہی کا مرتکب ہوجائے تو مذکورہ احکامِ الٰہی کے مطابق عوام کو اختیارِ اعلیٰ حاصل ہوگا کہ اس کو اُس مقام سے معزول کردیں۔ چنانچہ یہی قول و عمل وصالِ نبویؐ کے بعد ہی سیدنا صدیق اکبرؓ نے تجدید فرماتے ہوئے عوام کے حق و اختیار کو اپنے انتخاب کے موقعہ پر یاد دلایا جو حسبِ ذیل ہے:۔

"تم لوگوں نے مجھے اپنا امیر بنایا ہے۔ اگرچہ میں اس بار کے ناقابل ہوں لیکن کوشش کروں گا کہ

کوئی امر خلافِ خدا و رسول مجھ سے سرزد نہ ہو۔ میں جو بھلائی کروں گا اس میں تم میری مدد کروگے اور اگر ذرا سی بھی بُرائی نظر آئے تو بلا تامّل مجھ کو سزا دو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے تم میں سے جو لوگ ضعیف ہیں وہ میری نگاہ میں اُس وقت تک قوی ہیں کہ اُن کا حق میں دلا دوں جو لوگ قوی ہیں انھیں میں ضعیف سمجھتا ہوں تاوقتیکہ اُن سے دوسروں کے حقوق نہ دلوا دوں۔ جس قوم نے جہاد کو چھوڑ دیا وہ ذلّت میں مبتلا ہو گئی اور جنہوں نے بدکاری اختیار کی خدائے پاک نے ان پر بلا نازل کی جب تک مجھے خدا اور رسولؐ کے احکام کی فرمانبرداری میں دیکھو میری اطاعت کرو۔ ورنہ اس کے خلاف میری اطاعت تم پر واجب نہیں"

فصل ہشتم

لفظِ فقیر کے اصطلاحی۔ لفظی اور مروّجہ معنی، محلِّ استعمال سے اخذ ہوتے ہیں۔ مگر غواصانِ بحرِ معرفت نے جو معنیٰ لفظِ فقیر کے نکالے ہیں وہ یہ ہیں کہ فقیر سوائے خُدا کے کسی کا محتاج نہیں۔ آگے چل کر فقیر کو خدا کا بھی محتاج نہیں گردانا ہے کیونکہ احتیاج صفتِ موجود ہے۔ حالانکہ فقیر بحرِ نیستی میں غوطے لگاتا ہے۔ اور اپنی ہستی سے گزر جاتا ہے۔ جب ہستی ہی نہ رہی تو احتیاج کیا۔ اس معنیٰ میں کہا گیا ہے کہ:۔

وَاِذَا تَمَّ الْفُقَرُ فَهُوَ اللّٰه

اور اسی طرح فقیری یعنی عدم جس میں علم و عمل سلب ہو جائیں۔ یہ ہی شانِ عظیم ذاتِ جنابِ محمدؐ الرسول اللہ سے وابستہ رہی جیسا کہ خود آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا

"میں بنی نوعِ انسان کا سردار ہوں لیکن مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ میں اس وقت بھی نبیؐ تھا جب آدم مٹی اور پانی میں تھے اس پر بھی مجھے فخر نہیں ہے بلکہ فقر میرا فخر ہے"

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ

"غنی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور تم سب فقیر ہو"

مذکورہ بالا ارشادِ الٰہی اور فرمانِ نبویؐ کا اگر تجزیہ کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ آنحضرتؐ نے اپنے لئے فقر کو بلحاظِ خاص کیونکر تفویض فرمایا؟ ایک نکتہ تو خالق و مخلوق۔ مالک و مملوک، عبد و معبود ہونے کا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ نبی نے فقر کو اس قدر اپنایا کہ غنی اپنے غنا سے نوازتا رہا۔ یہاں تک کہ اپنی

زندگی۔ اپنا علم معرفت ۔ اپنا ارادہ ، اپنا قول اپنا عمل ۔ اپنی بصارت ، اپنی سماعت وغیرہ کو ملکیتِ الٰہی گردانا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذاتِ الٰہی نے فقر کو غنا میں تبدیل کر دیا یعنی جملہ اوصافِ حمیدہ بعالم بشریت تو تھے مگر مظہرِ الوہیت بھی مشاہدہ میں اس طرح آئے کہ اس نے اپنی شانِ استغنا سے اپنی صفاتِ ذاتی میں سے حیات ۔ علم ۔ قدرت ۔ ارادہ ۔ سمع ۔ بصر ۔ درک وغیرہ وغیرہ امانتاً ذاتِ رسالت کو تفویض فرما دیئے ۔ اور جب ہی تو فرما دیا کہ اے رسول

" بوقت بیعت وہ تمہارا ہاتھ نہ تھا بلکہ ہمارا ہاتھ تھا "

" وہ تم نے کنکریاں نہیں پھینکیں تھیں بلکہ ہم نے پھینکیں تھیں ۔ "

فصلِ نہم

نبی اور رسول کا تصوّر مختلف قوموں اور زبانوں میں مختلف رہا ہے ۔ بہر حال اشرف المخلوقات میں سے بھی اشرف ترین مخلوق کا تصوّر مسلمانوں میں یہ رہا ہے کہ نبیؐ انسانِ کامل ہوتا ہے مزید برآں سردار الانبیاءؐ کا مقام تو اس سے بھی ارفع و اعلیٰ ہوا ۔ اس رفعتِ کاملہ کا تعلق انسانی زندگی کے دو اہم ترین شعبوں کے ساتھ ساتھ ہے ۔ ایک **معاش** دوسرا **معاد** ۔

معاش تعلق تو انسان کا انسان اور دیگر مخلوقات سے ہوتا ہے مگر **معاد** براہِ راست اپنے خالق سے متعلق ہوتا ہے جس کو عقائد و عبادت سے منسوب کیا جاتا ہے ۔ اسی تعلق کو پیغمبری کہتے ہیں ۔

رسولِ عربیؐ کو بیک وقت یہ دونوں کمالات حاصل تھے ۔ آپ کی زندگی کے ان دونوں پہلوؤں میں آپ کے ہر قول کی طرح آپ کا ہر فعل بھی قانونی حیثیت رکھتا تھا ۔ کیونکہ آج بھی عامۃ المسلمین میں سُنّتِ نبویؐ ۔ واجبات ۔ مستحبات ۔ مکروہات اور جملہ اقسامِ عبادات دائم و قائم ہیں ۔ یوں تو ہر شعبۂ زندگی مسلمان کا اسلامی کہلاتا ہے بشرطیکہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق ہو ۔ مگر خود قرآن حکیم نے متعدد موقعوں پر سنّتِ نبویؐ کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا ہے اور اسے واجب التعمیل قرار دیا ہے اس حالت میں سُنّتِ نبویؐ کی حیثیت بھی اگر جزوِ قرآن نہیں تو کم از کم ضمیمۂ قرآن اور تتمۂ قرآن کی سی ہو جاتی ہے ۔ جیسا کہ قرآن سے واضح ہے :۔

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۔

"جو آنحضرت تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ"۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

"آنحضرتؐ تمھارے لئے بہترین نمونۂ عمل ہیں"

"مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى"

آنحضرتؐ اپنی خوشی سے کچھ نہیں کہتے۔ وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ خدا ہی کے ارشاد پر مبنی ہوتا ہے۔"
اگر مختصراً مخصوص عباداتِ الٰہی سے چند دیگر پہلو یادِ الٰہی کے بطورِ مثال پیش کر دیئے جائیں تو مسئلۂ عبادت بھی مزید واضح ہو جائے گا۔

یادِ الٰہی میں جمیع غیر اللہ کو دل سے فراموش کر کے حضورِ قلب کے ساتھ قرب و معیتِ حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کو ذکرِ الٰہی کہتے ہیں چنانچہ ہر وہ چیز جس کے توسّل سے یادِ حق ہو خواہ اسم ہو یا عمل۔ کلمہ ہو یا نماز۔ تلاوتِ قرآن ہو یا اوراد و وظائف۔ قال سے ہو یا حال سے مگر خالق کی یاد ہو اور طالب و مطلوب میں رابطہ پیدا ہو یعنی "دست بکار دل بہ یار" یعنی عشق کا تعلق قلب سے ہے اس کا ابتدائی مرحلہ "ذکر" ہے جو معشوق کی یاد ہے اکثر لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ ذکر کا تعلق صرف زبان سے ہے فی الحقیقت اس کا تعلق دل سے ہے لیکن جب طالبِ صادق مطلوب کی یاد میں محو ہوتا ہے تو اس کی زبان پر وہی ہوتا ہے جو دل میں ہوتا ہے اگر زبان پر ہو اور دل کو اس کی خبر بھی نہ ہو تو یہ ذکر کی تعریف نہیں ہے اگر ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو ہمارا دل گواہی دے گا کہ زبان و دل میں موافقت پیدا نہیں اس لئے یہ عشق بلباس ذکر بھی نہیں ہے۔

برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

چند روشن اور مفید پہلو ذکرِ الٰہی کے مزید پیش کر دیئے جائیں تو جویانِ حق کے لئے طریقۂ عبادت آسان سے آسان تر ہو جائے گا بشرطیکہ موزوں رہنمائی بھی ہو۔

(۱) ذکرِ لسانی :- جو ذکر زبان سے کیا جائے۔
(۲) ذکرِ نفی اثبات :- کلمۂ طیبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کا ذکر کرنا۔
(۳) ذکرِ اسمِ ذات :- اللّٰه اللّٰه کا ذکر کرنا۔

(۴) ذِکرِ ملکوتی:۔ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر کرنا۔

(۵) ذِکرِ جبروتی:۔ "اللّٰہ" کا ذکر کرنا۔

(۶) ذِکرِ لاہوتی:۔ ھُوھُو کا ذکر کرنا۔

(۷) ذِکرِ مریضہ:۔ مثل بیمار کے دُکھ بھری آواز میں ذکر کرنا۔

(۸) ذِکرِ محزونہ:۔ غم آلود تاثرات کے ساتھ ساتھ بمعہ گریہ و زاری ذکر کرنا۔

(۹) ذِکرِ عشقیہ:۔ ذوق و شوق کے ساتھ ساتھ وصل و فصل کی لذت لئے ہوئے ذکر کرنا۔

(۱۰) ذِکرِ رابطہ:۔ ذوق و شوق کے ساتھ ساتھ خالق و مخلوق کی حقیقت سے آشنا ہونا۔

(۱۱) ذِکرِ مطمئنہ:۔ ذوق و شوق کے ساتھ ساتھ مگر استغراق کی لذت سے بہرہ ور ہو کر اپنے رب سے تعلق خصوصی پیدا کرنا جیسا کہ قرآن ہی کی ہدایت کافی ہے

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ

"خبردار ہو جاؤ کہ یادِ الٰہی سے دل اطمینان پکڑتے ہیں"

(۱۲) ذِکرِ قلبی:۔ جو ذکر دل سے کیا جائے۔

(۱۳) ذِکرِ خفی:۔ مقصود یا مطلوب کا تصور دل میں قائم کر کے تقرب حاصل کرنے کی کوشش کو مراقبہ بھی کہتے ہیں۔

(۱۴) ذِکرِ نفسی:۔ تصورِ مطلوب کے ساتھ ساتھ عقل و فہم کے ذریعہ مقصودِ اصلی کی طرف رجوع ہونا اسی کو ذکر بلب فکر بقلب کہتے ہیں۔

(۱۵) ذِکرِ روحی:۔ مشاہدۂ حق و حقیقت بتوسط اسماء و صفات کرنا۔

(۱۶) ذِکرِ محاضرہ:۔ انوار و تجلیاتِ ذاتِ احدیت کا ذاکر کے قلب و قالب پر نزول ہونا کہتے ہیں۔

(۱۷) نماز بھی ذکر ہے۔

(۱۸) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ بھی ذکر ہے۔

(۱۹) دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا پڑھنا یا سُننا بھی ذکر ہے۔

(۲۰) جُمعہ کا خطبہ و دینی امور کا مطالعہ کرنا بھی ذکر ہے۔

(۲۱) جن پند و نصائح سے اللہ تبارک و تعالیٰ کا خوف دلوں میں پیدا ہو وہ بھی ذکر ہے

(۲۲) اپنے دنیوی معاملات میں اللہ کو یاد کرنا امرِ مصدقہ ہے کہ اللہ تم کو یاد کرتا ہے۔ ارشادِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ

اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ یعنی "تمام اذکار میں بزرگ و بالا ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے"

اَفْضَلُ الدُّعَا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ یعنی "تمام دعاؤں میں افضل دعا الحمدُ للہ ہے"

بہر حال ذکر کا کمال یہ ہے کہ ذاکر و مذکور یعنی عبد و معبود کے درمیان سے جملہ حجاباتِ من و تو یکسر غائب ہو جائیں۔

جملہ اذکار مندرجہ بالا کی نوعیتِ قال ہے جن پر عمل کرنے سے تقربِ بارگاہِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ مگر اس قسم کی عبادتِ الٰہی کے لئے چند اہتمام بہ نوعیتِ حال بھی ہونا نہایت ضروری ہیں ان میں سے نمونہ از خروارے درج ذیل ہیں جو بارگاہِ صمدیت میں حد درجہ مقبول ہیں :-

(۱) عبد و معبود کا اس درجہ شغل و شغف قائم ہو کہ جو سانس بھی نکلے یادِ الٰہی میں نکلے اور اس راہ میں کسی لمحہ بھی کوئی کوتاہی یا غفلت نہ ہونے پائے۔

(۲) بندہ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، اپنی نگاہیں خمیدہ رکھے تاکہ انتشار ذہنی و قلبی سے نجات ملتی رہے۔

(۳) اقتضائے بشری یہ ہے کہ بندہ جب استغراقِ فکر کے عالم میں صفاتِ ذمیمہ سے نکل کر صفاتِ حمیدہ میں داخل ہو تو قلب و نظر

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ پر ہو۔

(۴) بندہ بظاہر شریکِ کائنات ہو مگر بباطن متوجہ اِلَی اللّٰہ رہے اور ذکرِ لسانی وقلبی بشمولِ فکرِ ذہنی ہمہ ساعت حق سبحانہٗ کی یاد تازہ کرتا رہے۔

(۵) جب بندہ دل یا زبان سے کلمۂ طیبہ کا ذکر کرے تو دل میں صرف ایک ہی تمنّا اور خواہش کو جنم دے کہ " الٰہی مقصود تو میرا تُو ہے اور تیری رضا مجھ کو درکار ہے "۔ تاکہ یہ تخیل بشکل مجاہدہ اختیار کرے جس کے توسّط سے مشاہدۂ حق حاصل ہوتا ہے جو بندہ کے لئے منزلِ کامرانی ہے۔

(۶) بندہ کا حق تعالیٰ سے واقف و آگاہ رہنا بحالتِ ذکر و فکر ایک کیف و سرُور پیدا کرتا ہے جس سے حق تعالیٰ کے انوار و تجلّیات سے آگاہی اور اُس کا ظہور اس طور پر ہوتا ہے کہ غیرِ حق سے مطلق کوئی واسطہ یا تعلق نہیں رہتا ہے۔ چنانچہ بحالتِ ذکر اس قسم کا رابطہ حق تعالیٰ سے اور اُس کی حضوری و آگاہی شرطِ اوّل ہے جس کے بغیر انتشاری کیفیت سے کوئی مفید مآل کار پیدا نہیں ہوسکتا۔

(۷) بندہ جب ذکر و فکر۔ علم و تصوّر کی منازل طے کر لیتا ہے تو اُس کا ہر عالم استغراق فی الالُوہیت ہو کر محکوم بہ حقیقت ہو جاتا ہے اور وہ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے کہ " میرے اور میرے خُدا کے درمیان کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ کوئی مقرّب فرشتہ یا نبیِ مرسل اس میں گنجائش نہیں پاتا ہے "

مگر ایسے حالات شاذونادر پیش آتے ہیں کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین تھے۔ اگر تمام حالاتِ بشری منقطع ہو جاتے اور حضرت کی ساری زندگی حالتِ استغراق میں تبدیل ہو جاتی تو بندگانِ خدا آپ سے اکتسابِ رُوحانی اور فیضِ باطنی کس طرح حاصل کرتے اور احکامِ خداوندی کی تبلیغ کس طرح ہوتی۔ چنانچہ آنحضرت اپنے مقامِ واحدیت سے نزول فرما کر مقامِ نبوّت و خلافت اور دعوت و ہدایت پر مامور ہوئے تو عالمِ بشریت و انسانیت کو فیض حاصل ہوا۔ حضورِ اکرمؐ اشرف الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہیں۔ معصوم ہیں مگر اللہ رے عروجِ عبدیت کہ مقامِ عجز و نیاز سے متجاوز ہو کر وہ مقام حاصل کیا کہ عبد و معبود۔ آقا و غلام کے مدارج کی تشریح عملاً۔ حالاً۔ عرفاً۔ اور اصلاً کر کے دوسروں کو پیروی کرنے کی دعوت دی کہ بندہ کتنا ہی مولا کی مرضی کے مطابق عمل کرے پھر بھی اپنے خدا کے سامنے بصد عجز و نیاز اقرار کرے کہ :-

"باری تعالیٰ مجھے جیسا اطاعت گزار ہونا چاہیئے تھا نہ اطاعت کر سکا جس قدر حق تجھ کو پہچاننے کا تھا نہ پہچان سکا۔ تو ہی منزلِ مراد تک پہونچائے تو پہونچوں گا۔"

پس معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ بھی اسی لئے گریہ و زاری کر کے خود کو عاجز قرار دے کر استغفار کرتے اور دعائے مغفرت فرماتے تھے اور اسی عجز و انکسار پر دریائے رحمتِ ازلی جوش میں آتا اور رحم و کرم کا نزول ہوتا۔ اس طرح شانِ نزول سے شانِ عروج بھی ہم آغوش نظر آتی تھی۔

چنانچہ قرآن و حدیث کے بے شمار مواقع سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ علاوہ دو مشہور عالمِ دنیا و عقبیٰ کے ایک تیسرا عالم بھی ہے جس کو عالمِ مثال کہتے ہیں اور وہ کسی قدر اس عالمِ شہادت کے مشابہ ہے جو ہر دو عالم کے درمیان ایک برزخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر عوام کو نورِ باطن سے انکشاف ہوتا ہے۔ جیسا کہ معجزاتِ آنحضرت سے ثابت ہوا جبکہ معراج میں جانے کا حال قوم سے بیان کیا اور آپؐ سے بیت المقدس کی تفصیلات دریافت کی گئیں تو آنحضرتؐ نے لغور و تامل خیال نہیں فرمایا بلکہ تمام جزئیات و تفصیلاتِ بیت المقدس نہایت اطمینان سے بیان فرمائیں جس پر لوگوں نے دریافت کیا کہ ایسا کیونکر آپ سے ممکن ہو سکتا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ خداوند بزرگ و برتر نے آپؐ کے سامنے بیت المقدس پیش کر دیا جس کو دیکھ کر تمام تفصیلات بیان کر دی گئیں۔

شقّ القمر کا معجزہ بھی اسی طرح کا ایک انکشاف ہے کہ چاند کا آپؐ کے اشارہ کرنے سے دو ٹکڑے ہو جانا واضح اور بین ثبوت ہے کہ نبوت کو قدرت کس کس طرح نوازتی رہی۔

آپؐ کے معجزات جو ہر موقع پر آیاتِ بیّنات کا کام دیتے تھے اور آپ کے الفاظ و کلمات کا اثر جس نے بڑے بڑے سنگدل دشمنوں کو آن کی آن میں پانی کر دیا۔ حضرت سیدنا عمر فاروقؓ جنھوں نے آستانۂ نبویؐ پر اس خیال سے حاضری دی کہ نعوذ باللہ کام تمام کر دیا جائے۔ مگر ایک کلمۂ حق سنتے ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور ایسے جاں نثار ہوئے کہ اصحابِ کبار کی صفِ اوّل کے فرد شمار کئے گئے۔ اور نیز ساری قومِ عرب جو درندوں اور بھیڑیوں کی طرح باہم جنگ و جدال میں نسلاً بعد نسلاً مصروف رہتی ایک کلمۂ توحید میں ہم زبان و ہم خیال ہو کے ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی۔ یہ سب نمونے اور مظہر اُس روشن ضمیری، اُس روحانی قوت، اُس صفائے باطن، اُس جوشِ وحدت و معرفت کے آپؐ کی ذاتِ بابرکات میں مجتمع ہو گئے تھے جس اجتماع کا مکمل نمونہ سوا آپؐ کی ذات کے آپؐ سے پیشتر کے انبیاء و رُسل میں دُنیا کو کبھی نظر نہیں آیا تھا اور بعد تو نظر آ سکتا ہی نہیں کیونکہ آپؐ پر تمام کمالاتِ نبوت و رسالت ختم ہو گئے۔ لہٰذا یہ غیر ممکن تھا کہ آپ کے یہ دونوں صفات جن کا ہفا منشاء ربانی میں

نہایت ضروری تھا کسی اور ذات میں مجتمع ہو جائیں۔

محمدؐ باعثِ تخلیق آدم　　محمدؐ درحقیقت اسمِ اعظم
شفیقؔ اللہ جانے اس کے آگے　　محمدؐ ماورائے ہر دو عالم

فصل دہم

مذکورہ بالا توضیح و تشریح سے ثابت ہوگیا کہ آنحضرتؐ کا مادّہ سوائے اللہ کے کوئی دوسرا نہیں ہے اور آنحضرتؐ کا مادّہ رُوح سے نہیں ہے بلکہ آنحضرتؐ کی رُوح سے تمام ارواح کا مادّہ بنا تاکہ وہ رُوحِ مقدّس خود چند عنصری کی ترکیب سے کائنات میں اس امر کی ادراک نہ کرے۔ پس آنحضرت باعتبار اپنی حقیقت اور مرتبہ ذاتی کے ان سب مخلوقات کے خود عالم ہوئے اور باعتبار آپ کے ترکیب عنصری کے آپ کو ان امور کا علم نہیں پس آپ عالم اور غیر عالم دونوں ہوئے اور آپ متضاد صفتوں سے متصف ہوئے جیسا کہ باری تعالیٰ متضاد صفاتِ جمیل و جلیل۔ ظاہر و باطن۔ اوّل و آخر وغیرہ سے متصف ہوا۔ اور وہ اُس کا عین ہے اور اُس کا غیر نہیں ہے۔ پس وہ عالم ہے اور عالم نہیں ہے اور جانتا ہے اور نہیں جانتا ہے۔ اور شاہد ہے اور شاہد نہیں ہے۔ یہاں نَفس کی وضاحت ضروری ہو گئی۔ نفس دراصل کسی چیز کی ذات کو کہتے ہیں۔ نفس کی حقیقت اُس کی رُوح ہے اور رُوح کی حقیقت حق تعالیٰ ہے۔ اُس خالقِ حقیقی نے محمدؐ کے نفس کو اپنے نفس سے پیدا کیا۔ پھر آدم علیہ السّلام کی ذات کو محمدؐ کے نفس کا ایک مرقع بنایا تاکہ وہ اپنے آپ کو پہچانوائے بلکہ عرفان و معرفت اِسطور حاصل کرے کہ نفس کی معرفت مخلوق قرار دی جائے تو خالق کی معرفت نصیب ہو۔ یعنی معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ کا مزاج حق پرستیٔ اسرارِ الٰہی سے مطلع ہو جائے اور معرفت کا صحیح ادراک ہو۔ مگر محبت معرفت کی محتاج ہے اور معرفت محبت کی۔ محبت کو معرفت پر فوقیت حاصل ہے اور معرفت کو محبت پر۔ محبت معرفت کا نتیجہ ہے اور معرفت محبت کا۔ یعنی بلا معرفت کے محبت پیدا نہیں ہوتی اور بغیر محبت کے معرفت میں ترقی نہیں ہوتی۔ مگر محبت سے قبل صرف اجمالی معرفت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور بعد محبت کے حق تعالیٰ کی جانب سے بطور انعام کشفِ اسرار۔ لطائفِ انوارِ الٰہی کے ربط و وساطت سے معرفت عطا ہوتی ہے

اصولِ شواہد و فکر کے تحت بھی مسئلۂ معرفت غور کرنے پر واضح ہو جاتا ہے۔

اَلْاَشْیَاءُ تُعْرَفُ بِاَضْدَادِھَا

(ہر چیز اس وقت پہچانی جاتی ہے جب اُس کی ضد اُس کے سامنے آئے)

انسان اپنے خالق کو اپنی حالت و فطرت کے خلاف پاتا ہے۔ خود کو مجبور و بے کس پاتا ہے مگر خدا کو مختارِ کل خود کو فانی پاکر خدا کو باقی۔ خود کو ناواقف و جاہل جان کر خُدا کو عالم و دانا تسلیم کرتا ہے۔ اپنی عقل۔ اپنی حس۔ اور اپنے تمام قوائے ظاہری و باطنی کو محدود و مسدود پاکر خدا کو قوتِ لامحدود جان لیتا ہے۔ اسی طرح اپنی تمام خرابیاں خود میں پاکر خدائے بزرگ و برتر کی خوبیوں کا اور اپنے تمام نقصانات سے اس کے واجب الوجود ہونے کے کمالات کو بھی تسلیم کرتا ہے۔

مذکورہ بالا متقابل تصریحات کے علاوہ اگر دوسرا زاویۂ معرفت زیرِ غور آئے تو انسان خود میں اپنے خالق کا جلوہ بھی دیکھتا ہے۔ اس قادرِ مطلق کی جلوہ گری بلاواسطہ اور بالذات ادنیٰ و اعلیٰ مخلوقات پر تصرف کرتی دیکھ سکتا ہے۔ اللہ اللہ اُس صانعِ ازلی کے صدقے جائیے کہ صرف ایک روح کو مسلّط کر دیا ہے جو جسم کے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ ریشہ پر حاوی ہے سارے نظامِ جسمانی پر جو بذاتہٖ خود ایک وسیع عالم ہے متصرف ہے۔ جس جگہ کوئی خرابی ہوتی ہے اُس کی اس کو خبر ہو جاتی ہے جسم کی ہر چیز پر وہ بالذات اور بلاواسطہ حکومت کرتی ہے۔ اس میں ہزاروں رُخ اور گوشے ہیں پھر بھی وہ ایک ہے۔ وہ جسم نہیں ہے مگر اُس میں ساری قوتیں موجود ہیں۔ کہیں دکھائی نہیں دیتی مگر پھر بھی ہر جگہ موجود ہے۔ ہر رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ مگر دل اُس کا عرش ہے جس طرح اللہ جل شانہٗ اگرچہ ہر جگہ موجود ہے

اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

مگر عرش بریں اُس کا خاص سریرِ خالقیت بنا ہوا ہے۔ خلاصہ یہ کہ خالق و مخلوق۔ واجب و ممکن کے تمام شواہد پیش کر رہا ہے مگر انسان ہے کہ باوجود ارشادِ نبویؐ کے

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

کی جلوہ ریزیوں سے بہرہ ور نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس میں ایک نکتہ خاص واضح ہو گیا ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت کو نفس کی معرفت سے مربوط فرما دیا ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مندکرہ بالا تشریح کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد یہ بات بخوبی سمجھ میں آجائے گی کہ انسان ایک عالَم صغیر ہے اور کائنات عالمِ کبیر ہے۔ کائنات میں تفصیل ہے اور انسان میں اجمال۔ حقیقتِ محمدؐیہ میں جو اجمال ہے وہ اجمال قبل از تفصیل ہے اور حقیقت انسانیہ میں جو اجمال ہے وہ اجمال بعد از تفصیل ہے یہ اجمالِ ثانی، تجلی ہے، ظِل ہے، پَرتَو ہے اجمالِ اوّل کا۔ گویا حقیقتِ محمدؐیہ جڑ ہے حقیقتِ انسانیہ کی۔ اور ارفع و اعلیٰ ہے حقیقتِ انسانی سے۔ آدم علیہ السلام میں بظاہر حضرت الوجوب والامکان جمع ہوئے مگر حقیقتاً یہ اجتماع تعینِ اوّل یعنی مقامِ محمدؐیہ میں قبلِ تخلیقِ آدمؑ واقع ہو چکا تھا۔

کیا بتاؤں کہ کیا محمدؐ ہے

حمد کی انتہا محمدؐ ہے

ہم تو اتنا شفیقؔ سمجھے ہیں

اک خدا دوسرا محمدؐ ہے

جب تک انسان کا وجود قائم ہے کائنات کا بھی قیام ہے کیونکہ انسان کائنات کی روح ہے جب تک رُوح سلامت ہے جسم بھی سلامت رہے گا۔ رُوح کے نکلتے ہی جسم کے اجزا منتشر ہو جاتے ہیں۔ اہل اللہ سے کائنات کا قیام ہے کیونکہ اہل اللہ ہی وہ مکمل انسان ہیں جو انسانیت کا پورا حق ادا کرتے ہیں اور وہ ہی اس جسدِ کائنات کی رُوح ہیں۔ ان حضرات کا قیام کائنات کے قیام کا ذریعہ اور سبب حقیقی ہے۔ کائنات کی روح انسان ہے۔ انسان کی رُوح کا سُراغ حقیقت محمدؐیہ میں جا کر ملتا ہے اور حقیقت محمدؐیہ کی رُوح۔ جڑ۔ اصلیت اور حقیقت سب کچھ ذاتِ الوہیت و حمدیت ہے جو ان جملہ اعتبارات۔ اعتقادات۔ تعینات۔ تعقلات وغیرہ سے ماوراء ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کمالاتِ انسانی میں نفسِ انسانی کو جو سب سے پہلا کمال حاصل ہوتا ہے وہ صانع کا علم ہے اس کے بعد اُس کی احدیت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ پھر اُس کے حضور کا مقامِ اعلیٰ حاصل ہوتا ہے۔ پھر اُس کے جلال کا شہود ہوتا ہے۔ پھر اس کی وحی کی وساطت سے اس کے علم کا ادراک نصیب ہوتا ہے جس کا نام ہی نبوت ہے۔ مگر یہ ادراک و استغراق ایسے ہی مقدس ہستیوں کو حاصل ہوتا ہے جو تخلیقی اعتبار سے علوم و معانیِ عالمِ بالا کا براہِ راست۔ بلا کسب و طلب و اجتہاد حاصل کئے ہوں کیونکہ نبوت کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ تمام کمالات انسانیہ و ربانیہ بغیر اکتساب و اجتہاد فی التحصیل کے

حاصل ہوں۔ سعی و کوشش کو اس راہ میں دخل نہیں۔ مگر اہل اللہ کو اتباعِ رسولِ اکرمؐ کی وساطت سے بعد کسب و اجتہاد وہ مقام حاصل ہوتا ہے جو عارفین کے مطابق ولایت تک محدود ہے۔

تصریحاتِ اہل اللہ

اہل اللہ کو دو گروہ میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک صاحبانِ شریعت جن کا یہ کام ہے کہ لوگوں کے لئے بُرے بھلے کاموں کا ایک آئین یا دستور بشکلِ فتویٰ مرتب کر کے اس کے نفاذ کی جد و جہد کریں۔ ان کے قبضۂ قدرت میں کوئی ایسی طاقت کارفرما نہیں ہوتی جس کی بنیاد پر لوگوں کو اچھے کام کرنے کی ترغیب دلاسکیں اور بُرے کاموں سے باز رکھنے پر مجبور کیا جاسکے۔ ان کی ساری قوّت اپنے مذہب کی حکومت ہوتی ہے۔ اگر حکومتِ وقت موافق اور اسلامی ہوئی تو ضابطہ و قوانین رائج الوقت کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنے احکام کی پیروی پر مجبور کرتے ہیں ورنہ اپنے پیرؤں اور معتقدوں تک کو معصیت کوشی سے باز رکھنے میں ناکامیاب رہتے ہیں۔

اس کے برعکس دوسرا گروہ صاحبانِ طریقت کا ہے۔ یہ لوگ صاحبانِ باطن و اہلِ معرفت بھی ہوتے ہیں جو نہ کوئی تحریری ضابطہ و قانون بناتے ہیں اور نہ حسنات و معاصی کا کوئی دستورالعمل نافذ کرنے کی جد و جہد کرتے ہیں۔ بلکہ صرف اپنے پند و نصائح۔ اپنے ذاتی زہد و تقویٰ اپنے معرفت کے جمال و جلال۔ اپنی نیک نفسی و پاکبازی کی برکت۔ اپنے روشن دل کی زبردست قوت اور اپنے جچے تلے الفاظ اور اپنی محتاط زبان کے تاثرات سے عوام اور جویانِ حقیقت کے دلوں پر ایسا گہرا اثر ڈالتے ہیں کہ وہ خود ہی برائیوں سے اجتناب دائمی کر کے زہد و توکّل و غنا کے مجاہدات میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ بقولِ شخصے ؏

"بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے"

مگر جو زبان سے نکلتی ہے تو کانوں سے آگے نہیں بڑھتی۔ بس یہی فرق اہلِ باطن و اہلِ ظاہر اور اہلِ شریعت و اہلِ طریقت میں ہے۔

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے نکلے صدا لا الٰہ الا اللہ (اقبال)

علمائے ظاہر اپنی مجالس میں ہزاروں قسم کی نصیحتیں کر جاتے ہیں مگر وہ سب سامعین کے کانوں تک جا کر ہوا کے ساتھ اُڑ جاتی ہیں۔ اُن میں سے ایک بھی ایسی نہیں ہوتی جس کا اثر دلوں پر چند لمحوں کے لئے باقی رہتا ہو۔ لیکن اہلِ ذوق و معرفت و طریقت ایک چھوٹی سی بات یا ایک کلمہ بھی جو یائے حق سے کہہ دیتے ہیں تو وہ دل کی گہرائیوں میں اس درجہ اثر انداز ہوتا ہے کہ مٹائے سے نہیں مٹتا ہے۔

چونکہ رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم توحید کا جلوہ دکھانے۔ شرک و کفر کی بنیاد ڈھانے دنیا کو کمالِ انسانی سے متعارف کر کے رونق دینے اور ہدایتِ خلق اللہ کے لئے آئین و ضوابط جاری فرمانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے لہٰذا آپ کو بارگاہِ لم یزلی سے دونوں فضیلتیں عطا ہوئی تھیں۔ احکامِ ظاہر بھی نافذ فرماتا تھے اور رموزِ باطن بھی آشکارا کرتا تھے جس کا مشاہدہ اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ہادی بھی تھے اور فرمانروائے وقت بھی تھے۔ الغرض ان دونوں جہتوں کی وجہ سے ضرور تھا کہ آپ کی ذاتِ بابرکات سے یہ دونوں خداوندی خدمات پورے کمال کے ساتھ تکمیل کو پہونچتی رہیں اور باری تعالیٰ نے جو دو اغراضِ رشد و ہدایات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وابستہ کی تھیں دونوں پوری ہوں۔ چنانچہ آپ نے ایک طرف دنیا میں حکومتیں قائم کر کے قوانین شرعی مطابق قرآنِ حکیم نافذ فرمائے وہ محض اس وجہ سے کئے کہ اللہ کے بندے سچی دنیاوی معاشرت کے پابند دنیا ہی میں ہو کر اُن کے اخلاق و عادات و اطوار مطابق روحانی تعلیمات ہو سکیں جن کی تعلیم بھی مقصودِ الٰہی تھی۔ اور دوسری طرف ان مواعظ و نصائح سے کام لے کر رموزِ حقیقت کی تعلیم بھی مقدم فرمادی جس کے ذریعہ حال و قال کی متوازی حقیقت عالمِ ظہور میں آتی رہے۔ جیسا کہ اپنے سینۂ مجلّیٰ و مصفّیٰ سے نورِ حقیقت کی شعاعیں صحابہ کے دلوں پر ڈال کے اُن سب کے سینوں کو نورانی بنا دیا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اس روشن ضمیری اُس روحانی قوت، اُس جوشش و حرارت و معرفت اور اس ظلِّ رحمانی سے مکمل اثر انداز ہونے والے حقیقی وارث اور چلتی پھرتی تصویریں یہ ہی اربابِ باطن۔ یہ ہی مقدس ہستیاں۔ یہ ہی برگزیدہ صالحین و عارفین اہل اللہ یا اولیاء اللہ۔ اصفیا و صافیہ۔ قدس اللہ اسرارہم ہوئے۔ جن کا سلسلہ تا قیامِ قیامت دنیا میں دائم و قائم رہے گا۔ کیونکہ اجتہاد کی جہت سے انبیاء، اور رُسل کے مرتبہ میں وہی لوگ ہیں اور رسولِ اکرمؐ نے اجتہاد کو اُن پر مباح کیا ہے اور ہر نبی جیسے معصوم ہے ویسے ہی ہر مجتہد بھی مقرب بارگاہِ الٰہی ہے اور قیامت کے دن یہ گروہ مجتہدین انبیاء کی صفوں میں ہوگا۔ یہ دونوں متضاد قسم کے اوصاف محض معجز نما طریقہ سے آپ کی ذاتِ والا صفات میں جمع ہو گئے تھے جس کا مظاہرہ آنحضرتؐ سے قبل کے انبیاء و رُسل میں دنیا کو کبھی نصیب نہ ہوا۔ چونکہ نبوت و رسالت کا خاتمہ آپؐ پر ہو چکا مگر مذکورہ بالا ہر دو صفات جن کا

سلسلہ جاری رہنا بھی ضروری تھا تو اس خدائے عزّوجل کی مرضی کے مطابق یہ دونوں اوصاف و اغراض دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ جو نبوّت کا بار اپنے اپنے درمیان بانٹے ہوئے ہیں۔

علمائے ظاہر نے حکمرانی و تدوینِ قوانینِ شریعت کی خدمت اپنے ذمّہ لی۔ الحمدللہ کہ کارہائے منصبی بخوبی انجام دیتے رہے۔ مستند و محقق نسخے اور احادیث کے ذخیرے جمع کئے۔ تنقید و تحقیق کے قواعد و ضوابط مرتب کر کے نافذ العمل کئے۔ تفسیریں لکھیں۔ فقہی حیثیت سے ایک نہایت ہی مکمل و واجب العمل قانونِ شریعت مرتب کیا۔ تصنیفات و تالیفات کے ادارے زیرِ نگرانی محققین و مبصرین قائم کئے اور اس طرح مسائلِ دینی و دُنیوی کے حل کرنے کے صدہا راستے پیدا کئے جس کی جدوجہد آج بھی جاری ہے اور جس کی بدولت تبلیغِ دینِ محمدیؐ کی دنیا کے گوشے گوشے میں ترقی کی راہیں کھل گئیں۔

مگر رموزِ ربّانی اور معرفت و حقیقت جنہیں اعلیٰ شعبۂ نبوّت کہنا چاہیئے ان کا بار اٹھانا دشوار تھا کیونکہ اس کے لئے اجتہادِ نبوی ہیں۔ ریاضت۔ نفس کُشی۔ فقر و فاقہ۔ توکّل و تحمّل ترکِ ہوا و حرص۔ قائم الیل۔ صائم الدہر۔ جیسے نصاب کو اختیار کرنا ازبس ضروری ہے۔ نیز شہوات و لذاتِ دنیا سے انحراف۔ ریاکاری و نفس پرستی سے گریز۔ مگر راضی برضا رہ کر مخلوق کی خدمت، خالق کی عبادت کو اپنا نصب العین بنانا کوئی آسان کام نہیں۔ گو ان فرائض پر عمل پیرا ہونا سخت دشوار تھا مگر خداوند قدّوس کو کچھ یوں ہی منظور تھا کہ ورثۂ نبوّت کا بار صرف اولیاء اللہ۔ صاحبانِ معرفت و حقیقت نے بتائیدِ ایزدی اُٹھا لیا۔ اس طریقہ سے دینِ اسلام کے فرائض دو حصّوں پر تقسیم ہو گئے اور ان دونوں گروہ نے اپنی اپنی نوعیت کے مطابق فرائض کی انجام دہی اختیار کر لی یعنی اسلام کو جہاں تک دُنیوی نظام۔ معیشت و معاشرت وغیرہ اور عام اعمالِ ظاہر سے تعلق تھا علمائے ظاہر کے اختیار میں رہا۔ مگر اس کا باطنی حصّہ۔ تعلیمِ روحانی تسلیم و رضا۔ زہد و تقویٰ۔ نفس کُشی و ریاضت۔ پند و نصیحت۔ تبلیغ رشد و ہدایت، روشن ضمیری و پاک باطنی۔ اور مجاہدۂ نفس سے تعلق رکھنے والا۔ بزرگانِ طریقت۔ غوّاصانِ بحرِ معرفت اور پاک بازانِ حقیقت کے حال و قال پر وقف ہو گیا۔ قرآنِ پاک و احادیثِ نبویؐ میں جن جن آیات و عبارات میں احکامِ ظاہری اور نظامِ تمدنی و معاشرتی پر بحث کی گئی ہے وہ سب اربابِ ظاہر کے فرائضِ منصبی اور ان کے اغراضِ مذہبی سے منسوب ہیں۔ اور جس جس جگہ رقّت آمیز اور سوز انگیز انقلاب پیدا کرنے والے نصائح بیان کئے گئے ہیں۔ رموزِ وحدت پر بحث ہوئی ہے۔ اللہ جل شانہٗ کی قدرت اور کائنات کے دلفریب محسوسات اور دلچسپ مناظر کو پیش کر کے توحید و معرفت کی تعلیم دی گئی ہے اُن سب مقامات کو صرف عارفانِ حق۔ صاحبانِ باطن اولیاء اللہ سے تعلق ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

"لوگوں کو حکمت (دانائی) اور حسنِ نصیحت کے ساتھ اللہ کے راستہ کی طرف بلاؤ"

بظاہر یہ تخاطب رسالتمآبؐ سے ہے مگر وراثتاً اولیاء اللہ سے ہے جس کا اثر آج تک قائم ہے کہ ولی کی ایک نگاہ اور ایک لفظ دلوں میں ہیجانی اور انقلابی کیفیات پیدا کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ یا یا اس سے بھی زیادہ واضح و روشن پہلو یہ ہو سکتا ہے کہ اسلام دو چیزوں کا نام ہے:-

اقرار باللسان وتصدیق بالجنان

یعنی زبان سے توحید و نبوّت کا اقرار کرنا اور دل سے ان دونوں پر یقین رکھنا۔ اس سے شریعت و طریقت کا فرق و امتیاز اور دونوں کا وارثِ ورثۂ نبوّت ہونا ثابت ہوگیا اور اسی سے ایمان کے دو رُخ نظر آگئے۔ ایک ظاہری دوسرا باطنی۔ انہی سے ظاہری رُخ کو علمائے شریعت سے اور باطنی رُخ کو اربابِ حقیقت و معرفت سے تعلق ہے۔ علمائے ظاہر کسی وجہ سے یا کسی مصلحت سے ظاہری لباسِ اسلام کسی کے جسم پر تو پہنا سکتے ہیں مگر اس کے دل تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی بلکہ وہ جان بھی نہیں سکتے ہیں کہ آیا وہ دل سے مومن ہے بھی یا نہیں مگر دل تک رسائی انہی روشن ضمیر برگزیدہ ہستیوں کی ہوتی ہے جو مجاہدۂ نفس سے اور قوتِ روحانی کے ذریعہ مکاشفہ و مراقبہ کرکے دلوں اور سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کا انکشاف کر لیتے ہیں اور سخت سے سخت دلوں کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں اور اپنی سیرِ روحانی میں اُس مقام تک چلے جاتے ہیں جہاں عقلِ انسانی حیران رہ جاتی ہے۔

کسے کہ حُسنِ رُخِ دوست در نظر دارد
محقق است کہ اُو حاصلِ بصر دارد
(حافظ)

بقول شیخ اکبرؒ بن عربی کے اصل مجتہدین ہی وارث الانبیاء ہیں کیونکہ اجتہاد کی جہت سے انبیاء و رُسل کے مرتبہ میں وہی لوگ ہیں اور انہی کو خاص طریقہ سے الہام ہوتا ہے۔ اور وہ جہت ہر انسان میں حق تعالیٰ سے ہے اور اس سے ملک الالہام کو بھی خبر نہیں ہوتی ہے۔ گو ملک الالہام کا نزول انبیاء و اولیاء پر ہوتا ہے لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ انبیاء و رُسل اُس کو وحی کے وقت حسِ بصر سے دیکھتے ہیں۔

اور اولیاء اللہ آثار سے اُس کو معلوم کرتے ہیں مگر حسِ بصر سے نہیں دیکھ سکتے۔ اسی وجہ سے یہ فرق و امتیاز بتایا گیا ہے کہ وحی میں فرشتے انبیاء کے لئے نازل ہوتے ہیں۔ مگر اولیاء کی وحی میں فقط الہام ہوتا ہے۔ فرشتے نازل نہیں ہوتے۔ لیکن شیخ اکبرؒ بن عربی فرماتے ہیں کہ ملک دونوں کی وحی کے لئے نازل ہوتا ہے

" فرق دونوں میں یہ ہے کہ انبیاء پر بالذات ملک الالہام نزول کرتا ہے مگر اولیاء پر بالطبع نبی کے تابع ہونے سے نزول کرتا ہے "

کبھی فرشتہ ولی اللہ پر بشارت کے ساتھ نزول کرتا ہے۔ چنانچہ خود قرآن پاک میں اللہ فرماتا ہے

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ
اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ
الْمَلٰٓئِکَۃُ

شیخ اکبرؒ ابن عربی فتوحات کے ۹۳ باب میں فرماتے ہیں کہ امتِ محمدیہؐ میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے افضل ہو کیونکہ جب عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو اسی شریعت محمدیؐ کے نفاذ کا اعلان کریں گے اور قیامت میں ان کے دو حشر ہوں گے ایک حشر انبیاء کے زمرہ میں ہوگا۔ دوسرا حشر اولیاء کے زمرہ میں ہوگا۔ ایسا ہی حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ سوائے خضر علیہ السلام کے سب سے افضل ہیں کیونکہ ان کا مقام برزخ ہے وہ ولایت اور نبوت کے درمیان ہے۔ مکرر یہ کہ مقامِ صدیقیت کی رفعت فوراً بعدِ وصالِ رسول اکرمؐ ہی اس طرح ظاہر ہوگئی کہ منبرِ رسول پر چڑھ کر بآوازِ بلند یہ آیت مقدسہ پڑھنے لگے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ
مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ

"محمدؐ بھی رسول تھے جیسے اور رسول تھے جو گزر گئے اور اگر آپ فوت ہو جائیں یا قتل کیے جائیں تو کیا تم راہِ راست پر حق کے لئے اپنی جدوجہد سے کنارہ کش ہو جاؤ گے۔"

یعنی

جو شخص کسی دُنیوی فنا ہو جانے والی شے سے اپنے دل و دماغ کو وابستہ کر لیتا ہے تو اپنا سکونِ ذہنی و قلبی برباد کرتا ہے۔ مگر جس نے خود کو کائنات میں باقی رہنے والی ذات (خالقِ اکبر) سے وابستہ کیا تو وہ بظاہر خود تو فنا ہو گا مگر اس کی بقا اس باقی رہنے والی ذات سے دائمی قائم رہے گی۔ چنانچہ جس نے رسولِ اکرم کو محض بشریت کی نظر سے دیکھا تو حقیقتِ محمدؐیہ سے ناآشنا رہا۔ مگر جس نے خود کو وابستہ حقیقتِ محمدؐیہ کر لیا تو اس نے آنحضرتؐ کو دنیا سے رُخصت ہو جانے پر بھی فنا کی حالت میں نہیں بلکہ آپ کو حالتِ بقا رحق تعالیٰ کی بقا کے ساتھ دیکھا اور فنا کی حالت میں بھی عظمتِ بقا منجانب حق تعالےٰ اُس کو نظر آئی۔ بقول مظہر اکبر آبادی۔

نیستی ہی دلیل ہستی ہے
ہر بلندی میں رازِ پستی ہے

اُس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ اسرارِ الٰہی جو صدیقِ اکبرؓ کے سینہ میں محفوظ تھے اور جن کا اظہار اُس وقت ہوا جبکہ دیگر صحابہ کرام زیادہ پریشان اور متاثر تھے مگر وہ خود حقائقِ امور سے واقف ہو چکے تھے اور اپنا تعلق خُدا سے پیدا کر چکے تھے اور کل مقاماتِ باطنی کو وہ اللہ سے رسولؐ کے واسطے سے حاصل کرنے لگے تو اس وقت رسول اللہ نے وصال فرمایا اور اسی باعث رفعتِ حقیقی اور فضیلتِ یقینی دوسروں کے مقابلہ میں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی باعث لوگ متفق ہیں کہ اُمتِ محمدؐیہ میں افضل الاولیا حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ اسی باعث تو ارشاداتِ نبویؐ بھی تائیداً اس مقام کی وضاحت کرتے ہیں۔

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ

"جو مر گیا پس اس کی قیامت ہو گئی"

اُس کو موتِ طبعی کہتے ہیں۔ مگر اس موت سے پہلے موتِ ارادی بھی ہوتی ہے جس کو اللہ توفیق عطا فرمائے اور فرمایا رسول اللہ نے

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا

"موتِ طبعی سے پہلے موتِ ارادی سے مردہ بنو"

حضرت نثار اکبر آبادی نے کیا خوب ترجمہ کیا ہے۔

نثار حزیں پہلے مرنے سے مر لو
کہ اب زندگی کا بھروسہ نہیں ہے

یہ انتباہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع۔ ہوا و ہوس۔ لذات و شہوات سے باز رہنے کو موت قرار دیا جس کی کما حقہٗ سیدنا صدیق اکبرؓ نے تعمیل و تکمیل کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى مَيِّتٍ يَمْشِىْ
عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اَبِىْ بَكْرٍ۔

"جو کوئی کسی مردہ کو زمین پر چلتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہو تو وہ ابو بکر صدیقؓ کو دیکھے"
یہ مقام حق میں فانی ہو کر حق کے ساتھ باقی رہنے پر حاصل ہوتا ہے جو ولایت کی ابتدا۔ سفر اول کی انتہا بن کر حق تعالیٰ کی تجلی سے علم الیقین۔ عین الیقین اور حق الیقین کے عالم میں پہونچاتا ہے۔ اسی کو ولایت صادقہ و کاملہ کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے تاثیرات و تصرفات کی قوت عطا ہوتی ہے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنے اسماء و صفات کا اُس بندہ کو متولی بنا دیتا ہے۔ جو طلب الٰہی کی استعداد رکھنے والوں پر اثرات ڈالتا ہے اور سالکان راہِ حق کو مقامات قرب الٰہی تک پہونچاتا ہے۔ بعینہٖ جملہ صفات سے متصف ہو کر سیدنا صدیق اکبرؓ افضل الاولیا کے اعلیٰ مراتب سے نوازے گئے جو خلق میں مقبولیت کا باعث ہوئے۔

تذکرۂ ولایت ضرورتاً اس سے قبل اختصار سے بعنوانِ ولایت کیا جا چکا ہے مگر مسئلۂ ولایت خود ایک اہم اور سخت ترین موضوعِ بحث ہے جس کی تفصیل و تشریح حسب استعداد خود باستمداد عارفین و اولیاء کاملین و مرشدنا و سیدنا شاہ صلاح الدین قدس اللہ اسرارہم ضروری خیال کی جاتی ہے تاکہ عوام و جویانِ حق بتوفیقِ الٰہی استفادہ حاصل کر سکیں۔

جس طرح ارکانِ ایمان کی متابعت و تعمیل کرنے کے بعد شریعتِ دین سے بہرہ ور ہونا لازم آتا ہے اسی طرح مشرب و مسلکِ تصوّف میں یا علمِ باطنی میں ولایت سے سرفراز ہونے کے لئے بھی ارکانِ خصوصی لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) توبہ (۲) تسلیم (۳) رضا (۴) توکّل (۵) صبر

(۶) قناعت (۷) شکر (۸) ورع (۹) زھد (۱۰) انابت

شرطِ حصولِ ولایت یہ ہے کہ متابعتِ نبیؐ میں بکمال درجہ ارکان مذکورہ بالا کی ریاضتِ شاقہ انجام دیکر یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ کی دستگیری حاصل کرے۔
اوّل الذکر اہلِ ظاہر اور مؤخر الذکر اہلِ باطن قرار دیئے جاتے ہیں۔ نبوّت کا تعلق ظاہر سے ہے مگر نبوّت کا باطن ولایت ہے۔ ظاہر کو باطن سے عروج و نزول حاصل ہوتا ہے جس طرح جڑ جو زمین کی گہرائیوں میں رہ کر بھی درخت کے زوال و کمال پر اثر انداز ہوتی رہتی ہے چنانچہ ولایت جو ایک باطنی پہلو نبوّت کا ہے اللہ سے تعلقِ خاص پیدا کرتا ہے۔ اور اسی سے استغراق و فنائیت حاصل ہونے کے امکان روشن ہوتے ہیں جس کے ذریعہ سے مقامِ بقا بالحق نصیب ہوتا ہے۔ اور تصرفات کا سرچشمہ بن کر خلق اللہ کے لئے سبب رحمت و فیضانِ الٰہی ہو جاتا ہے اسی کو دراصل ولایت کہتے ہیں۔ بقول شخصے

نماز عاشقاں ترکِ وجود است
نماز زاہداں سجدہ سجود است

اولیاء اللہ اپنے مجاہدات و ریاضات کا تکملہ ارکانِ ولایت کے مطابق کرنے کے بعد مقام لِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا تک رسائی کے حقدار ہو جاتے ہیں۔ تو واصلِ حق اس طرح ہوتے ہیں کہ حقیقت غالب آجاتی ہے بشریت پر اور یہ ہی مقامِ فنائیت ہوتا ہے گو کہ یہ عالم بمصداق "وصل ذرّہ و آفتاب ہوگا"، مگر بتوفیقِ الٰہی کمال و عروج حاصل کرکے ظُهُوْرٌ مِّنَ اللّٰهِ کا مقام حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ اپنے اسماء و صفات کے کمالات ان کو بطورِ خاص عطا فرما کر قوتِ کرامات کے ذریعہ مرجعِ فیضِ عام بھی بنا دیتا ہے۔ اور سالکانِ راہِ طریقت کو مقاماتِ قربِ الٰہی تک پہونچایا جاتا ہے۔

چنانچہ ارکانِ عشرۂ متذکرہ بالا کی چند خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:۔

ا۔ توبہ:۔

سالک کے لئے سب سے پہلا دروازہ توبہ کا ہے جس کے کھلنے کے بعد ہی دوسرے دروازے کھلتے ہیں۔ یہ ہی نزول سے عروج کی طرف جانے کی راہ ہے یعنی حق سبحانہٗ کی طرف رجوع ہو کر خود کو پست یقین کرنا بلکہ دل میں خوف پیدا کرکے نادم ہونا ہی توبہ کی اصل شکل ہے۔ دل میں جذبۂ ندامت کا پیدا ہونا اور مستقبل میں گناہ سے قطعی باز رہنا اور سابقہ گناہوں سے جو ظاہری و باطنی نقصانات پہونچے ان کی تلافی کا جاری رہنا ازبس ضروری ہے۔

توبہ کا معیار تو بقول حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ ہے

"توبہ تو دراصل وہ ہے کہ جس سے احساس گناہ بھی مفقود و معدوم ہو جائے کیونکہ صفائی کے وقت غبار کا خیال بھی گزرنا غبار ہے"

اس ضمن میں ایک نہایت رقت آمیز واقعہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے :-

بعد از صحابۂ کرام محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا مقام و مرتبہ صادقین و صالحین میں ممتاز ہے لیکن آپ حج کے موقع پر غلافِ کعبہ پر اپنی آنکھوں سے آنسو بہا رہے تھے اور شدید رقت میں گریہ وزاری کرتے ہوئے آہستہ آہستہ زبان مبارک سے بارگاہِ ایزدی میں معروضات پیش کر رہے تھے کہ

"مولا تو رحیم و کریم ہے۔ گناہوں کا بخشنے والا ہے۔ مگر میں عاجز گنہگار ہوں اور تیرے غلافِ کعبہ سے اپنا چہرہ چھپا کر عرض کرتا ہوں کہ میرے گناہوں کو بخش دے ورنہ قیامت کے دن اگر میں تیری حضور میں موجب سزا قرار دیا گیا تو میں تیرے چاہنے والوں کو اپنا چہرہ دکھانے اور اُن سے آنکھیں ملانے کے قابل نہ ہو سکوں گا۔ تو از راہِ کرم مجھ کو میدانِ حشر میں اندھا اٹھانا تاکہ عذابِ دوزخ سے زیادہ شدید صدمہ جو ندامت و شرمندگی کا ہوگا اس سے محفوظ رہ سکوں"

اللہ اکبر یہ ہے حقیقی توبہ جس کی توفیق اللہ ہم سب کو عطا فرمائے۔ آمین

۲۔ تسلیم :-

جملہ اموراتِ بشری کو خدا سے منسوب کرنا مگر خود کو خارج از ملکیت یقین اس حد تک کرنا کہ اپنے اعمال کی نسبت اجر و معاوضہ طلبی سے بھی بے نیاز ہو جانا بلکہ خُدا پر چھوڑ دینا کہ جس قسم کا تصرف چاہے کرے۔

۳۔ رضا :-

اللہ تعالیٰ پر اعتمادِ کُلیہ رکھنا۔ اور اس کے جملہ واردات پر مسرور و مطمئن رہنا۔ تسلیم و رضا میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ مقامِ تسلیم اللہ کے حکم سے قبل ہوتا ہے اور مقامِ رضا بعد از حکمِ خداوندی کیونکہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اس لئے سالک قضا و قدر کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے بلکہ

اپنے قلب میں ایک فرحت محسوس کرتا ہے۔ یہ مقام سالک کے لئے سخت آزمائش کا ہے۔

۴۔ توکّل:۔

خداوندِ عالم پر بھروسہ کرنا اور جملہ اپنے امور کو خدا کے سپرد کر دینا۔ مگر توکّل کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ بندہ ہر اس امر پر خوش ہو جو خدا کو پسند ہے۔ یہ بھی مومن کے لئے مخصوص ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

"پس اوپر اللہ کے بھروسہ کرو اگر تم ایمان والے ہو"

توکّل یہ بھی ہے کہ اللہ سے بندہ اس طرح وابستہ ہو جائے کہ گویا تُو تھا ہی نہیں اور اُس کے نتیجہ میں اللہ تجھ میں اس طرح بس جائے کہ گویا وہ ہمیشہ سے یوں ہی تھا۔ یعنی علم و عمل و تقویٰ الغرض کسی جدوجہد پر بھروسہ نہ کرنا ہی توکّل کہلاتا ہے اس میں تو کچھ شک نہیں کہ ایمان و عمل پر دار و مدارِ نجات کا ہے۔ لیکن سالک کا ایسا مطلوب و مقصود ہے جن کے کارخانۂ قدرت میں ان امور کا کوئی شمار تک نہیں ہے۔ توکّل محض اللہ کے فضل و کرم پر کرنا چاہیے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں توکّل دل کی حالتوں میں سے ایک ایسی حالت ہے جو خدا کی وحدانیت اور اُس کے لطف و کرم پر ایمان لانے سے پیدا ہوتی ہے بشرطیکہ سالک اپنے سارے کام خدا کے عطا کردہ تصوّر کر کے خود کو کسی امر پر مختار نہ گردانے۔ اسی وجہ سے توکّل کو ترکِ عمل سے ہرگز تعبیر نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ توکّل تو علم و عمل اور حال سے پیدا ہوتا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل تین مثالوں سے ثابت ہوتا ہے:۔

۱۔ موکل اپنے وکیل کے ہر قول و فعل پر مطمئن ہوتا ہے کہ اُس کا وکیل اس کے لئے مفید کارہائے انجام دے رہا ہے۔

۲۔ بچہ بھوک میں یا ہر آفت و حالت میں اپنی ماں کو پکارتا ہے اور اُسی کی پناہ و امداد حاصل کرتا ہے۔

۳۔ مُردہ ہے جو بدست زندہ ہے جس کو جس طرح چاہے اس کو حرکت دیتا ہے۔

اب ان تینوں میں فرق اختیار و علم و قدرت کے لحاظ سے ہے۔ اوّل میں اختیار ہے۔ دوئم میں اختیار نہیں ہے لیکن گریہ و زاری و دعا ہے۔ سوئم میں اختیار بالکل ختم ہے۔ چنانچہ حقیقی متوکل وہ ہے۔ جو اپنے اختیار کو اللہ کے ارادہ و قدرت میں فنا کر دے۔ ورنہ سالک خود پرست ہو کر دور از منزل ہو جائے گا۔

۵۔ صبر:۔

کسی معاملہ میں خالق کی مخلوق سے نہ تو زبان سے شکایت کرنا۔ نہ دل میں اس شکایت کا پیدا ہونا۔ یعنی تمام اسباب و ذرائع سے اپنی نظر باطن کو ہٹا کر اللہ کو مسبب الاسباب اور فعالِ مطلق جاننا اور اپنے ارادہ کو اُس کے ارادے میں اور اپنے تفکر و تدبر کو اُس کی کارسازی میں مطیع و مغلوب بنا لینے کا نام صبر ہے۔

۶۔ قناعت:۔

مرغوب طبع حالات و خواہشات فنا ہو جانے کی صورت میں بھی اپنے خالقِ اکبر سے مانوس رہنا اور سکونِ قلبی حاصل کرنا ہی قناعت کی دلیل ہے۔ قناعت کا تعلق درویشی سے ہونا ترک دنیا و آخرت ہے۔ قناعت سالک کے دل میں استغنا پیدا کرتی ہے جس سے سالک ہر دو جہان سے بے تعلق ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ خود کو محتاج محض پاتا ہے جبکہ اُس کا خود وجود ہی اُس کا نہیں ہے تو یہ مالک کس چیز کا ہے؟

۷۔ شُکر:۔

حقیقی نعمتوں سے بندہ نوازا جائے مگر ساری نعمتوں کو خدا کی عین مرضی کے مطابق صرف کر کے ایک خاص کیفیت و سرور روحانی اپنے میں پیدا کرے۔ مگر شُکر میں ایک غلط انداز بھی ہو جاتا ہے کہ بندہ شکر کرنے میں اپنے نفس کے واسطے زیادہ نعمت کا امیدوار ہوتا ہے اور خُدا سے اپنے حظِ نفس کے ساتھ واسطہ رکھتا ہے۔ لہٰذا اصلی شُکر وہ ہے کہ اپنے نفس کو رحمت کا مستحق ہی نہ سمجھے۔

۸۔ ورع:۔

نفس کو خواہشات سے روکنا۔ صبر کو حرام سے اور شکر کو حلال سے محفوظ رکھنا صاحبانِ طریقت کا ایک مشغلۂ خاص ہے۔

۹۔ زُہد :۔

زہد دراصل تھوڑی سی چیز پر قناعت کرنے کو کہتے ہیں۔ فنا کے مقابل میں بقا کو ترجیح دیتے ہوئے حاصل کرنا۔ دنیوی مسرتوں سے مانوس نہ ہونا اور دنیاوی تکالیف سے نہ اُکتانا بھی زُہد ہے۔ یعنی انسان ہر حال میں اللہ سے راضی رہے۔ رسولِ اکرمؐ سے زُہد کی تعریف طلب کی گئی تو ارشاد فرمایا کہ

"دُنیا میں جو چیز بندہ کے پاس ہوتے ہوئے مطلقاً اُس سے بے پرواہ رہنا ہی بس نہیں ہے بلکہ وہ اُن چیزوں سے بھی بے پرواہ ہو جائے جو اس کو ابھی نہیں ملی ہیں اور ہنوز خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔"

مزید صراحت زہد عارفانِ حق نے اس طرح بھی کی ہے کہ زاہد اس کو کہتے ہیں جو اگر دنیا کو حاصل کرلے تو خوش نہ ہو اور اگر دُنیا سے آزار یا نقصان پہونچے تو غم نہ کرے۔ جلوت میں ہنسے اور خلوت میں روئے۔

۱۰۔ اَنابت :۔

اُس توبہ کو کہتے ہیں جس میں ندامت بہ صمیمِ قلب پیدا ہو جس کے ذریعہ گناہ کا اعادہ ممکن ہی نہ ہو۔

مذکورہ بالا مسائلِ تصوف کو علمائے طریقت و غواصانِ بحرِ معرفت ضبطِ تحریر میں لاکر اصلاحِ باطن اور تزکیۂ نفس کی جدوجہد ہر دور اور ہر زمانہ میں کرتے رہے جن کے اصولِ باطن اور رموزِ روحانی نے فقہا و محدثین کی طرح بندگانِ خُدا میں شوق پیدا کیا جس نے ہزار ہا اولیاء اللہ کے ذریعہ اپنے روحانی کمالات سے خلق اللہ کو فیض پہونچایا اور اسی کو ایک علیحدہ ضابطہ مشربِ تصوف کا قائم کرنے میں کامیاب ہوئے جس کا احاطۂ تحریری میں لانا ضروری ہو گیا کیونکہ دینِ اسلام میں علاوہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے تصوف کی رفعت و فضیلت کی بدولت بندہ مجاہدات و ریاضات کا عادی و عامل ہو کر تقرب الی اللہ اور وصال الہٰی حاصل کر لیتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ

هُوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

یعنی " اللہ کے بندے، وہ ہیں جو زمین پر عجز و انکساری سے چلتے ہیں اور جب جاہل انھیں مخاطب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں تم پر ہماری طرف سے سلام ہے۔"

اور

ارشادِ نبویؐ ہے:۔

مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ فَلَا يُؤْمِنُ اِلَّا كُتِبَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْغَافِلِيْنَ۔

یعنی " جس شخص نے تصوف والوں کی آواز سُنی اور اُس پر ایمان نہ لایا وہ خدا کے نزدیک غافلوں میں لکھا گیا۔"

اور اسی کو ابنِ عطاء فرماتے ہیں کہ

اَلتَّصَوُّفُ هُوَ الْاِسْتِرْسَالُ مَعَ الْحَقِّ

یعنی

تصوف اُس کو کہتے ہیں کہ خُدا بندہ کا ہو رہے یعنی اتنا قرب ہو کہ خدا کے علاوہ تمام چیزیں فنا ہو جائیں۔

چند حضراتِ کم فہم کو تصوف کے مسئلہ میں طرح طرح کے مغالطہ میں پایا گیا ہے۔ مگر یہ محض لاعلمی۔ کج فہمی اور عدم معلومات کی وجہ ہو سکتی ہے ورنہ تصوف عین طریقۂ کتاب و سُنّت کے مطابق ہے۔ بلکہ کلیتۂ اسلام۔ روحِ ایمان اور ماحصلِ نبوت ہے جو ذریعۂ معرفتِ الٰہی بھی ہے۔

آنحضرتؐ کے زمانے میں اسلام کی کوئی تفریق نہیں ہوئی تھی اور ہر پیروِ اسلام کو لفظِ مسلم سے پکارا جاتا تھا۔ مگر جوں جوں ترقیٔ اسلام اور خدمتِ دین عروج پذیر ہوتی گئی۔ امتیاز کا آغاز ہونے لگا۔ مثلاً عشرۂ مبشرہ۔ اُن کے بعد حبشہ کی ہجرتِ اولیٰ والے۔ پھر ہجرت کرنے والے مدینہ منوّرہ کے۔ پھر غزوات میں شرکت کرنے والے۔ جب اسلام دُور دراز ملکوں میں پھیلا تو صحابی و غیر صحابی یعنی جو مشرف بہ دیدارِ نبیؐ رہے اور جو دیدارِ نبیؐ نہ حاصل کر سکے۔ مگر جب دورِ صحابہ رضؓ ختم ہونے لگا تو تابعی کو امتیازی حیثیت حاصل ہوئی اور تابعین کے بعد تبع تابعین یعنی جنھوں نے تابعین سے شرفِ نیاز

حاصل کیا۔ جن کو بتدریج ممتاز و معزز شمار کیا جاتا رہا۔ زمانے بدلتے گئے اور انقلاب آتے رہے چنانچہ حُفّاظ و قُرّا تو پہلے سے چلے آتے تھے مگر اب مُفسّر۔ محدّث ۔ فقیہ اور مؤرخ بھی پیدا ہوئے۔ اور ان سب کے علاوہ عابدوں اور زاہدوں کے گروہ بھی پیدا ہونے لگے ۔ جو کثرتِ عبادت اور ریاضتِ دینی کی وجہ سے ممتاز شمار ہونے لگے ۔ مگر اس گروہ میں عوامی حیثیت پیدا ہوگئی اور لوگ دنیوی رنگ و بُو پر بھی مائل نظر آنے لگے اور مجاہدات و ریاضات میں پہلا سا جوش و ولولہ یکسر کم ہونے لگا تو اہلِ سنّت میں سے جو لوگ دُنیا سے بے پرواہ ہو کے خُدا و رسولؐ کی محبت میں تزکیۂ نفس پر کمربستہ ہوگئے صوفی کہلانے لگے۔ اور اُن کا شغلِ خاص تصوف سے تعبیر ہوا مگر لفظِ تصوف کی حقیقت کیا ہے درج ذیل ہے:۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں

مَن وَلَم یَتَفَقہ فَقَد تَزَندَق وَمَن تَفَقہ وَلَم یَتَصَوَّف فقد تفسق وَ مَن جَمَعَ بَینَھُمَا فَقَد تَحَقَّقَ

یعنی " جو صوفی بنا اور علم سے بے بہرہ رہا زندیق ہوا اور جس نے علمِ دین حاصل کیا مگر تصوف حاصل نہ کیا فاسق بنا۔ اور جس نے دونوں کو حاصل کیا پس اُس نے تحقیق سے کام کیا۔

لفظ صوف کے معنی بکری کے بالوں کے ہیں۔ چونکہ صوفی حضرات کھانے میں۔ لباس میں بلکہ ہر چیز میں حظِ نفس سے دور۔ زینتِ ظاہری اور نمائش سے غیر مانوس رہتے ہیں اکثر موٹے کپڑے کمبل وغیرہ کی قسم کے پہنتے ہیں جیسا کہ ارشادِ سیدنا عمر فاروقؓ ہے کہ

" اونی کپڑے پہنا کرو۔ پیادہ پا چلا کرو۔ دھوپ میں زیادہ بیٹھا کرو "

یہ بھی خیال صحیح ہو سکتا ہے کہ ان کا ماخذ اصحابِ صُفّہ سے ہے۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں مسجدِ نبویؐ کے رقبہ کے اندر ایک چبوترہ پر چند غریب و مفلوک الحال صحابیؓ رہا کرتے تھے جن کی دیکھ بھال خود آنحضرتؐ و دیگر صحابہؓ کیا کرتے تھے اس چبوترہ پر رہنے کی وجہ سے یہ لوگ اصحابِ صُفّہ مشہور ہوگئے۔

مگر علامہ ابنِ جوزیؒ کی معلومات مستند اور قابلِ پذیرائی ہیں کہ وہ فرماتے ہیں بعثت نبویؐ سے قبل عرب میں صوفہ نام ایک گروہ کا تھا جو تارک الدنیا ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے اور

خانۂ کعبہ کے پاس بیٹھے رہتے تھے ۔ یہ صوفہ لوگ خاندانِ غوث بن مرین میں سے تھے جو تمیم بن مرہ کا ایک قبیلہ تھا اور بعد میں جو مسلمان اُن کے ہم مذاق پیدا ہوئے وہ بھی انہی کی جانب منسوب ہو کر صوفی مشہور ہو گئے ۔ آنحضرتؐ نے بھی اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے کہ جب مومن کے سینہ میں نور داخل ہوتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے اور اس کی پہچان ہے کہ اس کا دل دنیا سے ہٹ جاتا ہے اور آخرت کی جانب رجوع ہوتا ہے اور ایسا شخص موت کے آنے سے پہلے موت کے لئے تیار رہتا ہے ۔ ابو محمد جریریؒ کی تحقیق ہے کہ :-

" ہر اچھے اخلاق میں داخل ہونا اور ہر بُرے اخلاق سے نکل آنا تصوف ہے "

حضرت معروف کرخیؒ کے قول کے مطابق شانِ تصوف یہ ہے ۔

" تصوف گرفتن حقائق ۔ گفتن بدقائق و نومید شدن اُنچہ ہست در دستِ خلائق "

یعنی " حقائق کا حاصل کرنا ۔ دقائق کا اظہار کرنا اور جو چیز دوسروں کے قبضہ و تصرف میں ہو اس سے ناامید ہو جانا ۔

ابوالحسن نوریؒ بڑے پیارے انداز میں رفعتِ تصوف بیان فرماتے ہیں ۔

" تصوف نہ علوم است ۔ اگر علم بودے بہ تعلیم حاصل شدے و گر رسوم بودے بمجاہدہ بدست آمدے ۔ بلکہ اخلاق است کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ و بخلقِ خدا درآمدن نہ بہ رسوم دست دہد نہ بہ علوم ۔ "

یعنی

تصوف نہ علم ہے اور نہ رسم کیونکہ اگر علم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہو جاتا ۔ اور اگر رسم ہوتا تو مجاہدہ سے ہاتھ آجاتا ۔

بلکہ

تصوف سراسر اخلاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خلقِ عظیم سے متخلق ہو جاؤ اور خدا کے خلق سے متخلق ہونا نہ رسم سے ممکن ہے نہ علم سے ۔

حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غنیۃ الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

" صوفیوں کا ظاہر لوگوں کے ساتھ اور باطن اللہ جل شانہٗ کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کے اعمال کلام اللہ کے حکم کے تابع اور دل اللہ کے علم سے معمور ہوتے ہیں ۔ "

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ " تصوف یہ ہے کہ بندہ اور اللہ کے درمیان کوئی واسطہ نہ باقی رہے " حضرت حسینؒ بن منصور فرماتے ہیں کہ

"صوفی ذات کا اکیلا ہے نہ کوئی اُسے قبول کرتا ہے اور نہ وہ کسی کو قبول کرتا ہے"۔

حضرت سمنون کی رائے ہے کہ :-

"تصوّف یہ ہے کہ نہ بندہ کسی چیز کا مالک ہو اور نہ کوئی چیز اس پر قابض ہو سکے"

حضرت رویمؒ بن محمدؒ کے مطابق :-

"تصوف سے ماہیتِ نفس کو اللہ پر چھوڑ دے کہ وہ جو چاہے کرے"

حضرت ذوالنون مصریؒ نے حقیقتِ تصوف عجیب شان سے بیان فرمائی ہے :-

"تصوف کی بدولت بندہ اپنی ہر چیز کو ترک کر کے اللہ کو اختیار کرتا ہے جس کے نتیجہ میں اللہ جلّ شانہٗ سب چیزوں کو ترک کر کے بندہ کو اختیار کرتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔

یعنی "جن لوگوں نے مجاہدہ کیا ہماری راہ میں یقیناً ہم دکھا دیں گے اُن کو اپنی راہ"

اصل میں اہل تصوف ہی نفس کشی ۔ اصلاحِ باطن اور تزکیۂ نفس کی کوشش کرتے ہیں جو اصلاحِ خیال کے اصول و قواعد سے سلوک کا ابتدائی مرحلہ طے کرتے ہیں۔ مگر اصلاحِ خیال کا بلند ترمقام تجرّدِ خیال ہے ۔ اصلاحِ خیال کے ساتھ ساتھ اپنے باطن کو تصورات و اعتقاداتِ ناقصہ سے پاک و صاف رکھتے ہیں۔ یہ ہی اصلاح و تجرید عین تصوف ہے۔ مذکورہ بالا آئینہ مقدسہ کی روشنی میں یہ لوگ اعتمادِ کُلّی کے ساتھ مجاہدے کرتے ہیں اور رشد و ہدایات پاتے ہیں جن کا دار و مدار شرحِ صدر پر ہے اور شرحِ صدر کا نتیجہ وہ انوارِ الٰہی ہیں جو غیب سے قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ ان انوارِ الٰہی کی برکتوں سے نوازے جاتے ہیں اور اللہ سے وہ بصیرت حاصل کرتے ہیں جو دوسروں کو نصیب نہیں ہوتی اور وہ فہم و ادراک عطا ہوتا ہے جو اوروں تک نہیں پہونچتا۔ یہ ہی وہ بصیرتِ الٰہی اور یہ ہی وہ فہم و ادراکِ خاص ہے جس کی بدولت کشفِ حقائق اور رموزِ معرفت کی بارش عالمِ قدس سے اُن پر ہوتی رہتی ہے

یہاں ایک واقعہ تائیداً پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے نفسِ مسئلہ پر مزید روشنی پڑے گی۔

امام شافعیؒ کے پاس امام احمد بن حنبل بیٹھے ہوئے تھے کہ شیبان راعیؒ جو ایک اُمّی مگر اہلِ تصوف تھے آبیٹھے امام احمدؒ بن حنبل نے چاہا کہ شیبانؒ کی اصلاح کے لئے تحصیل علم کی رغبت دلائی جائے مگر امام شافعیؒ نے پسند نہ کیا بلکہ اصرار کیا کہ اس خیال سے باز آجائیں مگر امام احمد بن حنبلؒ نہ مانے اور شیبانؒ سے پوچھنے لگے۔ کہ اگر کوئی شخص پانچ نمازوں میں سے ایک نماز قضا کر کے بھول گیا ہو کہ کون سے وقت کی نماز تھی تو اس

کو کیا کرنا چاہیئے ؟

شیبان نے برجستہ کہا کہ

" یہ ایک دل ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل ہو گیا لہٰذا واجب ہے کہ اُسے سزا دیجائے تاکہ پھر اپنے مالک کو نہ بھولے "۔

یہ جواب سُنتے ہی امام احمد بن حنبلؒ پر وجد و بے خودی کا عالم طاری ہو گیا اور اِس شعور و علمِ باطنی پر حیران رہ گئے۔ دراصل یہ ہی شانِ تصوف ہے اور اسی کو کمالِ معرفت کہتے ہیں بلکہ انداز جواب کیا ہے کوزہ میں سمندر کے مصداق ہے۔

ایسا ہی ایک دوسرا واقعہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ اپنے صاحبزادہ کو صوفیوں کی صحبت سے الگ رہنے کی ہدایت فرمایا کرتے۔ اتفاقاً ایک شب صوفیوں کی جماعت ہوا میں اُڑ کر آپ کے پاس آئی اور چند مسائل دینی پر بحث کرنے لگے حتیٰ کہ اُس بحث میں امام احمدؒ کو شکست ہو گئی تو آپ نے دوسرے روز اپنے صاحبزادہ کو ہدایت کی کہ صوفیوں کی صحبت سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کیا کرو کیونکہ ان لوگوں پر نہایت اہم مسائلِ دینی و اسرارِ الٰہی غیب سے واضح اور آشکار ہوتے ہیں۔

ابتدائے عہدِ اسلام کی پہلی صدی ہجری میں تصوف آشنا حضرات بکثرت بامِ عروج تک نہیں پہونچے مگر دوسری ہجری میں تصوف کا عالمِ شباب آیا اور سب سے پہلے ابو ہاشم کو صوفی کا لقب حضرت سُفیان ثوریؒ نے دیا۔ اور اعتراف کیا کہ اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو ریا کے دقائق کی تشریح و توضیح ممکن نہ ہوتی۔ اسی دور میں تصوف نے علمی اور عملی حیثیتوں میں خوب ترقی کی۔ یہ ہی وہ زمانہ تھا جس میں مجاہدات کے مختلف طریقے پیدا ہوئے جس کی وجہ سے علماً اور عملاً اتباعِ شریعت۔ ترکِ بدعت، کثرتِ نوافل۔ فقر و فاقہ وغیرہ وغیرہ پر سالکانِ راہ طریقت بکثرت مائل ہوئے۔

ماحصل

تصوّف۔ اسلام کا ایک نہایت اہم جزو ہے۔ اسلام مجموعہ ہے ظاہری اور باطنی خوبیوں کا اور اسلام کی باطنی خوبیوں سے تصوّف کو تعلقِ خاص رہا ہے لہٰذا تصوّف کو شریعت سے وہی نسبت اور تعلق ہے جو روح کو جسم سے ہے۔ اسی وجہ سے تصوّف اور فقر میں جو فرق ہے بالکل واضح ہے کہ اہلِ تصوّف کا مقام و درجہ اہلِ فقر سے بلند ہے۔ کیونکہ فقیر دنیا میں خود کو کسی چیز کا مالک نہیں قرار دیتا ہے۔ محض اس

وجہ سے کہ حلال مال کا حساب دینا پڑے گا اور حرام کمائی پر گرفت ہوگی۔ گو کہ فقیر اپنے ارادہ اور اپنے اختیار سے اِس حالت میں آتا ہے۔ اِس کے برعکس صوفی اپنے ارادہ کو حق تعالیٰ کے ارادہ میں بالکل فنا کر دیتا ہے تاکہ حق تعالیٰ اپنی مرضی سے اُس پر فقر کی حالت طاری کرے یا اہلِ غنا بنا دے۔ مگر صوفی ہے کہ فقر و غنا میں خود کو مسرور و مطمئن پاتا ہے۔ الغرض صریحاً یہ کہنا پڑتا ہے کہ ولایت ایک انتہائی مقام ہے تصوف کا بلکہ تصوف ہی ایک نصاب ہے علم و عملِ ظاہری و باطنی کا جس کا انجام حصولِ ولایت پر ہوتا ہے۔

اگر دنیوی علوم کے مدارج و مراتب معین ہیں تو یہ مسئلہ آسان تر ہو جاتا ہے۔ اب اسی موضوع پر چند اصولِ مقررہ پر غور کیا جائے۔

ایک طالب علم اسکول کی تعلیم ختم کر کے میٹرک کی سند حاصل کرتا ہے تو کالج کی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے جہاں وہ "ایف اے" - "بی اے" اور "ایم اے" تک تعلیم حاصل کر کے فارغ التحصیل قرار دیا جاتا ہے اور اس تصدیق سند کے لئے ایک باضابطہ اجلاس منعقد ہوتا ہے جس میں اُس کو کنووکیشن (CONVOCATION) میں ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کا مستحق قرار دیا جاتا ہے یعنی اُس کو سند "ایم اے" کی مل جاتی ہے اور اب وہ اگر بالتشریح پکارا جائے تو اُستادِ علم (MASTER OF ARTS) پکارا جائے گا گو کہ وہ ابھی اُستاد کے مقام تک پہونچا بھی نہیں ہے اور نہ اُس نے کوئی شاگرد بنایا اور تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع بھی نہیں کیا بلکہ اس وقت تک تو وہ خود طالب علم ہی رہا تھا مگر اس سند حاصل کرنے کے لئے ظاہر ہے کہ وہ کس کس استعداد و ذہانت اور صلاحیت کے لئے کوشاں رہا۔ اور آزمائشوں اور امتحانوں میں کامیاب ہوا۔ لیکن سند مذکورۂ بالا حاصل کرنا ہی اُس کا مقصودِ محض نہ تھا کیونکہ اُس کے بعد بھی سند کی بنیاد پر خود کو اور دوسروں کو فائدہ پہونچانا مقصدِ اصلی و حقیقی اُس کے پیشِ نظر تھا چنانچہ وہ کسی کالج میں پروفیسر مقرر ہوا اور خود کو ذاتی اور اعزازی فائدہ پہونچایا۔ مگر شاگردوں کو اُس نے اپنے علم حاصل کردہ سے بہرہ ور بھی کیا تو اس حالت میں وہ اب صرف "ایم اے" یا (MASTER OF ARTS) ہی نہیں کہا جائے گا بلکہ اب تو اُس کا مقام و اعزاز ایک پروفیسر کی حیثیت میں آ گیا اور یقینی طور پر اُس کو پروفیسر کے لقب و خطاب سے پکارا جائے گا گو کہ بنیادی اور اساسی حیثیت اُس کی .M.A "ایم اے" ہونے کی وجہ سے ہوئی جس کا ترقی یافتہ مقام پروفیسر کا ہوا۔

اب اس کی تشریح یوں کی جاسکتی ہے کہ

اوّل	نصاب تعلیم
دوئم	سند "ایم اے"
سوئم	پروفیسر کی حیثیت

اسی طرح ـــــ اوّل ـــــ تکمیلِ نصابِ تصوف (ارکان عشرہ) کرنا۔

دوئم ـــــ معروفِ مجاہدات ومشاہدات رہ کر مقام صوفی کو حاصل کرنا۔

سوئم ـــــ فنا فی الذات ہو کر لبقار بالحق کے مقامِ ارفع واعلیٰ کے ذریعہ مرتبۂ ولیت پر فائز ہونا۔

تو کہنا پڑتا ہے کہ پروفیسر ہوا تو "ایم اے" بھی ہوا اور یہ دونوں صفتیں اُس کے لئے ایک دوسرے میں جاذب و منسلک اس طرح ہیں کہ پروفیسر ہے تو "ایم اے" بھی ہے اور جب" ایم اے " ہے تب ہی پروفیسر بھی ہے مگر نصابِ علم وعمل کا تکمیلہ کرنا اس مقام کے لئے شرطِ اول ہے۔ بالکل اسی طرح ارکانِ عشرۂ تصوف کا تکمیلہ بالایمان کرنا شرطِ اوّل ہے اور بعدہٗ مقامِ صوفی پر فائز ہونا لازم آجاتا ہے مگر یہی وہ مقامِ عروج وکمال ہے جہاں اپنی منزلِ مقصود کی جانب رجوع ہو کر اپنا انتہائی مقام مُتَخَلِّق بِاَخلاقِ اللّٰہ کا حاصل کرتا ہے اور

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کی ترجمانی کرنے لگتا ہے پس معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل نے ولایت کا مقام بہت بلند کیا ہے اور اولیاء اللہ ہی کو اس کے ساتھ مخصوص کردیا۔ اس لئے کہ انھوں نے ظاہری وباطنی اسباب و ذرائع سے منہ موڑا اور اپنے مسببِ حقیقی کی طرف مائل ہو گئے یہاں تک کہ ان کا مقام مکمل یک سوئی اور معرفتِ الٰہی کے بعد ہی مقامِ فخر کہلایا گیا پس یہ لوگ خدا کی دوستی میں آنے کے بعد اسباب ظاہری وباطنی کے محتاج نہیں رہتے بلکہ اپنے خالقِ حقیقی کے الطافِ خفی سے مطلقاً وابستہ ہو جاتے ہیں جو خود ان کی بقا کے لئے ایک فالِ نیک ہے۔

جیسا کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے تصدیق فرمائی ہے کہ

یَا مَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ اَنَّکُمْ تُعْرَفُوْنَ بِاللّٰہِ وَتُکْرَمُوْنَ بِاللّٰہِ

فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَکُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِذْ خَلَوْتُمْ بِہٖ۔

یعنی " اے اہل اللہ کے گروہ تم اللہ کی دوستی ہی سے پہچانے جاتے ہو۔ اور اسی کے تعلق سے تمہاری تعظیم وتکریم کی جاتی ہے پس اللہ کی خلوت میں تمہارا ہونا دلیل ہے تمہارے رشتہ اور تعلق کی مضبوطی کا۔"

چنانچہ اسی وجہ سے تو اولیاء اللہ کے مقامات اور رموز وآدابِ معرفتِ الٰہی بقدرِ تقربِ الٰہی اُن کو حاصل ہوتے ہیں۔

اقسامِ ولایت

اسرارتصوف ومعرفت ازابتدا تا انتہا وقف ہوتے ہیں حصولِ ولایت کے لئے اور مذکرہ بالانفاذ تصوف کے ماتحت جملہ اعمالِ صالحہ ایک ربطِ خاص۔ جذبہ صادق۔ خلوص ومحبت۔ محویت واستغراق کی کی جانب طالب ومطلوب کوکشاں کشاں ایک دوسرے کے قریب لانے میں مستقل فراوانی پیدا کرتے ہیں جس سے طالب کی اطاعت ورضا۔ مطلوب کی کبروغنا۔ باقی کی بقا۔ فانی کی فنا۔ ہمرنگ نظر آنے لگتے ہیں کیونکہ سالکانِ راہِ طریقت واصلینِ حق بن کر حق تعالیٰ میں فنا ہوجاتے ہیں اور حق تعالیٰ ہی کے ساتھ باقی رہتے ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ قوتِ خالقیت ہے اور اسی سے جہتِ اصلی کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہی جہت بشریت پر غالب آتی ہے۔ یہاں تک کہ قوت بشری اس میں جذب ہو کر فنا ہوجاتی ہے مگر یہاں ایک نکتہ مزید واضح کردیا جائے تو مناسب ہوگا۔

جب ایک سرد لوہے کا ٹکڑا لوہا پگھلانے والی بھٹی میں ڈالا جاتا ہے تو وہ رفتہ رفتہ ہمرنگ آگ ہوجاتا ہے بعد میں خود بھی پگھل جاتا ہے اور بڑے حصہ میں یک رنگ وہم شکل ہوجاتا ہے لہٰذا جو صفت وخاصیت اس بھٹی کے بڑے پگھلے ہوئے لوہے کے حصہ کی ہوتی ہے وہی اس سرد لوہے کے ٹکڑے کی بھی ہوجاتی ہے۔ یہاں تک کہ امتیاز واختلاف یکسر مٹ جاتا ہے بلکہ سرد وآگ کی متضاد صفتیں بھی غائب ہو کر ایک دائرہ حیثیت اختیار کرلیتی ہیں اور اسی تعینِ ثانی کو بقاء بالحق کہتے ہیں۔ پھر یہ تعین اُس سے مطلقاً دُور نہیں ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

"اللہ ایمان والوں کا دوست یا اُن کے قریب ہے۔"

لہٰذا ولی اصل میں وہ ہے جو فنا فی اللہ ہوگیا ہو کیونکہ ولایت ذاتِ باری تعالیٰ میں بندہ کے فنا ہونے کو کہتے ہیں۔ اور فنا سے یہ مطلب نہیں ہے کہ بندہ کُلّیتہً مفقود ہوجائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ربوبیت کی جہت میں بندہ اپنی بشریت کو بالکل نیست ونابود کردے اور یہی ولایت کا مقام ہے جو ولی سے ماخوذ ہے اور ولی کے معنی قریب اور دوست دونوں ہیں۔ پس نبوت کا باطن ولایت ہوا اور ولایت صورتِ نبوت ہے۔ جس طرح روح کی تابع صورت ہوتی ہے اسی طرح ولی تابع نبی ہوتا ہے لیکن نبی کی صورت ہماری صورت سے مختلف اور ہمارے باطن سے نبی کا باطن بھی مختلف ہوتا ہے کیونکہ ہماری صورت ظاہر ہے مگر باطن غائب یعنی پوشیدہ ہے۔ نبی کی صورت ولایت پوشیدہ ہوتی ہے مگر باطن نبوت ظاہر اور واضح ہوتا ہے۔ ولی کو اظہارِ ولایت کا مجاز واختیار نہیں ہوتا اور نہ ا یہی

تقلید و اتباع کے لئے دوسروں کو آمادہ کرسکتا ہے۔ مگر نبی خود کچھ نہیں کہتا یا کرتا ہے بلکہ وہ مامور ہوتا ہے حق تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق تبلیغ دین کے لئے اور بندگانِ خدا کو عمل صالح کی ترغیب دیتا ہے۔ معجزات تائیداً دکھاتا ہے تاکہ اُس کی نبوت تسلیم کی جائے۔ مگر ولی کے لئے اظہارِ کرامت۔ طلب کرامت اور تشہیر کرامت ممنوع ہے کیونکہ یہ مقامِ باطن ہے نبوت کا جس کا اظہار مناسب نہیں اور اس مقام کا دائرہ نبوت کے دائرہ سے تمام و کمال بہت بڑا ہے۔ اسی واسطے نبوت تمام ہوچکی اور ولایت ہمیشہ باقی رہے گی اور اسی واسطے اللہ کے ناموں سے ایک نام ولی ہے اور نبی نہیں ہے اور جب ولایت کا احاطہ نبوّت سے بڑھا ہوا ہے اور یہ اس کا باطن ہے اور یہ انبیاء و اولیاء دونوں میں شامل ہے تو انبیاء، دراصل اولیاء ہوئے اور حق میں فنا ہو کر حق کے ساتھ باقی رہے۔

دراصل ولایت کی ابتدا سفرِ اوّل کی انتہا ہوتی ہے اور سفرِ اوّل یہ ہے کہ مخلوق سے خالق کی جانب سالک پرواز کرے مگر تمام منازل و مقامات از روے نصابِ تصوّف طے کرکے تجلیٔ حق حاصل کرسکتا ہے اور حق تعالیٰ اس پر انوار و تجلیات کو نزول فرماتا ہے تاکہ وہ کسی شے کو اصلی حالت میں تصور کرکے مقامِ علمُ الیقین اور بعالمِ مشاهدہ مقامِ عینُ الیقین اور فنا فی الحق ہوکر مقامِ حق الیقین حاصل کرے جس کے نتیجہ میں اُس کو انتہائی مقامِ بقاء بالحق حاصل ہوجاتا ہے۔ اور تصرفات کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ یہ امر یہاں واضح ہوجاتا ہے کہ ولایت کے کمال کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اسی واسطے اولیاء اللہ کے مراتب بھی شمار سے باہر ہیں جیساکہ انبیاء کو ولایت اور نبوّت کے دونوں ہی مرتبے حاصل ہیں لیکن ان کی ولایت کا مقام نبوت کے مقام سے بلند تر ہے اور ان کی نبوّت کا مرتبہ رسالت کے درجہ سے افضل ہے کیونکہ فنا فی اللہ کے ہونے سے اُن کو ولایت کی اصلی جہت حاصل ہوتی ہے اور رسالت میں بشریت کی جہت غالب ہوتی ہے کیونکہ ان کو عالمِ انسانیت سے واسطہ رہتا ہے لہٰذا مقامِ نبوّت۔ مقامِ ولایت سے تھوڑا نیچے اور مقامِ رسالت سے تھوڑا اوپر ہوتا ہے۔ یعنی نبوّت ولایت سے نیچے اور رسالت سے اُوپر متمیز ہوتی ہے۔

غوّاصانِ بحرِ معرفت و حقیقت کی اجتہادی رائے ہے کہ ولی جب عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ اور دیگر جملہ مسائل تصوّف مذکورہ بالا کے مجاہدات میں کامیاب ہوکر مشاہداتِ حقیقتِ ازلی کا عادی ہوجاتا ہے تو اس کا شمار واصلینِ حق میں ہوجاتا ہے جس کی پہچان مندرجہ ذیل اوصافِ حمیدہ اور خصائلِ پاکیزہ سے ہوسکتی ہے۔ یعنی یہ خصوصیاتِ ولی بدرجۂ اتم ہونا لازمی ہیں۔

۱- سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی۔

۲- رضا حضرت اسحاق علیہ السلام کی

۳۔ صبر حضرت ایوب علیہ السلام کا
۴۔ اشارہ حضرت زکریا علیہ السلام کا
۵۔ غریب الوطنی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی
۶۔ سیّاحی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی
۷۔ فقیری حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی

انہی خصوصیاتِ حمیدہ کی وضاحت یوں بھی کی گئی ہے۔

۱۔ دو صفاتِ خاصہ حق تعالیٰ کی یعنی ستاری (عیب پوشی) رحمت (رحم دلی)
۲۔ دو صفاتِ خاصہ رسول اکرمؐ کی یعنی شفقت ۔ رفاقت
۳۔ دو صفات خاصہ سیدنا صدیق اکبرؓ کی یعنی صداقت (دل کی) ۔ راست گوئی (زبان کی)
۴۔ دو صفات خاصہ سیدنا عمر فاروقؓ کی یعنی امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینا) نہی عن المنکر (برائی سے روکنا)
۵۔ دو صفات خاصہ عثمان غنیؓ کی یعنی حیا (شرم وادب) سخاوت (کھانا کھلانا وغیرہ)
۶۔ دو صفات خاصہ علی کرم اللہ وجہہ کی یعنی فتوحات (جوانمردی وغیرہ) علم باعمل (اطاعتِ دین)

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام نبی یا رسول نہیں رکھا اور ولی اپنا نام رکھا ہے اور اس نام سے اپنے کو موصوف بھی کیا۔ چنانچہ فرمایا

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ

اللہ ایمان والوں کا ولی ہے

اور پھر کہا کہ

اَللّٰہُ ھُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ

اللہ ہی ولی اور حمید ہے۔

اور یہ نام اللہ کے بندوں پر دنیا اور آخرت میں باقی اور جاری ہے۔ لہٰذا نبوت اور رسالت کے ختم ہونے سے بندہ کا کوئی خاص اسم سوائے حق تعالیٰ کے باقی نہ رہا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نبوت عامہ کو اس طرح باقی رکھا کہ شریعتِ محمدیہ اور اس کے اجتہاد کو بطور وراثت قائم و نافذ کر دیا اور فرمایا۔

العلماء ورثۃ الانبیاء

یعنی " علماء نبیوں کے ورثہ ہیں "

اور اس میں سوائے اجتہادی احکام کے اور کوئی دوسری شے میراث نہیں ہے۔ اسی واسطے انھوں نے اُن احکام کو مشروع رکھا اور جب تم نبی کو ایسا کلام کرتے دیکھو جو حدِ شرع سے باہر ہے تو وہ عارف اور اور ولی ہونے کی جہت سے ہے اور اسی واسطے اُن کا وہ عالمِ مخصوص مرتبۂ ولایت سے ہے جو نبوت و رسالت کے درجہ سے بڑھا ہوا ہے۔ چونکہ ولی نام ہے اللہ تعالیٰ کا اور یہ نام اس کے لئے ہمیشہ باقی ہے پس ولی اُس بندہ کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہو گیا اور اپنے کو فنا کر کے اس کے ساتھ متحقق ہوا ہو اور بقا بعد الفنا سے اُس نے تعلق حاصل کیا ہو۔ اس نکتہ کو جو ایک اہم مسئلہ سے ہم آغوش ہے ارشادِ نبوی سے واضح اور عام فہم ہو گیا ہے۔

مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فِی الْیَقْظَۃِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ عَلٰی صُوْرَتِیْ۔

یعنی "جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اُس نے مجھ کو عالمِ بیداری میں دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت پر متمثل نہیں ہوتا"

۱۔ تمثیلاً۔ حضرت تقیؒ بن مخلد نے آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھا اور آنحضرتؐ نے اُن کو اس خواب میں دودھ پلایا۔ پھر تقی بن مخلد نے اُس خواب سے بیدار ہو کر تصدیق کرنی چاہی اور قے کرنے کی کوشش کی تو قے میں دودھ گرا۔ پس وہ اگر خواب کی تعبیر کرتے تو دودھ علم ہی ہوتا۔

۲۔ آنحضرتؐ نے خود اپنا خواب اس طرح فرمایا کہ "دودھ کا بھرا پیالہ مجھ کو دیا گیا۔ میں نے اس قدر پیا کہ سیری میرے ناخنوں سے ظاہر ہونے لگی تو اپنا جھوٹا باقیماندہ دودھ عمرؓ کو دے دیا وہ عمرؓ نے پی لیا" جب آپ سے تعبیرِ خواب دریافت کی تو فرمایا:۔

"عِلْمِ الٰھِیْ" یعنی دودھ کی تعبیر آنحضرت نے "علمِ الٰہی" ارشاد فرمائی۔ زہے نصیب کہ سیدنا عمرؓ کے کہ وہ علم جس سے آنحضرتؐ کی سیری ہو جانے کے بعد باقی رہ گیا تھا وہ حضرت عمرؓ کے حصہ میں آیا۔ اور اگر آنحضرت کے عالمِ خواب کو بھی عالمِ بیداری تسلیم کیا جائے تو مقامِ عمرؓ کہاں سے کہاں پہونچتا ہے۔

"بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا"

یہاں آنحضرتؐ نے خواب کی صورت پر دودھ کو رکھا گو آپ تعبیر سے واقف بھی تھے اور یہ معلوم ہے کہ رسولِ اکرمؐ کی وہ صورت جس کو جس نے مشاہدہ کیا ہے وہ مدینہ منورہ میں دفن ہے اور آپ کی صورتِ روح اور جانِ مبارکہ کو کسی نے نہیں دیکھا ہے اور نہ کسی نے اپنی صورتِ روحی کو دیکھا ہے اور تمام ارواح اسی درجہ میں ہیں۔ پھر آنحضرتؐ کی روحِ مبارک خواب میں دیکھنے والے کے لئے اُس جسدِ اطہر کی صورت میں آجاتی ہے جس جسد پر

آنحضرتؐ نے وفات پائی اور ممکن نہیں کہ شیطان آپ کی صورتِ مقدسہ اختیار کر کے خواب میں نمودار ہو کیونکہ خواب دیکھنے والے کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عصمت اور شانِ نبویؐ کی عظمت محفوظ ہے۔ اسی لئے جو کوئی آنحضرت کو خواب میں دیکھے گا تو وہ سب چیزوں کو خواہ اوامر ہوں یا نواھی ہوں یا کوئی خبر ہو آپ سے اس طرح لیتا ہے جیسے کہ عالمِ حیات میں کل احکام کو باقتضائے بیداری لے گا۔

چنانچہ مذکورہ بالا مضمون سے ترشح ہوتا ہے کہ عالمِ خواب۔ عالمِ خیال اور عالمِ بیداری بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں جیسا کہ رسول اللہ کے پاس جب وحی آتی تھی تو آپ سے محسوساتِ بشری سلب ہو جاتے اور حاضرین سے جو آپ کے پاس ہوتے تھے اُس وقت دُور از بصارت ہو جاتے مگر جب یہ حالت فرو ہوتی تو جملہ حالاتِ بشری بعینہٖ واپس آجاتے اور آپ ان باتوں کو عالمِ خیال میں ادراک فرماتے تھے گو کہ آنحضرتؐ کو اُس وقت عالمِ خواب میں مصروف نہیں کہہ سکتے بلکہ عالمِ نزول کا عالمِ عروج پر مائل ہونا کہا جا سکتا ہے۔ یعنی آپ نے انوار و تجلیاتِ ربانی سے فرصت پا کر نقائص امکانی کے کُل لوازماتِ بشریت کی طرف پھر عود فرمایا تا کہ آنحضرت اپنے ظاہر سے عالمِ ظاہر کے خواص پر محیط ہوں اور اپنے باطن سے عالمِ باطن کے خصائص پر حاوی ہوں اور اسی سبب سے آپ مَجْمَعُ الْبَحْرَین ہوئے پس نبوت کا باطن ولایت ہوا اور ولایت کی دو قسم ہیں۔

ولایتِ عامّہ۔ ولایتِ خاصّہ

ولایت عامہ :۔ ایمان۔ اسلام اور اعمالِ صالحہ جن کے جس حد تک مقبول بارگاہِ ایزدی ہوں گے۔ ان کو اللہ تعالیٰ انہی مراتبِ عروج کے ساتھ نوازتا ہے۔

ولایت خاصہ :۔ محدود اُن برگزیدہ ہستیوں کے لئے ہے جنہوں نے مجاہدات۔ ریاضات وغیرہ نصابِ تصوف کی رُو سے نہ صرف حدِ تکمیل تک انجام دیئے بلکہ مشاہداتِ حقی سے اس طرح بہرہ ور ہوئے کہ واصلین حق کہلانے کے مستحق ہو گئے اور فنا فی الحق ہو کر ذات باری تعالیٰ کے ساتھ باقی بھی ہوئے اور ولایت خاصہ پر فائز ہو گئے یعنی مقام فنا فی اللہ تک پہونچنا ولایت خاصہ کا علی الخصوص مقام عروج ہوتا ہے مگر اس ولایت کے دیگر مقاماتِ ارفع و اعلیٰ مثلاً بقاء اللہ۔ ظہور من اللہ وغیرہ بھی ہیں جن کا ذکر مختصراً آگے آئے گا۔

چنانچہ ولایت خاصہ کے بنیادی اور اساسی مراتب تو یہ ہوئے کہ اللہ اپنے بندہ پر اپنے اسماء و صفات بطور علم و یقین و حال کے ظاہر کر کے اُن کے ذریعہ تاثیرات و تصرفات کی قوت عطا فرما دے اور اسماء و صفات

کا اُس بندہ کو متولی بنادے۔ یہ مرتبہ حقائق الٰہیہ کے ثابت ہوئے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور اس کے حصول کے لئے تکمیل ایمان۔ تقلیدِ اسلام۔ تعمیل ارکانِ عشرۂ تصوف۔ اتباعِ رسولِ اکرمؐ اور توفیق الٰہی مقدم و مؤخر ہے۔

ولایتِ خاصہ کی شناخت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ان برگزیدہ ہستیوں کی رعایت و اعانت ہمہ وقت مقصود و منظور ہوتی ہے جس کی مثال ذیل میں درج ہے:۔

حضرت سیدنا عمر فاروقؓ اعظم کے دورِ خلافت میں دریائے نیل نے اپنی روانی ترک کر دی جس سے مخلوق میں ایک ہیجان پیدا ہوا اگر حسب رواجِ قدیم جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھا کہ ایک عورت کو سجا بنا کر دریا کی بھینٹ چڑھانے کے لئے ڈالا جاتا تھا جس کے بعد بربنائے ضعیف الاعتقادی اس قسم کی بلا ٹل جاتی تھی۔ مگر عاملِ مصر کی اطلاع پر امیرالمومنین سیدنا عمرؓ نے ایک کاغذ پر تحریر کیا کہ

"اے دریا اگر تو خود بخود رکھڑا ہو گیا ہے تو ہرگز اپنی رفتار و روانی میں نہ آ لیکن اگر حکمِ خدا سے تو نے ایسا کیا ہے تو فوراً اپنی رفتار کو اختیار کر کے روانی پیدا کر"

حسبِ ہدایت جیسے ہی یہ والا نامہ پانی میں ڈالا گیا تو دریائے نیل نے فی الفور اپنی روانی اختیار کی اور جو رفتار عموماً ہوتی ہے وہ پیدا ہو گئی۔ چنانچہ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی امارت و وجاہت بظاہر دنیوی امورات سے وابستہ تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی صفات کا مظہر بنا لیا تھا کیونکہ اس کے نزدیک ولایت ایک خاص مقام ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ دوسرے ان مقامات کو جانیں۔ البتہ چند خصوصیاتِ باطنی ان میں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ کسی بندہ سے ظاہر ہوں اور اللہ تعالیٰ اُس بندہ کو ان کمالات کا مالک بنا دے تو دیکھنے والے اس میں وہ حیرت انگیز حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں جو دوسروں میں نہیں پائے جاتے ہیں اور وہ ہی لوگ واصلین حق اور اولیاء اللہ میں شمار کئے جاتے ہیں کیونکہ حکمتِ الٰہیہ اُن کی حال و قال سے ظاہر ہونے لگتی ہے۔ پس ولیِ کامل وہ ہوتا ہے جو اپنے حال میں ہو اور خدا کے مشاہدہ میں باقی ہو۔

ولایتِ خاصہ کی بھی دو شاخیں ہیں یعنی **وَلَایت** و **وِلایت**

وَلَایَت (بفتح واؤ) بمعنی یاری کرنا۔ مدد دینا۔ اس سے مراد ہے کہ جس کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے تو خداوند عالم سے اُس کو وہ تصرفات عطا ہوتے ہیں جن سے جویانِ حق و معرفت کو اپنے اثر سے تقربِ الٰہی حاصل کراتا ہے۔

——— اور ———

ولایت (بکسر واؤ) بمعنی یار ہونا۔ نزدیکی بندہ کی خدا سے۔ یہ وہ مقام ہے جس میں وہ تصرفات عطا ہوتے ہیں جو مخلوق میں مقبول عام ہوں اور خلق اللہ کو فیض واستفادہ بلاواسطہ یا بالواسطہ پہونچتے ہیں۔ کمالات ولایت کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ نزول کی تو ایک حد ہے جو جسم پر آکر رک جاتی ہے مگر عروج کی کوئی حد نہیں جیسا کہ قانونِ الٰہی ہے کہ نبی اور رسول جب تک مرتبۂ ولایت حاصل نہیں کرتا بعثتِ نبوت و رسالت ممکن نہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت و مودت سے ایک جذبۂ عشق نبی یا رسول کے دل میں پیدا کر کے قوتِ بصارت عطا فرماتا ہے جس سے ان کو اپنے باطن کی طرف مائل کرتا ہے اور مقامِ معرفت تک پہونچاتا ہے۔ اور جب معرفتِ الٰہیہ حاصل ہو گئی تو ولایت پر فائز فرماتا ہے جس کے بعد ہی عطائے نبوت و رسالت ممکن ہوتی ہے اور اس طرح دائرۂ نزول بعد از عروج ہے جو نبوت پر ختم ہوتا ہے جس سے انانیت اکتساب فیض کرتی ہے اور یہ ہی مقصودِ نبوت و رسالت عوام میں تسلیم کیا جاتا ہے مگر ولایت بہ اتباعِ ولایتِ نبی پوشیدہ رہتی ہے جس کا مقام غیر متناہی ہے۔ اسی لئے لکھتے ہیں کہ سیر الی اللہ کو تو انتہا ہے مگر سیر فی اللہ کی کوئی انتہا نہیں۔ جب مقصود غیر محدود ہو تو اس میں سیر وسلوک کا نہ ختم ہونا ہے اور نہ اس کے کمالاتِ جلالی و جمالی کے مشاہدات کی حد ہے۔ اس وجہ سے کہ سالک جذباتِ غیبیہ کی مدد سے اس نور کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہے جو اس کو مجاہدات کے ذریعہ حاصل ہو کر رہنمائی کرتا ہے۔ مندرجہ بالا کمالات کے حصول میں صاحب مراۃ الاسرار لطائف سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ یہ مقام چار قسم کی ولایت پر محمول ہے۔

۱۔ ولایتِ محمدی بہ خلافت کے خاتمِ کبیر حضرت علیؓ ہیں جو جامع تصرفاتِ صوری و معنوی ہوئے۔

۲۔ ولایتِ محمدی کے جامع تصرفات ظاہری و باطنی ہوتے ہوئے خاتمِ صغیر حضرت امام مہدی آخر الزمان ہیں جن کا ظہور قربِ قیامت میں ہو گا اور شجرۂ نبوتِ محمدیہ سے منطبق ہوں گے اور آپ کے بعد ظہورِ ولایت ختم ہو جائے گا۔

۳۔ ولایتِ محمدی کے جامع تصرفاتِ باطنی جو خاتمِ اصغر کہلاتے ہیں حضرت محی الدین ابن عربی صاحبِ فتوحاتِ مکی ہیں

اور

۴۔ ولایتِ محمدی بعنوانِ ولایت عامہ جس کے بعد اصلاً ونسلاً کوئی ولی نہیں ہو گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم اکبر ہیں جو قیامت سے قبل شریعت محمدیہ کی اتباع فرمائیں گے۔

(نوٹ:۔ ولایت عامہ کی صراحت و وضاحت ماقبل کی جا چکی ہے۔)

جملہ اہلِ طریقت و شیوخِ باطنی کا نتیجہ تحقیقات یہ ہے کہ مندرجہ ذیل اقسام پر اولیاء اللہ کو معنون کیا جا سکتا ہے :۔

غوث
قطب الاقطاب یا قطب عالم
ابدال
اوتاد
نجباء
نقباء
امامان

جو اولیاء مستورین کہلاتے ہیں اور قوتِ باطنی حاصل کر کے تصرفات معنوی کے مظاہر بن جاتے ہیں۔ یعنی ہوا میں اڑتے ہیں پانی پر چلتے ہیں۔ زمین کے فاصلوں کو لمحوں میں طے کر لیتے ہیں۔ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ آگ میں چلتے ہیں مگر آگ ان پر اثر نہیں کرتی ہے۔ پتھروں کو سونا چاندی بنا دیتے ہیں۔ حالاتِ غیبیہ سے اور اسرار الٰہی سے اکثر آگاہ و واقف رہتے ہیں۔ انہی لوگوں کے ذمہ امور انتظامی مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ مگر ضرورتِ اظہار ان حضرات کے لئے غیر ضروری ہے۔ اسی وجہ سے مردانِ غیب بھی کہے جاتے ہیں۔ یہ لوگ نہ شناخت میں آتے ہیں اور نہ ان کے اوصاف بیان کئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ عالم احساس میں یہ جس انسان کی صورت چاہتے ہیں وقت اور ضرورت کے لحاظ سے اختیار کر لیتے ہیں۔ انہی لوگوں میں یہ قدرت بھی کارفرما ہوتی ہے کہ عوام میں بشریت کی تمام صفتوں سے متصف ہو کر تمام دنیوی مشاغل سے وابستہ رہتے ہیں اور تمام مسائل دنیوی کے بھی پابند رہتے ہوئے مخلوق خدا کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔ مگر حق تعالےٰ ان کے کمالاتِ باطنی کو عوام سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ ہر زمانہ اور ہر خطہ کائنات میں مختلف مراتب کے اقطاب تعینات ہوتے ہیں جن کا سردار قطبِ عالم ہوتا ہے۔ جو براہ راست حق تعالیٰ سے فیض حاصل کر کے اپنے ماتحت اقطاب میں خلق اللہ کے لئے تصرفات جاری کرتا ہے۔ قطبِ عالم کی وہ عظیم الشان ہستی ہے جو نور مصطفویؐ کی برکت سے بصیرت و بصارت حاصل کر کے کائنات کے ہر گوشہ میں بند اور کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور اپنے زمانہ کے جملہ اقطاب کی رہنمائی ایک طویل عمر تک کرتا رہتا ہے۔ غوث اور قطب الاقطاب دراصل ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں اسی طرح ابدال مامور ہوتے ہیں عاجزوں کی خبر یا دادرسی کے لئے اور نجباء۔ نقباء۔ اوتاد اور امامان بھی مختلف فرائض منصبی کے انجام دہی پر مامور ہوتے ہیں۔ جن کے تصرفات علیٰ قدرِ مراتب جاری ہیں اور انہی لوگوں حضرت الیاسؑ و خضرؑ بھی

شامل ہیں۔

دوسرا گروہ اولیاء اللہ کا قطب الارشاد ۔ عارفین ۔ عاشقین ۔ موحدین ۔ محققین ۔ اویسیہ ۔ قلندریہ ۔ ملامتیہ ۔ طالبین ۔ مریدین ۔ سالکین ۔ ساشرین ۔ طاہرین ۔ واصلین پر مشتمل ہے جو جو اولیاء ظاہرین کہلاتے ہیں۔

قطب الارشاد :-

قطب الارشاد ۔ قطبِ عالم یا قطب الاقطاب کا مفہوم و مقام ایک ہی ہے جو اپنے دور میں مظہرِ تجلیٔ رحمٰن ہوتا ہے اور مخلوقات پر اُس کا تصرف ہوتا ہے۔

عارفین ۔ موحدین :-

عارفین ۔ موحدین کی وہ جماعت ہے جس کو صفاتِ حق تعالیٰ کے پہچاننے کا مقام بذریعہ کشف و حال حاصل ہو۔ ان لوگوں کی عبادت و ریاضت کا سیدھا راستہ خدا کی ذات کی طرف ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ ابتدائی منازل میں تقرب الٰہی کو حاصل کر لیتے ہیں۔

محقّقین :-

محققین کی وہ جماعت ہے جو توکل علی اللہ کا مقام حاصل کرنے کے بعد بھی بے چین و بے قرار رہتی ہے

سالکین :-

سالکین کی جماعت وہ ہے جو مجاہدات و ریاضات میں قدم بہ قدم ۔ لحظہ بہ لحظہ شوقِ ترقی میں اپنے مطلوبؔ مقصود کی جانب بڑھتی ہے اور کسی مقام پر ٹھہرنا یا پیچھے ہٹنا اپنے لئے مضر خیال کرتی ہے ۔ سالک کے دل پر فراوانیٔ شہودِ حق پیہم جاری رہے تاکہ مشاہدات کے ذریعہ بقائے کامل حاصل ہو اور محکوم بہ حقیقت ہو جائے اور اپنے مقامات کو از روئے حال طے کرنے میں کامیاب ہو۔

طاہرین :-

طاہرین وہ ہیں جنھوں نے مجاہدات و ریاضات و عمل سے جملہ موجوداتِ دنیوی سے طہارت و پاکیزگی

پیدا کر کے ماسویٰ اللہ سے اپنے روحانی و قلبی قوتوں کو آراستہ کیا۔

سائرین:۔

سائرین وہ کہلاتے ہیں جو کسی ایک حال پر قرار نہیں کرتے بلکہ موجودات میں تخلیق اول سے آخر تنزلات یعنی یعنی مقام انسانیت تک اور مقامِ انسانیت سے الوہیت تک تحقیق و تشریح میں مصروف رہتے ہیں اور مطلوب حقیقی کی تلاش مقصودِ اوّل ہوتی ہے۔

عاشقین۔ طالبین۔ مریدین۔ واصلین کی جماعتیں گو لفظی و معنوی حیثیت سے مختلف النوع ضرور ہیں مگر مقاماتِ سلوک و تصوّف اپنے حدود میں تنزلات سے عروج تک رسائی اُن کے کمالاتِ ولایت پر منحصر ہوتے ہیں جیسے ان حضرات کا عالمِ ارواح بمقابلہ عالمِ محسوسات کے ذوقِ مشاہدات میں زیادہ رفیع الدرجات ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح سے کہ عالمِ بشریت میں کسی کو اپنی طرف مخاطب کرنے کے لئے آواز دی جاتی ہے مگر توجہ دلانے کا آلۂ صوت جس قدر قوی ہوگا اتنا ہی اثر انداز دوسرے کے عالمِ بشریت پر ہوگا۔ یہاں عالمِ ارواح میں کسی کو اپنی جانب متوجہ کرنے کا طریقہ قوتِ تصوّر پر منحصر ہوتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ روح بھی متوجہ ہو جاتی ہے جس کا تصور مقصود ہے۔ ارواح کی خصوصیتِ بنیادی یہ ہے کہ جس چیز کی جانب متوجہ ہوتی ہے اُس میں حلول کرتی ہیں مگر اس طرح کہ اپنے مرکزِ اصلی سے جدا بھی نہیں ہوتیں۔ یہی جماعت مشقِ تصورات میں اپنے اپنے مقاماتِ عروج و تنزّلات میں وہ کمالاتِ ولایت حاصل کرتی ہے کہ مجاہدات سے بے نیاز ہو کر اجزائے مشاہدات بن جاتی ہے۔

ملامتیہ:۔

ملامتیہ اہل اللہ کی وہ جماعت ہے جو خلوص پر مائل اور عامل مگر ریاکاری سے مطلقاً منحرف ہوتی ہے اور اپنے کمالاتِ ولایت کو اپنی ظاہری خستہ حالی اور دنیاوی رکھ رکھاؤ سے غیر مانوس حالت میں چھپائے رکھتی ہے۔

قلندریہ:۔ یہ وہ جماعت اولیاءؒ کی جو اپنے حالات۔ مقامات و کرامات میں کوئی حدود و تعین نہ پائے

اویسیہ:۔ یہ وہ جماعتِ اولیاء اللہ ہے جو فنا فی الرسول یا مقام جبروت تک رسائی حاصل کرتے ہیں

کسی درمیانی قوت و وسیلہ کی محتاج نہ ہو اور مقام تَخَلَّقُوْ بِاَخْلَاقِ اللّٰہ حاصل کرنے میں ہمہ وقت از ابتدا تا انتہا مصروفِ کار دیکھا گیا ہے مگر مغلوب الحال ہونے کی وجہ سے دوسروں کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوسکتی گو کہ صلاحیتِ کاملہ اور استعدادِ فیضِ باطنی اس درجہ ہوتی ہے کہ دوسرے بھی معتقد و مقلد ہو کر مقامِ عروج حاصل کرسکیں مگر تصرفاتِ فی الخلق کے ذریعہ عوام کے قلوب اور عادات و حرکات کی اصلاح ضرور ہوتی رہتی ہے جس کا اظہار عوام پر فوری نہیں ہوتا ہے اس جماعت کو جلدی، صوری اور مادی تعلقات سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ ابتدائی منازل سے انتہائی مقاماتِ عروج تک رسائی کے قوتِ روحانی سے تعلق و رابطہ ہوتا ہے جس کو بالفاظ دگر وَھْبِی کہا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا اولیاء ظاہرین علی قدرِ مراتب اپنے اپنے مشاغل کو اس طرح قائم رکھتے ہیں کہ ذکر و فکر۔ زہد و قناعت۔ فقر و فاقہ وغیرہ (نصابِ تصوف) میں خود بھی مصروف رہتے ہیں اور دوسروں کو اپنے حال وقال۔ مجاہدات و مشاہدات میں مصروف رکھتے ہیں اور انہی کے کشف و کرامات گروہ مستورین سے زیادہ بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا طریق عمل و اندازِ مجاہدات محض رضائے الٰہی کی طلب ہوتی ہے۔ یہی گروہِ اولیاء اپنی زندگی کے تمام معاملات اور عوامل کو روزِ ازل ہی سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے معین و منسوب سمجھتے ہوئے تسلیم و رضا کو اپنا مقصود قرار دیتے ہیں مگر اولیاء مستورین اللہ تعالیٰ کے محتاج اور شریعت کے احکام کی تعمیل اور توکل علی اللہ میں اپنا مقام پاتے ہیں جن کو کشفِ کونی یعنی کشفِ صوری نصیب ہوتا ہے مگر اولیاء ظاہرین کو اپنے بلند تر مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے کشفِ حقائق یا کشفِ معنوی حاصل ہوتا ہے۔ انہی لوگوں کو کشف و کرامات جبروتی بھی حاصل ہے۔ مگر عالمِ جبروت خود ایک درمیانی منزل ہے جس کی انتہا منزلِ تسلیم و رضا ہے جہاں کشف و کرامات سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں پایا جاتا کیونکہ ان کا مقام تو غیر متناہی ہے جہاں خود کو غریقِ احدیت کرکے خود سے بے خبر ہو جاتے ہیں تو تصرفات کا ادراک کیونکر ممکن ہوسکتا ہے؟ یعنی جہاں بندہ اختیار ہی سے گزر کر خود کو فنا فی الذات کردے تو وہاں تصرفات کو کسی طرح قابلِ درک ہی خیال نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہی سب سے اونچی منزل کے لوگ ہوتے ہیں جن کی ہمتیں حوصلے۔ ذوق و اشتیاق بتوفیق ایزدی کونین سے تجاوز کرکے اپنا مقصود و مطلوب۔ جو اس قدر ارفع و اعلیٰ ہے کہ جس کے آگے ہر شے پست ہے حاصل کرلیتے ہیں۔ یہی لوگ حُبِّ حقیقی کے متوالے ہیں جن کی نگاہوں میں بجز ہستئ مطلق کے کوئی چیز نہیں سماتی۔ وہ کائنات کا ہر ذرہ بھی حق تعالیٰ ہی کی ذات و صفات کا کرشمہ سمجھتے ہیں اور انہی کو ہر جگہ خدا ہی کے جمال و جلال کی رنگینیاں نظر آتی ہیں۔ اور ہر شے ان کے لئے کمالاتِ لامتناہی کا آئینہ ہے۔

الغرض اولیاء اللہ کے مقاماتِ ولایت ۔ علم و زہد اور معارف کے وہ بحرِ ذخّار ہوتے ہیں جو ناپیدا کنار بھی ہیں اور انکا افہام و تفہیم ۔ الفاظ و معانی کے احاطہ میں لانا بھی اسی قدر دشوار ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کیونکہ یہ لوگ متخلّق باخلاق الٰہی ہو کر اپنے علم و فضل میں مظاہرین من اللہ قرار دیئے جاچکے ہیں ۔ دیگر کتب سماوی سے ہی نہیں بلکہ قرآنِ الٰہی سے بھی واضح ہے کہ لوگوں نے صفاتِ الٰہیہ کو انبیاء کے ارشادات کے مطابق تصدیقِ قلبی و عملی تو کی مگر کوئی ولی یا صوفی جو ایسی ہی تصدیق کی چلتی پھرتی تصویر ہوتا ہے ۔ مخلوق کے سامنے پیش کرے تو لوگ نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ تکذیب و تحقیر کے پہلو بھی تلاش کرتے ہیں ۔ حالانکہ دریا ایک ہی ہے اور نہریں مختلف ۔ مگر پانی اسی دریا کا سب میں جاری ہے ۔ تردید یا تنقید کسی مسئلہ کی اگر کوئی شخص فہم و تدبّر کے تحت کرتا ہے تو اگر بتوفیقِ الٰہی اس کو صلاحیت نصیب ہو تو امیدِ اصلاح کی کرن ضرور پیدا ہو جاتی ہے مگر جو محض ضد و جہل پر قائم رہتے ہوئے کسی مسئلہ سے انحراف کرے تو

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۔

پر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے ۔ اور ایسے ہی لوگوں کے لئے بزرگوں کا قول ہے کہ کسی عقل مند کو اولیاء اللہ کے ساتھ بدگمانی نہ کرنی چاہیئے بلکہ عقل مند پر واجب ہے کہ اُن کے احوال و اعمال کی تحقیق و مطالعہ کرے اور جب تک اُن کے درجہ میں کوئی نہ پہونچے اُن کے کسی قول و فعل پر حرف گیری نہ کرے اور اگر اس کو اللہ توفیق دے تو صرف عاجز ہو کر رہ جائے یہ ہی اس کی صلاحیت ہوگی ورنہ اس کا انکار یا اعتراض اس قدر وزن کا ہوگا کہ جیسے اپنی پھونکوں سے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹانے کی کوشش ہو ۔ جو نہ صرف ناممکن ہی نہیں ہے بلکہ محال بھی ہے مگر انجام اس کا معاذ اللہ بقول حضرت امام ابن سعد بافقی"

"جو کوئی اولیاء اللہ سے عداوت رکھتا ہے تو گویا وہ اللہ سے عداوت رکھتا ہے "

ورنہ بقول شیخ سعدیؒ

جورِ دشمن چہ کند گر نہ کشد طالبِ دوست
گنج و مار و گل و خار و غم و شادی بہم اند

حالانکہ نظام قدرت ہی کچھ اس طرح سے دائم و قائم ہے کہ شیخ اکبر فتوحات کے ۷۳ باب میں فرماتے ہیں کہ :۔

" ہر زمانہ اولیاء اللہ سے خالی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ ایک مرد یا ایک عورت صاحبِ کمال و مقام

ہوتے ہیں اور اُن سے تصرفات جاری ہوتے ہیں۔ بندگانِ خُدا کو فائدہ پہونچتا ہے۔ اور اس کو ہر شے پر قدرت حاصل رہتی ہے۔ اور وہ سب کا سردار ہوتا ہے۔ ہمیشہ وہ حق کے ساتھ رہتا ہے اور اسی کے حکم سے ہر کام کرتا ہے اور بغداد میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو بھی یہی مقام حاصل تھا۔ اور تصرفات کی اُن کو اجازت تھی اسی واسطے بے شمار کرامات اُن سے ظاہر ہوئی ہیں۔"

آپ ہی نے فتوحات میں اپنی سرگزشت کے موقعہ پر تحریر فرمایا ہے کہ پچانوے ۹۵ سالہ معمر حضرت فاطمہ بنتِ ولیہ کی خدمت میں شرفِ باریابی اور تقربِ خاص حاصل تھا ایک دن فرمانے لگیں کہ

"میں اُن لوگوں پر نہایت تعجب کرتی ہوں جو حق تعالیٰ کی محبت کے دعویدار ہیں اور اُس کے دیکھنے سے خوش نہیں ہوتے حالانکہ حق تعالیٰ ہمیشہ اُن کو دیکھتا ہے وہ بھی اُس کو صدہا طریقوں اور صدہا صفتوں میں دیکھتے ہیں اور وہ لوگوں سے ایک لمحہ کے لئے بھی جُدا نہیں ہوتا ہے"

اللہ اکبر یہ ہے کمالِ مشاہدہ کہ مسئلہ فراق و وصال کس قدر آسان کر کے سمجھا دیا۔ چنانچہ جب اس مقام پر ولی پہونچے تو کیونکر تصدیقِ ولایت یا اعترافِ مقام نہ ہو۔ کاش کہ بصیرت و بصارت نصیب ہو۔ انہی حضرت فاطمہ بنتِ ولیہؒ کی نسبت شیخ اکبرؒ نے بڑے پیارے انداز میں اعترافِ ولایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آپ سورۃ فاتحہ سے لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرتی تھیں اور اقرار کرتی تھیں کہ

"میرے دوست نے فاتحہ کو میری خدمت کے لئے مامور فرمایا ہے"

"اس فاتحہ نے کبھی میرے دوست کے مشاہدہ سے مجھے محروم نہیں کیا۔"

شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ اُن کی موجودگی میں موصوفہ کی خدمت میں ایک بڑھیا عورت آکر فریاد کرنے لگی کہ اس کا شوہر گھربار چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں چلا گیا ہے۔ سخت پریشان ہے۔ اور چاہتی ہے کہ جلد از جلد اس کا شوہر واپس آجائے۔ چنانچہ اس فریاد کو سُن کر موصوفہ فرمانے لگیں کہ۔

"ٹھہر جاؤ ابھی سورۂ فاتحہ کو بھیجتی ہوں اور تاکید کرتی ہوں کہ جس کسی شہر میں ہو تیرے شوہر کو پکڑ کر لائے۔"

پھر آپ سورۃ فاتحہ پڑھنے لگیں اور جناب شیخ اکبرؒ بھی ساتھ ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھنے لگے۔ آپ خود اس واقعہ کے راوی بھی ہیں اور شاہد بھی۔ فرماتے ہیں کہ مجھ کو محسوس ہوا کہ سورۃ فاتحہ ایک عالم مثالی یا جدِ انسانی میں متشکل ظاہر ہوئی۔ جب آپ پڑھ چکیں تو فرمانے لگیں۔

"اے فاتحہ الکتاب جا اور اس عورت کے شوہر کو میں دیکھ رہی ہوں فلاں شہر میں سے پکڑ لا"

بس اس قدر وقت تو گزرا جتنا کہ اس شہر سے آپ کی خدمت میں آنے کا سفر کے لئے ہوتا تھا کہ اس کا شوہر وہاں موجود تھا۔ اور لوگوں کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا مگر خود ان محترمہ ولیہ کو اپنی کرامت مافوق العادت ذرہ برابر محسوس تک نہیں ہوئی۔

اسی طرح آنحضرتؐ نے جہاد کے لئے ایک صحابی علاء بن الحضرمیؓ کو مامور کیا۔ جو اپنی فوج کو ساتھ لے کر مقام مقصود کے لئے روانہ ہوئے۔ مگر راستہ میں ایک دریا اپنی طوفانی موجوں میں پایا جس کو عبور کرنا ضروری تھا آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر پانی پر قدم جما دیا اور چلنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی آپ کی فوج نے بھی تقلیداً پانی پر قدم رکھ دیا کہ تمام غازیانِ اسلام دریا پار کر کے دوسرے کنارے پر پہونچ گئے۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ سب کے پیر خشک تھے اور پانی پر سے گزرنا تک محسوس نہ ہوا۔ یہ سب کچھ اُس قوتِ باطنی کا تصرف تھا جس کو ان لوگوں نے مجاہدات و مشاہدات کے ذریعہ حاصل کر کے کرامت مافوق العادت کا مظاہرہ کیا تھا جس کی وجہ سے پانی نے اپنی فطرت چھوڑ دی اور ان حضرات نے قوتِ بشریت کا ادراک نہ ہونے دیا۔

ایک دفعہ سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ مسائل قضا و قدر مجلس میں بیان فرما رہے تھے اور حاضرین ہمہ تن گوش تھے کہ یکایک ایک خطرناک اور مہیب شکل کا سانپ آیا اور آپ کی گردن سے لپٹ گیا۔ اہل مجلس بہت خوفزدہ ہوئے اور چاہتے تھے کہ سانپ کو گردن سے جدا کر دیا جائے مگر نہ کسی کی ہمت ہوئی اور نہ اس مجلس میں کوئی انتشار پیدا ہوا۔ بلکہ غوث الاعظم اسی انہماک و استغراق سے موضوعِ قضا و قدر پر بیان کرتے رہے اور ایسا معلوم ہوا کہ آپ کو اس سانپ کا کوئی علم ہی نہیں ہے مگر بعد ختم جلسہ لوگ جانے لگے اور سانپ بھی رخصت ہوا۔ لیکن آپ کے کان میں سانپ کہتے گیا کہ آپ مجھ سے کیوں نہیں

ڈرے اور مجھ سے بچنے کی کوشش کیوں نہیں کی تو آپ نے فرمایا کہ

"مجھ کو یقین کامل تھا کہ سب کچھ قضاو قدر کے تحت ہے اور میں تقدیر کا بیان کر رہا تھا تو مجھ کو تقدیر پر بھروسہ مکمل تھا کہ جو کچھ لکھا ہے وہ ہوگا ورنہ سانپ کی مجال بغیر حکم کے ممکن نہیں ہے کہ کوئی نقصان پہونچائے لہٰذا میں اس کے خلاف کر کے خود کو عالمِ بے عمل کہلواتا۔ اور سامعین کو بدظن کراتا"

تو سانپ نے کہا کہ تقدیر پر اس قدر راسخ العقیدہ صرف آپ ہی کو دیکھا ہے ورنہ سینکڑوں کو اس راہ سے بھٹکتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے۔

غوث الاعظمؒ کے یہ دو پہلو اس واقعہ میں کرامت مافوق العادت کی حد تک پہونچتے ہیں۔

ان چند واقعات مذکورہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک خدا اپنے اولیاء کے ذریعہ سے ان عجائبات کو ظاہر نہ فرماتا تو اولیاء کرام کے خوارقِ عادات کا ظہور ممکن نہ ہوتا۔ چنانچہ اس موضوع پر شیخ اکبرؒ کے ارشادات کے مطابق اتمامِ حجت کے لئے کرامتِ مافوق العادت بھی ولی کے ذریعہ ظہور میں آنا ضروری ہے گو ولی کو چاہیئے کہ اس کو پوشیدہ رکھے۔

اولیاء اللہ سے دو قسم کی کرامات منسوب ہوتی ہیں یعنی کرامتِ حسّی اور کرامتِ معنوی۔ جن کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:۔

کرامتِ حسّی:۔

ولی اپنی قوتِ باطنی اور کمالات الٰہیّہ کی رو سے دوسروں کے دلوں کے حال بتا سکتا ہے۔ دوسروں کے سابقہ اور آئندہ واردات سے باخبر ہو کر اظہار کر سکتا ہے۔ یکایک دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو کر واپس اپنی حالت میں آسکتا ہے۔

کرامتِ معنوی:۔

ولی اتباعِ شریعت و اخلاق دینی پر دوسروں کو مائل کر کے عادی بنا دیتا ہے۔ اوامر و نواہی کی پابندی کرا سکتا ہے۔ مجاہدات و ریاضات کی طرف دوسروں کو مائل کر سکتا ہے۔ مخربِ اخلاق کو خیر الاخلاق بنا سکتا ہے۔ گو فوری اظہار عوام پر ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن لوگوں کے افعال و حرکات و اخلاق کی اصلاح بتدریج ہوتی رہتی ہے۔

لیکن ہر دو کرامات کے لئے پابندیاں اور قیود بھی عائد کی گئی ہیں تاکہ آدابِ شریعت سے متجاوز نہ ہوں۔ مثلاً :۔

۱ـــــ کرامت خدا کی طرف سے ایک فضیلت ہے جو اس کے مقرب بندوں کو عطا ہوتی ہے۔

۲ـــــ اگر یہی فعل نبی سے ظہور میں آئے تو معجزہ ہے اور اگر ولی سے ہو تو کرامت ہوگا۔

۳ـــــ کرامت خوارقِ عادات سے یا فضائلِ اخلاق وغیرہ سے منسوب ہے۔

۴ـــــ کرامت کا ظہور کسی بندۂ خدا سے اُس وقت ہوتا ہے جب خدا کو اُس بندہ کی تائیدِ کمال مقصود ہو یعنی کمالِ ولایت کی تصدیقی سند کی حیثیت ہوگی۔

۵ـــــ کرامت اکثر اختیاری بھی ہوتی ہے مگر صاحبِ کرامت کو اُس کا علم تک نہیں ہوتا ہے۔ ظہورِ کرامت منجانب اللہ تعالیٰ ہو جاتا ہے جو محض کارہائے منصبی کے لئے ایک وسیلہ بن جاتی ہے اور لوگ فضیلت ولی پر متحیر ہو کر اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

۶ـــــ اکثر اولیاء اللہ اپنے مجاہدات کے ذریعہ حیرت آفریں کمالات و کرامات کا اظہار کرنے کی قوت حاصل کر لیتے ہیں مگر اس اظہار سے ان کی فضیلت کو آثار ضرر پیدا ہونے کے امکانات ہو جاتے ہیں اور پوشیدہ رکھتے ہیں عروج و کمالات کی ترقی کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے ایک مقصدِ اصلی خواہ علمِ ظاہری سے ہو یا علم باطنی سے حاصل کرنا آسان تر ہو جاتا ہے

دنیا ایک معمورۂ رنگ و بُو ہے جس میں رہ کر اولیاء اللہ کو عروج و نزول بندگانِ خدا کا مطالعہ کرنا ہے اور لیل و نہار کے انقلابات سے وابستہ بھی رہنا ہے مگر جن کارہائے منصبی کو انجام دینا ہے بفضلِ الٰہی برابر جد و جہد میں مصروف رہنا بھی انہی حضرات کا نصب العینِ حیات و موت ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے :۔

"فقیر اندر آگ ہے اور باہر خاک ہے"

اگر انسان اولیاء اللہ سے ہی کماحقہٗ واقف و متعارف ہو جائے تو دوسری کسی عبرت و نصیحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے جس سے استفادہ کیا جا سکے۔ اسی ذیل میں ایک عظیم الشان اور تاریخی واقعہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے جس سے اولیاء اللہ کے عروج و کمالات وغیرہ ہی نہیں ظاہر ہوں گے بلکہ مختلف مسائل دینی۔ احکام شرعی اخلاق حقّی بمعہ عبرت سبق آموزی اور اصلاح باطنی خود بخود سامنے آجائیں گے۔ اور مزید غور و فکر کی نوبت نہیں آئے گی۔ ملاحظہ ہو :۔

سنہ ہجری کی دوسری صدی قریب الختم تھی۔ دورِ ختمِ نبوت و رسالت۔ زمانہ صحابہ کبار۔ عصر تابعین وغیرہ

کو گزرے ہوئے زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی کہ لوگوں میں ارکانِ دین کی پابندی کا معیار عروج پر تھا۔ عبّاد۔ زہّاد اپنے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے نفس کُشی۔ اصلاحِ باطن اور تزکیۂ نفس میں ہمہ تن مصروف رہنے لگے تھے۔ گویہ طریقۂ عبادت مطابق نصابِ تصوف بالکل علیحدہ اور انوکھا اپنی نوعیت کا بڑی مستحکم بنیادوں پر قائم ہوچکا تھا جو اپنے مجاہدات کے ذریعہ کامیاب کرکے طالبانِ حق کو صاحبانِ کمالات و تصرفات بناتا تھا۔ یہ ہی وہ دور تھا کہ اسلام نے ان صاحبانِ کمالات کے تصرفات کی بدولت دشمنانِ دین پر فاتحانہ سبقت حاصل کی ورنہ اسی دور میں راہبانِ یہود و نصاریٰ نے دنیا کے گوشہ گوشہ میں ایک محاذ خلافِ اسلام قائم اس انداز سے کیا تھا کہ تبلیغ دینِ محمدیہ اور اشاعت پذیرائی میں رکاوٹیں پیدا ہوتی تھیں۔ اور مبلغینِ اسلام و علمارِ دین و صالحین کے خلاف تو ہمہ وقت مصروفِ پیکار بھی رہتے تھے۔ مگر جب

"اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام" ہی خدا کا وعدہ و اعلان ہو تو۔

"دُشمن چہ کُند چو مہرباں باشد دوست"

چنانچہ اس دور میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔ ابو عبد اللہ عمروؒ بن عثمان مکی۔ خیر النّاجؒ ابوالحسن، ابوحمزہؒ بغدادی۔ ابو سعیدؒ احمد بن فراز بغدادی۔ ذوالنونؒ مصری۔ سرّیؒ سقطی۔ بشرؒ حافی۔ ابو عمر صبّاغؒ قرشی بغدادی۔ ابوالحسن علی بن سہیلؒ اصفہانی۔ ابو یعقوب یوسف بن حسین رازی۔ ابوبکر شبلیؒ۔ اور جنیدؒ بغدادی وغیرہ جیسے صدہا بلند پایہ صالحین۔ مجتہدین کرام اپنے اپنے عالم شباب پر تھے اور ہزارہا بزرگ زیرِ تربیت بھی تھے۔ اور ہر شہر میں درس و تدریس کے مراکز قائم ہوچکے تھے۔ مگر مدینۃ الاسلام کی حیثیت صرف بغداد کی تھی جو اس وقت علوم ظاہری و باطنی کے لئے مرجع خاص بنا ہوا تھا۔ جہاں سے اکتسابِ روحانی کے سینکڑوں چشمے اطرافِ عالم میں اُبل چکے تھے جن کی دائمی سیرابی سے آج تک مختلف العقائد بھی بہرہ ور ہوتے رہے ہیں۔ اسی زمانہ میں ایک نہایت جیّد عالم بزرگ حضرت ابو عبد اللہؒ اندلسی بھی تھے جن کو اطراف و جوانب کے عوام و خواص۔ پیر و مُرشد۔ ولیٔ کامل۔ صوفی برحق۔ اُستاذ محدثین وغیرہ وغیرہ مانتے تھے۔ ان کی طرزِ تعلیم۔ طریقۂ درس و تدریس کا شہرہ دور دور تک ہوچکا تھا۔ اور مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز کرگئی تھی۔ آپ کے علوئے علم کا یہ عالم تھا کہ سات قرأت کے ماہر تھے اور تیس ہزار حدیثیں حفظ تھیں۔ تفسیر و فقہ میں اپنا جواب آپ ہی تھے۔ علاوہ ازیں ارکانِ تصوف پر مائل و عامل ہی نہیں تھے بلکہ اپنی زندگی کو عین تصوف میں ڈھال کر مجاہدات میں وہ کمال پیدا کیا تھا کہ اسرارِ غیوب کے انکشافات و مشاہدات میں ایک مقام ارفع و اعلیٰ حاصل کرلیا تھا۔ آپ کو سلسلۂ تبلیغ دین بغداد سے باہر

جانا پڑا تو آپ کے ساتھ آپ کے شاگردوں مریدوں اور مصاحبوں کی ایک جماعت بھی ساتھ ہوگئی اور اس جماعت میں حضرات جنیدؒ بغدادی اور شبلیؒ بھی تھے۔ جن کا بیان ہے کہ ان کا یہ قافلہ جوں جوں اطراف و جوانبِ بغداد سے باہر ہوتا جاتا تھا اس جماعت کے علم وفضل کی شہرت بھی دیگر مذاہب میں بے چینی اور مسلمانوں میں اطمینان وتقویت کا باعث بنتی گئی۔ جہاں جہاں خیر مقدم واستقبال کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو دوسری طرف تضحیک ومخالفت کی سازشیں اور خفیہ کوششیں بھی مصروفِ پیکار تھیں۔ چنانچہ منزل بہ منزل یہ قافلہ صالحین متقین اور بزرگانِ دین کا ابوعبداللہ اندلسی کی سرکردگی میں گزرتا رہا۔ بالآخر یہ قافلہ ایک عیسائی آبادی سے گزرا جہاں خیال آیا کہ کنواں ہو تو پانی سے وضو کرکے نماز بھی پڑھ لی جائے۔ چنانچہ کنواں کی تلاش میں اس بستی کے اندر باہر چاروں طرف یہ لوگ گئے۔ مگر کہیں تو مندروں کو بتوں سے بھرا پایا۔ کہیں گرجا۔ آتشکدہ اوہام پرستوں اور صلیب پرستوں سے بھرے دکھائی دیئے۔ اور مواحد یا مسلمانوں کے نام ونشان بھی نظر نہ آئے۔ یہ لوگ سخت حیران ہوئے اور ایک دوسرے سے چہ میگوئیاں کرنے لگے بلکہ ابوعبداللہ اندلسی کے دل میں تو یہاں تک بدگمانی اور حقارت آمیز جذبہ وہاں کے لوگوں کے خلاف پیدا ہوئے کہ آیۂ مقدسہ کی تلاوت کرتے ہوئے

لِمَنِ الْمُلْکُ الیوم ۔ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّار

سوچنے لگے کہ اے مولا تیرا ملک ہے اور تیری بادشاہت ہے مگر یہ لوگ تجھی سے اس قدر غافل اور باغی ہیں۔

یہاں قابلِ غور ایک نکتہ ہے جس پر ہم سب لوگوں کو دیکھنا ہے اور سوچنا ہے اور اوامر ونواہی کے مطابق عمل پیرا بھی ہونا ہے۔

اوّل حادثہ :- بالفاظ دیگر یہ کہا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا کہ ابوعبداللہ اندلسی نے خود کو عالم متبحر گردانتے ہوئے وہاں کے لوگوں کو نابلدِ حقیقت ومعرفت خیال کیا اور اپنے سے کمتر اور حقیر بھی تصور کیا۔ امرِ واقعہ ہے کہ یہ لغزش اتفاقیہ ہوئی جو باقتضائے بشری ہوسکتی ہے۔ گو ان بزرگ سے یہ بھی متوقع نہیں ہوسکتی مگر گرفت بھی لازماً ہونی تھی جس کا خلاصہ آگے آئے گا یہ بھی ایک آزمائش یا امتحان تھا اس وجہ سے کہ

"خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر"

دوسرا حادثہ:- یہ جماعت گھومتے پھرتے ایک کنواں پر پہونچ گئی جہاں کچھ لڑکیاں حسب رواج پانی بھر رہی تھیں ایک لڑکی متقابلتاً حسین و جمیل اور خوش سلیقہ تھی جس پر ابو عبداللہ کی نگاہ پڑی اور اس کے خداداد حسن و جمال سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ دوسری لڑکیوں سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگے کہ یہ لڑکی کس کی ہے ؟ (جواب) یہ لڑکی اس گاؤں کے زمیندار کی بیٹی ہے ــ مگر یہ سوال جواب تو محض قال تک محدود نہ رہے۔ بلکہ حال تک بھی رسائی ہو گئی کہ ابو عبداللہ اندلسی کی حالتِ قلبی و ذہنی کچھ اس طرح متاثر و مسخر ہو گئی کہ دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ رہی اور خود ایک سوال کرنے لگے کہ کیا اس گاؤں کا زمیندار ہوتے ہوئے بھی پانی بھروانے کے لئے اپنی جوان العمر لڑکی کو مامور کرتا ہے۔ کیا اس چھوٹے سے کام کے لئے کوئی نوکر نہیں رکھ سکتا ؟

جواب باثواب کے قربان جائیے کہ اُن لڑکیوں میں سے ایک نے وہ جواب دیا کہ:

تیسرا حادثہ:- "یہ لڑکی ابھی تک اپنے مستقبل کی مالک نہیں بن سکی ہے اور اپنے والدین کے زیر سایہ پرورش اور تربیت پا رہی ہے چنانچہ بحالتِ موجودہ اس کے لئے سب سے بڑی عزت و عظمت یہی ہے کہ اپنے والدین کی خدمت و فرمانبرداری اپنی انتہائی محبت اور عزت کے ساتھ انجام دے اور کوئی کوتاہی نہ کرے اور جب محبت اور عزت سے خدمت کرنے کی عادی ہو جائے گی تو اپنے والدین کے مال و دولت پر نہ اس کو غرور ہوگا اور نہ کوئی سہارا اختیار کرے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جب اپنے خاوند کے گھر جائے گی تو اسی طرح اطاعت و فرمانبرداری میں نہ اس سے کوئی کوتاہی ہوگی اور نہ اس کے لئے کوئی اجنبی خدمت ہوگی اور یہ دستور تو عین مطابق فطرتِ انسانی ہے۔"

بس یہ جواب تھا کہ ابو عبداللہ اندلسی نے اپنے علم کی روشنی میں غور کرنا شروع کیا جس کا نتیجہ ہوا کہ ایک تیر بہدف کام کر گیا جس نے دل و دماغ کو پوری طرح سے زخمی کر کے مرغ بسمل یا ماہی بے آب کر دیا اور بزرگ موصوف نے اپنا سر بگریباں کر لیا۔ چنانچہ اسی عالم میں تین دن گزار دیئے۔ نہ کھانا ۔ نہ پینا ۔ نہ آرام ۔ نہ عبادت اور نہ کسی سے مخاطب۔ سب لوگ حیران و پریشان ہو گئے اور ہر ممکن کوشش کر ڈالی مگر ذرہ برابر کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ چنانچہ بدرجۂ مجبوری شبلی رح نے مودبانہ اس بزرگ کی خدمت میں عرض

کیا کہ تمام جماعت سخت پریشان ہے اور سب لوگ آپ کا یہ حال دیکھ کر عجب کشمکش میں مبتلا ہیں کہ آخر کیا حال ہے۔ کچھ تو فرمائیے۔ چنانچہ جواب میں جو انکشافِ راز ہوا وہ حسب ذیل ہے:۔

"پرسوں سے جب اُس زمیندار کی لڑکی کو دیکھا ہے دل و دماغ بلکہ جسم و جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوں اور خود اپنی مشکل کو حل کرنے کی کوشش میں لگا ہوں مگر اب تک کوئی سبیل نظر نہیں آئی۔ بجز اس کے کہ تم لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ کر چلے جاؤ کیونکہ میں اب تم لوگوں کے قابل نہیں رہا جو آئندہ وابستہ رہ سکوں۔"

بس یہ جواب سننا تھا کہ سب لوگ چیخیں مار کر رونے لگے اور اس طرح سے بین کرنے لگے کہ:۔

"اُستاد! آپ عالمِ دین ہیں۔ آپ فقیہ عالم ہیں۔ آپ ہی کے فضل و کمال اور بزرگی کی دنیا قائل ہو چکی ہے۔ آپ کے حلقہ بگوش اور دامن پکڑنے والے کہاں جائیں اور کس سے کیا کہیں؟ اغیار کے طعنے ہم لوگ کیونکر سنیں؟ ہم پر رحم فرمائیے اور غور کیجئے آپ کس پایہ کے بزرگ ہیں اور آپ نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے؟ خدا کے واسطے باز آئیے اور اپنے فیصلہ پر مکرّر غور کیجئے۔"

مگر آپ کی گفتگو کا محور صرف مذکورہ بالا واقعہ ہی رہا اور جواباً پھر صاف صاف فرما دیا کہ:۔

"یہ میرا مقدر تھا جو ازل سے طے ہو چکا تھا۔ مجھ سے ولایت چھین لی گئی علم و فضل وغیرہ کے جملہ کمالاتِ باطنی بطور سزا ضبط کر لئے گئے۔ اب میں صرف ابو عبداللہ اندلسی ہوں۔ جو محض ایک خالی برتن کی حیثیت میں ہے۔"

یہ کہہ کر شیخ نے زار و قطار رونا شروع کیا اور ساری جماعت نے بھی آپ کا ساتھ دیا مگر تغیر یا فرق کسی قسم کا آپ کی حالت میں نہ پیدا ہوا بلکہ سب لوگ چار و ناچار وطنِ بغداد کے لئے رخصت ہو گئے اور شیخ کو اُسی حالت میں بدرجۂ مجبوری وہیں چھوڑا۔ لیکن یہ سانحۂ دلخراش اس درجہ مایوس کن تھا کہ جوں ہی یہ لوگ بغداد میں داخل ہوئے تو اہلِ بغداد ڈھاڑیں مار مار کر روتے پیٹتے دیوانہ وار اِدھر سے اُدھر مارے مارے پھرنے لگے اور پورا شہر ایک ماتم کدہ بن گیا۔ شیخ کے تمام شاگردوں، مریدوں اور معتقدوں نے نمازیں پڑھ پڑھ کر رو رو کے رکھ رکھ کر۔ راتوں کو گڑگڑا کر توبہ و استغفار کرتے ہوئے اوراد و درود و وظائف پڑھ کر درگاہِ رب العزت میں دعائیں مانگیں کہ کسی طرح شیخ کی وہی اصلی پہلی حالت واپس آ جائے۔ اور اسی عالمِ مفارقت میں کامل ایک سال گزر گیا مگر صبر و تحمل مزید نہ ہو سکا کہ ایک مختصر سی جماعت شبلیؒ کی سرکردگی میں پھر اُسی

گاؤں کی جانب روانہ ہوگئی تاکہ شیخ کی تلاش کرکے حالات معلوم کرے۔ اتفاقاً یہ لوگ پھر اُسی کنواں پر پہونچے اور دریافت حال کرنے پر معلوم کیا کہ شیخ تو اُسی زمیندار کے خنزیروں کو چرانے پر مامور ہے اور فلاں جنگل میں مل جائے گا۔ عیاذاً باللہ۔ عیاذاً باللہ۔

سب لوگ ایک سکتہ کے عالم میں رہ گئے اور بمشکل دریافت پر معلوم ہوا کہ

"تمھارے شیخ نے اُسی لڑکی کے باپ سے درخواست کی تھی کہ اس کا رشتہ اس کے ساتھ کر دیا جائے تو زمیندار نے شرط لگا دی کہ اُس کے خنزیر چراؤ جس کو شیخ نے منظور کرلیا اور تعمیل حکم کرنے لگے جو تاہنوز جاری ہے"

اب یہاں ناظرین غور فرمائیں کہ یہ شرط بھی اُسی ہمہ گیر منظم سازش کی ایک کڑی تھی کہ جو یہودیوں اور عیسائیوں کو اسلام اور مبلغین اسلام کے خلاف اُس زمانہ میں کارفرما تھی لہٰذا اس انداز سے تحقیر دین بھی مقصود تھی مگر بہ تو شیخ کے لئے سزائے سخت مقدر ہو چکی تھی جس کا کوئی علاج بجز، واحد القہار کے کسی کے پاس ممکن ہی نہ تھا۔ مگر اللہ اکبر وہ واحد القہار ایسا واحد القہار ہے جس کو خود ابوعبداللہ اندلسی بھی سمجھے ہوئے تھے کہ اس کی قہاری صرف اپنے دشمنوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اپنے دوستوں کی بھی گرفت اسی طرح اور اُسی قوت سے کرسکتا ہے۔ خدا اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

اب یہ جماعتِ مختصر اُسی مقام پر جنگل میں پہونچی تو شیخ کو جس حال میں دیکھا لرز گئے۔ حیران ہوگئے کہ کمر میں زنار بندھی تھی۔ سر پر کلاہِ نصاریٰ اور جس عصاءِ مقدس کے سہارے پر صدہا خطبات تلاوت کئے تھے۔ خنزیروں کو ہانکنے کا آلہ بنائے سامنے خنزیروں کے کھڑے تھے۔ الامان۔ الحفیظ کہتے ہوئے استغفار پڑھتے ہوئے روتے پیٹتے یہ لوگ شیخ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور ان سب حضرات نے بہ یک آواز السلام علیکم کہا۔ حیف صد حیف کہ شیخ برجستہ جواب دینے کے قابل بھی نہ رہے تھے اور بڑی مشکل سے کوشش کرکے نہایت دھیمی آواز میں وَعلیکم السلام کہا شاید یہ بھی بھول گئے تھے شبلیؒ نے اس موقعہ پر بڑی جارت کرکے شیخ کے فضل و کمال۔ تصرف فی الخلق وغیرہ کی یاد دلائی اور سابقہ حالات بھی بیان کرتے ہوئے دریافت کیا کہ — "یا شیخ اب آپ کا کیا حال ہے؟"

اب غور طلب مقامِ عبرت ہے کہ مندرجہ ذیل جواب ایک انقلاب آفرین خطبہ ہے یا سرگزشتِ بزرگ ہے؟

جواب:- یہ کائنات کا ذرہ ذرہ اُس خالقِ حقیقی کا ہی محتاج ہے اور اُسی کو کُلیتہً اختیار

حاصل ہے کہ ذرہ کو آفتاب بنادے۔ اُسی نے مجھ پر فضل کیا تو تقرب خاص حاصل ہوا۔ عوام وخواص میں بھی مقبول ہوگیا۔ مگر چشمِ زدن میں میری ایک لغزش سے عتاب نازل ہوا اور ابن واحد القہار کا قہر اس شکلِ موجودہ میں مجھ پر نازل ہوا اور اپنی قربت سے محروم کرکے مجھ کو اس قدر دور پھینک دیا کہ اپنی سابقہ حالت اور فضیلت کا عشر عشیر حصہ بھی مجھ میں باقی نہ رہا مگر اُس کا حکم یونہی منظر عام پر بھی آنا تھا جو اس شکل میں مجھ پر نافذ ہوا۔ مگر میں اپنی چند لغزشوں کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اوّل :— مجھ کو مخلوقِ خدا میں احساسِ کمتری اور خود میں احساسِ برتری کا خیال کرکے فخر وغرور نہ کرنا تھا

دوئم :— مجھ کو اپنا معاشرہ اور دائرۂ اخلاق نظر انداز کرکے دوسروں پر معترض ہونے کا حق نہ تھا۔

سوئم :— دعویٔ تبلیغ دین سے انحراف کرتے ہوئے مادّی حُسن پر مائل ہونا اور باطنی حُسن و جمال سے روگردانی کسی طرح میرے لئے مناسب نہ تھی۔

چہارم :— خداوندی قہر سے یکسر خود کو مستثنیٰ قرار دینا ایک فحش لغزش تھی۔

اسلئے اے میرے بھائیو!

آج جو اپنی حالت ہے اس کی روشنی میں آپ لوگوں سے التماس ہے کہ علم وفضل پر غرور نہ کرنا۔ اللہ کے قہر سے ہر وقت ڈرتے رہنا اور دوسروں کو حقیر وذلیل خیال نہ کرنا۔"

ان چند مذکورہ بالا ارشادات کے بعد آپ بے خود ہوکر رونے لگے اور آسمان کی جانب نگاہ کرتے ہوئے فریاد کرنے لگے کہ :۔

"باری تعالیٰ تو رحیم وکریم ہے۔ غفّار وستّار ہے۔ اب اپنی سزا بھگت چکا۔ مولا میرے بس اب رحم فرما۔"

اس عالم میں شبلیؒ کے ساتھیوں نے بھی اس درجہ گریہ وزاری کی کہ خنزیر بھی شریک غم ہوگئے۔ گو جانور تھے مگر اس دردناک عالم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور چیخ چیخ کر سارے جنگل کو سر پر اٹھا لیا تو شبلیؒ نے ایک مزید کوشش کی اور سوال کیا کہ

سوال :— "اے شیخ قرآن کو سات قرأت سے پڑھنے والے عالم ہوتے ہوئے اب بھی کیا کوئی آیت قرآن کی آپ کو یاد ہے"؟

جواب :- "ہاں صرف دو آتیں یاد ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) وَمَن يُّهِنَ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ

"جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

(۲) وَمَن يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ۔

جس نے ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا۔

سوال :- پھر شبلیؒ نے کہا کہ آپ کو تیس ہزار احادیث حفظ تھیں کیا اب بھی کوئی حدیث یاد ہے ؟ تو فرمانے لگے کہ :-

جواب :- ہاں صرف دو حدیثیں یاد ہیں۔

(۱) مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ

"جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اُس کو قتل کر دو"

(۲) اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ

"نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔"

چنانچہ شیخ کو اسی حالِ گریہ وزاری میں سر بسجدہ چھوڑ کر بڑی مایوسی میں یہ لوگ واپس بغداد کو چل دیئے کہ اگر اب اصلاح ممکن ہے تو صرف اس واحد القہار کے قہر سے نجات پر ہے۔ کیونکہ جہاں گرفت سخت ممکن تھی تو رہائی کیونکر ممکن نہ ہوتی۔

اللہ اللہ اس مجیب الدعوٰۃ نے سب کی آہ وزاری۔ استغفار اور توبہ قبول فرمالی جس کا ظہور اس انوکھے انداز میں ہوا کہ جس نہر کو پار کرنا اس جماعت کے لئے ضروری تھا اور کئی منزلیں یہ لوگ طے کر چکے تھے کہ عبداللہ اندلسی نہر کے پار دوسرے کنارے پر ان لوگوں کی آمد سے قبل غسل کرتے ہوئے پائے گئے۔

بس یہ لوگ حیران ہوگئے فرطِ مسرت سے باآواز بلند رو رو کر شکر گزار ہونے لگے کہ مولا تونے یہ کرم کیا ہے تو شیخ کو اس کے اصلی کھوئے ہوئے مقام پر فائز فرمادے ۔ یہ جماعت جیسے ہی قریب پہونچی تو شیخ کو باآوازِ بلند کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے دیکھا ۔ اور شیخ نے فوراً پاکیزہ کپڑے طلب کئے جو مہیا کئے گئے ۔ بعدہٗ شیخ فوراً نماز میں مصروف ہوگئے ۔ یہ لوگ منتظر رہے کہ شیخ نماز سے فارغ ہوں تو حال پوچھیں کہ ہم لوگوں سے قبل یہاں کس طرح تشریف لائے ۔؟ تو آپ نے اپنی ساری سرگزشت اس طرح بیان فرمائی

" اے لوگوں جب تم مجھ سے مایوس ہو کر چلے آئے تو میری بیقراری اور گریہ وزاری شدت اختیار کر گئی اور میرے مولا نے مجھ پر کرم کرکے میری لغزشوں اور تقصیروں کو معاف کردیا ۔ اب میری لغزشیں اور تقصیریں سنو کہ جب ہم لوگ پہلے پہل گاؤں میں پہونچے تو میرے دل میں اپنی فضیلتِ علم وکمال کی خودسری پیدا ہوئی اور آتش پرستوں ، صلیب پرستوں کی مشرکانہ وملحدانہ طرزِ زندگی پر نفرت ہوئی جس پر فی الفور ایک ندائے غیب نے مجھے متنبہ کیا کہ تمھاری فضیلت اور تمھاری بزرگی محض ہمارے کرم سے ہے نہ کہ تمھارے خود کی پیدا کردہ ہیں اور اسی وقت میرے آغوش سے ایک پرند اڑتا ہوا معلوم ہوا ۔ میرے ادراک نے مجھ کو آگاہ کیا کہ یہ تیرا ایمان تھا جو تجھ سے رخصت ہوگیا اور اور اس کا انجام بالآخر وہ ہوا جو تم لوگوں نے خود بھی دیکھ لیا ۔ "

چنانچہ اس قافلہ کو بغداد میں داخل ہوتے دیکھ کر چاروں طرف سے خلقت ٹوٹ پڑی ۔ بادشاہِ وقت خود شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ۔ اب چاروں طرف خوشیاں منائی جانے لگیں ۔ خانقاہیں درس گاہیں از سرِ نو کھل گئیں اور پھر وہی دور درس وتدریس واپس آگیا ۔ اب شیخ عبداللہ اندلسی کے کمالاتِ علم کی گھر باری بدرجہ اتم پہونچ گئی ۔ اور مریدین ۔ طلبا اور جویانِ حق کی تعداد میں روز افزوں ترقی ہوتی رہی کہ ایک دن بعد نمازِ فجر کسی سیاہ کپڑوں میں ملبوس نے حجرہ کے دروازہ پر دستک دی تو دریافت پر معلوم ہوا کہ وہی لڑکی جس پر شیخ فریفتہ ہوئے تھے منتظر دید ہے ۔ مگر شیخ اس کی آمد پر سخت پریشان ہوگئے اور اس لڑکی نے اندر داخل ہو کر سوائے گریہ وزاری کے کچھ کلام نہ کیا تو اخلاقاً دریافت کیا کہ گھر بار چھوڑ کر آنے کا مقصد کیا ہے اور کیونکر یہاں آنا ہوا ؟

اس نے اپنی داستان اس طرح عرض کی کہ :-

" اے شیخ جب سے آپ گاؤں سے تشریف لائے تو بہ سبب مفارقت سوائے

رونے کے اور کچھ کام نہ رہا کہ گزشتہ شب روتے روتے عالم غشی میں ایک شخص نے دعوت اسلام دی اور کہا تیرے شیخ کا مذہب اسلام ہے لہٰذا اس کی اطاعت تجھ پر واجب ہے۔ اس امید پر کہ اگر میں مسلمان ہو گئی تو آپ مجھے ضرور نوازیں گے اور میں اس شخص کے ساتھ چلدی میری آنکھیں بند تھیں اور وہ شخص میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس شخص نے کہا اپنی آنکھیں کھول دو اور مجھ کو آپ کے حجرہ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ تیرا شیخ یہاں ہے اُس سے جاکر پیغام دینا کہ آپ کے بھائی خضر علیہ السلام نے آپ کو سلام کہا ہے"

اس بیان کو سُن کر حاضرین محفل کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ شیخ نے اُس لڑکی کو مشرف بہ اسلام کیا اور ایک پڑوس کے حجرہ میں قیام کی اجازت دیدی۔ مگر اُس لڑکی کے زہد و عبادت کا یہ عالم ہوا کہ مجاہدات میں دوسروں سے بھی سبقت لے گئی تا آنکہ صاحب فرش ہو کر اسی آستانۂ مقدس پر اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت شبلیؒ کا بیان ہے کہ شیخ کے وصال کے بعد شیخ کو خواب میں دیکھا کہ شیخ کا نکاح اُسی لڑکی کے ساتھ جنت میں ہوا اور دونوں بڑے مسرور نظر آئے۔

پس معلوم ہوا کہ اللہ کے مقرب بندے تقرب خاص حاصل کرنے کے بعد بھی آزمائش و امتحان میں مبتلا ہو جاتے ہیں تاکہ جو لغزشیں اور نافرمانیاں ان سے سرزد ہوں تو اللہ کے قضا و قدر کے مسائل و مقامات کا مطالعہ کرنے میں جد و جہد کر سکیں اور قہاری و جباری۔ ستاری و غفاری کے اختیارات کا مشاہدہ بھی کرلیں۔ ساتھ ہی دوسروں کے لئے عبرت و نصیحت کے حالات پیدا کر سکیں۔ تاکہ ضرر رسانیوں۔ لغزشوں اور نافرمانیوں سے بندگانِ خدا کو تائب اور محفوظ کر سکیں اور تقصیرات کا اعادہ نہ ہو سکے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔

"اہلِ تقویٰ کو جب کوئی شیطانی وسوسہ چھو جاتا ہے تو وہ عبرت حاصل کرتے ہیں"

اس آیۂ مقدسہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ کی یاد سے دلوں کی جلا ہو جاتی ہے۔ تاریکی غفلت خرابی وغیرہ جو کسی لغزش یا نافرمانی سے پیدا ہو جائے دور ہو جاتی ہے اور بے چینیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے اور دین و دنیا کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی ضمن میں فرمان رسول اکرمؐ ہے

الندمُ توبہ

یعنی پشیمانی توبہ ہے جس کا خلاصہ اور صحتِ ندامت کا اظہار دل میں اضطرار۔ بے چینی۔ بے بسی اور شدید بے قراری کے ذریعہ گریہ وزاری سے ہوتا ہے جو بارگاہِ صمدیت میں مقبول ہو جاتا ہے۔

مجاز والوں سے پوچھو حقیقتِ توبہ
کہ عرش والے سمجھتے ہیں عظمتِ توبہ
شفیقؔ فضلِ خدا شرط ہے دو عالم میں
گنہگار کو ملتی ہے لذتِ توبہ

حضرات سیدنا علیؓ و صدیق اکبرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا جس بندہ مومن سے اگر کوئی لغزش یا خطا سرزد ہو جائے مگر احساس پر توبہ واستغفار بھی کرلے اور باقاعدہ عبادت الٰہی میں مصروف ہو کر بارگاہِ ایزدی میں عفو خطا چاہے تو اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اپنے بندہ کی غلطی معاف کرکے اپنے کرم سے اس کو نواز دیتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ یَعْمَلْ سُوْءً اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ
یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

یعنی " جس شخص نے کوئی گناہ کیا ہو یا اپنے نفس پر ظلم کیا ہو۔ اللہ سے معافی مانگے تو اللہ غفور و رحیم پائے گا۔

سعدیؔ
کرم بین و لطفِ خداوندگار
گنہ بندہ کردست و او شرمسار

مذکورہ بالا تحقیقات۔ تشریحات۔ ملفوظات اور ارشادات سے کماحقہٗ اجمالاً یا نصریحاً ہر موضوع پر انکشاف حسب استعداد ذاتی و باستمداد مرشدی و مولائی شاہ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کر دیا گیا ہے مگر ایک بابِ حالاتِ اہل اللہ اس ضمن میں باقی ہے جس کو ناظرین کرام بغور ملاحظہ فرمائیں تو امید ہے کہ حسب استطاعت بتوفیق ایزدی ضرور سمجھنے کی کوشش فرمائیں گے کیونکہ یہی باب جملہ ابواب کا ماحصل ہے جو انشاء اللہ بارآور بھی ہوگا۔

اصطلاحات

حالاتِ اہلُ اللہ

کسی لفظ یا نام کا عالمِ وجود میں آنے سے قبل اس کا نفس واصل ضرور عالمِ وجود میں ہوتا ہے یعنی لفظ کا اطلاق بعد میں ہوتا ہے معنی پہلے سے موجود ہوتا ہے تو لفظ مؤخر ہوا اور معنی مقدم جس میں بمقابلہ لفظ کے گنجائش و وسعت زیادہ ہوتی ہے ۔چنانچہ کہنا پڑتا ہے کہ الفاظ بشکل اجسام ہیں اور معانی بانداز ارواح یعنی جسم محدود اور روح لا محدود۔ اب یہ اصطلاحی مقام میں لاکر عالمِ ارواح کو عالمِ معانی اور عالمِ اجسام کو عالمِ الفاظ میں مربوط کرنا آسان ہوگیا چنانچہ انہی قیود و حدود میں آ کر اہل اللہ کے مقاماتِ حال کا مطالعہ کرنا ہے۔ اور جن کی اصطلاحات سے واقفیت بھی حاصل کرنا اشد ضروری ہے مگر اُن کی معنوی حیثیت پر غور کرکے سمجھنا بھی اسی قدر ضروری ہے جس قدر الفاظ و معانی میں قُرب و بُعد پایا جاتا ہے ۔کیونکہ اہل اللہ کا تعلق اُن امور سے ہے جو محسوسات سے بہت ارفع و اعلیٰ اور ما ورائے عقل و ادراک ہیں۔ اسی وجہ سے اس علم میں اصطلاحات بھی ضروری ہیں کیونکہ یہ ہی وہ مقامات حال ہیں جن کو انسان حاصل کرنے کے لئے محسوس سے غیر محسوس اور معلوم سے نامعلوم کی جانب جدوجہد کرتا ہے تو از بس ضروری ہوگیا کہ اظہار کے لئے الفاظ بانداز اصطلاحات ہی استعمال کئے جائیں ان مقاماتِ حال کا خلاصہ فرداً فرداً ملاحظہ ہو:۔

(۱) مجاہدہ

(۲) محاضرہ

(۳) مراقبہ

۴ مکاشفہ
۵ محادثہ
۶ محاسبہ
۷ معائنہ
۸ مسامرہ
۹ مشاہدہ

مجاہدہ

طالبانِ راہِ حق، مشتاقانِ جمالِ احدیت اور سالکینِ راہِ حقیقت نے جس جس پیارے انداز میں احاطۂ بیان اور دائرۂ تحریر میں مقاماتِ حال میں پہونچ کر اُن کا انکشاف کیا ہے وہ محض اُس ابر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو رُخِ آفتاب پر آگیا ہو جس سے صرف اس قدر حوصلۂ شوقِ نگاہ ہوسکتا ہے کہ جو آفتاب کی حقیقت تک تو نہ پہونچے مگر اس حقیقتِ آفتاب کا تقرب ضرور حاصل ہوجائے کیونکہ حال کا اظہار بالفاظ ممکن ہی نہیں ہے جبکہ حال خود بلباسِ معانی جلوہ گر ہو جیسا کہ آغازِ باب میں تذکرہ کیا گیا ہے تو پھر مقاماتِ حال جو خود کشف وشہود کے اجزائے ثانوی ہوئے ہیں کیونکر منطقی بحث ومباحثہ کے ذریعہ دائرۂ تحریر میں لائے جاسکتے ہیں؟ حُسنِ بے نقاب، حضرت یوسف علیہ السلام کا تو زنانِ مصر نے دیکھا تھا اور جنھوں نے بجائے لیمو تراشنے کے اپنی اپنی اُنگلیاں کاٹ ڈالیں اب اس ذائقۂ حُسن کو تو قلب ونظر ہی خوب جانتے اور پہچانتے ہیں بھلا زبان ودماغ کی کیا مجال جو اس کیفیتِ مشاہدہ کو الفاظی لباس میں پیش کرسکیں۔ کیونکہ حقیقت کی راہ میں یہی الفاظ وعبارات تو حجابات ہیں جو مقاماتِ حال کی جانب رہنمائی کرسکتے ہیں۔ مگر یہ ہی سدِّ راہِ مفہوم بھی نظر آتے ہیں۔

مجاہدہ کے لغوی معنی ہیں مقابلۂ نفس۔ یا نفس کو برائیوں سے پاک کرکے بھلائیوں کی جانب مائل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا۔ اب اہل اللہ کی اصطلاحی تعیّنات وتفصیلاتِ مجاہدہ پر غور کرنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا

"جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے راستے خود بتا دیتے ہیں"
یعنی جنھوں نے محنت کی ہماری رضامندی کے حاصل کرنے کے واسطے تو ہم اُن کو اپنی راہیں بتا دیں گے
ابن ابی حاتم نے ابو احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ جو لوگ اپنے علم پر عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو اُن باتوں
کی ہدایت کرتا ہے جو اُن کو معلوم نہ ہوں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ "اپنی راہیں" سے مراد ہے اللہ کا قرب و رضا
تو معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ کی ذات و صفات کو سمجھنے کے لئے ارکان عشرۂ تصوف کا تکمیلہ کرنے کے لئے
بالایمان جد و جہد کرتے ہیں اللہ اُن کو انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔
آنحضرتؐ نے جہاد بالسیف کو جہادِ اصغر اور جہاد بالنفس کو جہاد اکبر فرمایا ہے۔ کیونکہ اس
مجاہدہ میں محنت۔ ریاضت اور تکلیف نسبتاً زیادہ ہوتی ہے جس میں اوامر و نواہی کی پابندیاں شرطِ
اوّل ہیں جس کے نتیجہ میں تزکیۂ رُوح اور جلائے قلب ہوتا ہے متحققین کرام اور اولیائے عظام کا متفقہ
فیصلہ ہے کہ سالکانِ راہِ طریقت کے لئے مقامِ تقرب بارگاہِ الٰہی حاصل کرنے میں مجاہدہ ہی صراطِ مستقیم
کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ مشاہدۂ حق ایک مقامِ عروج ہے جس کو حاصل کرنا مقصودِ اوّل و آخر ہے مگر مجاہدہ اس
کے لئے منزلِ اوّل ہے۔ الغرض مجاہدہ ایک مقامِ حال ہوا جس کا آغاز تکمیلۂ ایمان۔ اوسط جس کا
تکمیلۂ ظاہر و باطن مطابق عینِ شریعت۔ طریقت۔ حقیقت اور معرفت اور انجام جس کا تکمیلہ نصابِ تصوف
(ارکان عشرہ) ہوتا ہے۔ جس کے بعد ہی نزول سے عروج کی جانب مقامات کمالات حاصل ہوتے ہیں پس
معلوم ہوا کہ منزلِ اوّل ہی مجموعہ ہے کیفیاتِ وحالِ مختلفہ کا جو دورانِ سیر الی اللہ بندہ پر از خود یا منجانب
اللہ تعالیٰ پیدا کئے جاتے ہیں جس کا منشاءِ آخر منصۂ شہود پر آجانا ہے۔ جہاں مجاہدہ کا آغاز ہے۔
بس اُسی نقطۂ اوّل سے مختلف کیفیات وحال کا بھی آغاز ہونے لگتا ہے مثلاً موہوم کا محو ہو جانا اور معلوم
کا تصوّر قائم کرنا دلیلِ مراقبہ ہے۔

مراقبہ

یہ وہ منزل ہے جس کے لغوی معنی امید رکھنا۔ نگاہ رکھنا۔ حفاظت کرنا ہے۔ مگر اصطلاحِ تصوف
میں معنی بدلتے رہتے ہیں جیسے جیسے حال میں تغیّر و تبدّل ہوگا ویسے ویسے معنی بھی تبدیل ہوتے جاتے ہیں۔
مثلاً ماورائے کائنات ہو کر خالقِ کائنات کی جانب نظر کرنا۔ تصور کرنا اور اپنے علم کو بغرض فیضانِ علمِ قدی

حق تعالیٰ کی جانب رجوع کرنا ۔ دراصل مقام و حال مجاہدہ کا یہ ایک تخلیقی پہلو ہے یا رُخ ہے جس کو اصطلاحی طور پر مراقبہ کہا جا سکتا ہے ۔ البتہ اس قدر ضرور ہے کہ منزلِ مقصود تو مجاہدہ میں تعیُّن ہو چکی ہوتی ہے صرف محبوب و مطلوب کی جانب باطنی بےچینی و بےقراری کی کیفیات میں روز افزوں ترقی حاصل کرنا ہی مراقبہ ہے ۔ جب اس منزلِ حال سے گزر کر ترقی یافتہ مقام حاصل کرنے کی مزید کوشش کی جاتی ہے تو اس مقامِ حال کو محاضرہ کہتے ہیں ۔

محاضرہ

جس کے لغوی معنی موجود ۔ معلوم ہیں ۔ مگر یہ ہی وہ حال مخصوص ہے جس کے حصول کے لئے جد و جہد بذریعہ مجاہدہ اور مراقبہ جاری تھی ۔ چنانچہ اس عالم میں بندۂ مومن کو حق تعالیٰ کی معرفت بذریعہ اسمار و صفاتِ الٰہیہ بحضور قلب و نظر نصیب ہوتی ہے یعنی کائنات کی منفرداً بھی تکمیلِ معرفت اس طرح حاصل ہو جاتی ہے کہ بندہ خود ایک جامع تخلیقات نظر آنے لگتا ہے جس سے دیگر لوگوں میں ایک استعجاب کی حیثیت پیدا ہو جاتی ہے مگر جب یہ عالم نصیب ہو جائے تو اس کی کیفیت و معنوی حیثیت دوسری ہو جاتی ہے یعنی

معائنہ

جس کے لغوی معنی کسی چیز کو آنکھ سے دیکھنا ۔ مگر اصطلاحی معنی انوار و تجلیاتِ ذاتِ الٰہی کا بےحجابانہ قلبِ مومن پر بکثرت نزول کرنا ہو جاتے ہیں ۔ یہ بھی ایک مخصوص حال ہوتا ہے جو مزید بےچین و بےقرار بنا کر شوقِ عروج و ترقی کے اسباب و علل پیدا کرتا رہتا ہے ۔ جس کا ترقی یافتہ مقامِ حال مکاشفہ کہلاتا ہے

مکاشفہ

جس کے لغوی معنی ظاہر ۔ ظاہر منظرِ عام پر آنا ہے ۔ مگر اصطلاحی معنی اہل اللہ کے قلب پر امورِ غیبی اور اسرارِ الٰہی کا ظاہر ہونا ہے ۔ اگر بالتفصیل کہا جائے تو یوں بہتر ہوگا کہ جو اسرارِ الٰہیہ حجاباتِ ناسوت ملکوت ، جبروت اور لاہوت میں گنجینۂ مخفی کہے جا سکتے ہیں اہل اللہ کے نفس و دل اور روح پر واضح اور آشکار ہو جائیں بلکہ اس درجہ ان کا اظہار ہو کہ خود مظہرِ اسرارِ الٰہیہ بن کر کائنات پر چھا جائے اور بندگانِ خدا کی دستگیری اس طور پر کرنے جو حالاتِ سابقہ ۔ حالاتِ موجودہ اور حالاتِ آئندہ سے کما حقہٗ

واقف ہو کر اظہار کی قدرت بھی حاصل کرے۔ اسی حال مکاشفہ میں بندۂ مومن خود کو بھی بغور مطالعہ کر کے واقف و آگاہ رکھتا ہے یعنی کردار و اعمال اس کے معیارِ تصوف کے عین مطابق ہیں یا نہیں بس یہیں سے دوسری منزل کا آغاز ہونے لگتا ہے اور اسی مقامِ حال کو محاسبہ کہتے ہیں۔

محاسبہ

گو لغوی معنی حساب یا جانچ کرنا ہے مگر قرآن حکیم میں جس انداز سے اس حال و کیفیت کی وضاحت و صراحت کی گئی ہے وہ ہی دراصل اس حال کا مقصود و مفہوم بھی ہے جو اہل اللہ کے لئے ایک جز ولاینفک ہے:-

لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ ؕ

یعنی

"اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور جو باتیں تمھارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا پوشیدہ کرو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے"

اصطلاح تصوف میں ان مقاماتِ حال کا تجربہ کرنا یا کھوٹا کھرا پرکھنا بھی اہل اللہ کے لئے ازبس ضروری ہے تاکہ ان وسائلِ معارف کے ذریعہ بھی بتدریج ترقی پر مائل ہونا اور کمالاتِ کے حصول کی جدوجہد جاری رکھنا ہی عین مطابق فطرتِ انسانی کے ہے جس کا انجام بہ محادثہ و مسامرہ ہوا کرتا ہے۔

محادثہ و مسامرہ

اب ہر دو مقاماتِ حال کی توضیح کرنا لازمی ہے قبل ازیں کہ تفصیلات میں داخل ہوا جائے مناسب یہ ہے کہ

لغوی اور لفظی معنی معلوم کرنا ضروری ہے۔ محادثہ کے لفظی و لغوی معنی آپس میں گفتگو کرنا ہے اور مسامرہ کے لفظی و لغوی معنی بھی گفتگو کرنا بات چیت کرنا ہے اب فرق و امتیاز کیا ہے اس پر توجہ خاص دینے کی ضرورت ہے۔

اوّل محادثہ زیر بحث لایا جاتا ہے جس کا بنیادی و اساسی تعلق مجاہدۂ نفس سے ہے جس کا تکمیلہ بذریعہ

اعمال ظاہری و باطنی ہو کر کوائف روحانی و باطنی حاصل کرنا ہے اور ذوق وشوقِ ملاقات کی فراوانی پیدا کرکے امیدوار تکلم ہونا ہے بس اس کی مثال حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہتر اور مناسب تائید بحث میں نہیں ملتی ہے۔

قرآن کریم میں آیا ہے کہ طالب دیدار حق تعالیٰ کا مقام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حاصل کیا اور کوہ طور پر تیس راتیں تنہائی میں گزارنے کے لئے تشریف لے گئے لیکن یکسوئی میسّر نہ ہوسکی کیونکہ دس راتوں میں مختلف نوعیت کے خیالات اپنی قوم کے لئے آتے رہے تو ارشادِ الٰہی ہوا کہ :-

"اے موسیٰ ایسی حالت میں ہمارے پاس کیوں آیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں حضورِ قلب ناممکن تھا اور سالک کو چاہیئے کہ صرف اللہ کے حضور کھڑا ہو کر ماسویٰ اللہ کا خیال توجہ الی اللہ کی منزل میں سدِّراہ نہیں بنانا چاہیئے جس سے دس راتوں کو ضائع کیا گیا -"

چنانچہ حضرت موسیٰ نے مزید تیس راتیں اسی اعتکاف میں گزاریں اور ان راتوں میں خیالِ غیر کو فنا کرکے حضوریٔ باری تعالیٰ سے مشرف ہوسکے جس کو چلّہ کشی سنّتِ موسوی بھی کہا جاتا ہے جو سالک کے لئے اشد ضروری ہے۔

چنانچہ اس مقامِ حال کو حاصل کرنے کے لئے حضرت موسیٰ انتظار دیدِ جلّ وعلیٰ میں چالیس روز تک مصروف رہے مگر اس کا موقعہ روز روشن کی طرح دن میں مقامِ طُور پر نصیب ہوا جہاں اسرار و رموزِ کلیم وکلام ومتکلم حضرت موسیٰ پر آشکار ہوئے جہاں بلا وساطتِ ملک و فرشتہ ظہور میں آئے۔ اس میں نکتہ صرف یہ ہے کہ طالب دیدار حضرت موسیٰ کو بننا پڑا تکمیلِ شوقِ دیدار کے لئے مجاہدہ میں ریاضات و عبادات الٰہی بذوق وشوق کیں اور انتظار بھی کرنا پڑا کہ وہ محبوبِ حقیقی اگر چاہے تو حضرت موسیٰ کو فائز المرام کرے۔ یہ سب کچھ ہونے کے بعد دیدار محبوب نصیب ہوا مگر نتیجہ میں فراوانیٔ شوق بھی سائل ہوا کہ تابِ دید سے ایک حد تک محروم بھی ہونا پڑا جس کی وجہ ظاہر ہے کہ آپ بیہوش ہو گئے۔ اسی وجہ سے اس کو **محادثہ** سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اب مسامرہ کی طرف رجوع ہو جائیے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ مقام ارفع واعلیٰ ہے جس میں تحریکِ ملاقات منجانب محبوبِ حقیقی ہوتی ہے یہ بھی ایک نوازشِ عالیہ ہے کہ جو بندۂ مومن کو مجاہدات کے ذریعہ نصیب ہوتی ہے۔ یہاں محب اور محبوب میں اندازِ تکلم اور شانِ ملاقات کچھ اس طرح انجام پذیر ہوتی ہے کہ محبوب ومقصود میں خود شوقِ دید اور ذوقِ تکلم کی فراوانی اس درجہ ہوتی ہے کہ بندہ بلا رضا و رغبت

اس مقامِ کیف و سرور سے نوازا جاتا ہے مگر یہ مقامِ حال صرف بوقتِ شب ہی مخصوص کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آنحضرتؐ کو شبِ معراج میں بلوایا گیا اور بصد احترام و انصرام اور شایانِ شان کے مطابق تمام اسرار و رموزِ الٰہیہ سے بذریعہ کلامِ خاص بلا وساطتِ جبریلؑ آپ پر منکشف کیے گئے بلکہ یہ ہی نہیں کہ کلام کی رسائی صرف ایک ہی جانب سے ہوئی۔ نہیں نہیں انداز کلام کچھ اس طرح سے چھیڑا گیا کہ جانبین سے بھی کلام کی آمد و شد جاری رہی اور معلوم نہ ہو سکا کہ کون کلیم اور کون متکلم رہا کیونکہ راز و رموزِ محب و محبوب کے انکشافات ہو رہے تھے۔ تیسرے کو دخل یا تیسرے کی رسائی کیونکر ممکن تھی پس اس مقامِ لامتناہی کو ہی **مسامرہ** کہتے ہیں۔

پس فرق معلوم ہو گیا کہ محادثہ بوقت دن اور مسامرہ بوقت شب طاری ہوتا ہے۔ اور ہر دو مقاماتِ حال ہیں جس میں ایک فرق بسیط یہ بھی ہے کہ محادثہ کے لئے طالب ہونا ضروری ہے مگر مسامرہ میں مطلوب ہی طالب بن کر اس حالِ ارفع و اعلیٰ سے نوازتا ہے۔

اب محادثہ وہ مقامِ حال ہوا جس میں اولیاء اللہ دن میں مصروف و مشغول اپنے رب کے ساتھ رہتے ہیں اور کسی خاص لمحہ میں اپنے محبوب سے راز و نیاز کی گفتگو کرتے ہیں لیکن مسامرہ وہ مقامِ حال ہے جو اہل اللہ میں سے معدودے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں کیونکہ ان لوگوں کا تعلقِ خاص براہِ راست آنحضرت کے انتہائی عروج روحانی و باطنی کمالات سے ہوتا ہے جس کو یہ حضرات بطورِ خاص پوشیدہ رکھنے میں بھی باکمال ہوتے ہیں ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ بوقتِ شب ان پر کیفیت و سرورِ مسامرہ طاری ہوتے ہیں تو خلائق سے بے تعلق ہو کر اپنے خالق ہی سے انہماک و استغراقِ مطلق میں مصروف ہو جاتے ہیں لیکن ان حضرات کی طرزِ حیات بھی عجیب انداز کی ہوتی ہے کہ دن کو مخلوق کے ساتھ شب کو خالق کے ساتھ اور جو کچھ خالق سے حاصل کیا مخلوق کو دے دیا۔ یعنی خلوت و جلوت دونوں کے مالک و متصرف ہوتے ہیں۔

اسی مقام و بزرگی کی شانِ الوہیت و محبوبیت سیدنا حضرت اویس قرنیؓ میں پائی گئی ہے مبصرین و محققین نے باتفاق فرمایا ہے کہ آنحضرت کے روحانی کوائف و کمالات بدرجۂ اتم حضرت اویسؓ میں موجود تھے۔ سب سے بڑا اور روشن تر ثبوت تو یہ ہی ہے کہ آنحضرتؐ کے ایسے نادیدہ عاشق و وابستۂ روحانی تھے کہ زندگی میں حصول دیدار سے مشرف نہ ہو سکے لیکن ہمہ وقت دیدارِ فیض آثار سے روحانی و باطنی حیثیت میں مستفید بھی رہے۔ جس کا اظہار بعد وفات آنحضرت اس طور پر ہوا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ:-

> "ایک شخص مغلوب الحال قرن کا رہنے والا جس کا نام اویس ہے تا ہنوز دیگر حضرات کی مانند مشرف بدیدار نہیں ہوا ہے لیکن اس کا مقام اس قدر بلند ہے کہ جب حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ اس سے ملاقات کر کے میرا سلام و پیام

اُس کو دیں گے اور شفاعتِ اُمتِ محمدیہ کے لئے درخواست کریں گے تو وہ بھیڑوں
کے بالوں کے شمار کے مطابق میرے امتیوں کی اللہ سے شفاعت کی درخواست
کرے گا جو مقبول بارگاہِ ایزدی ہو گی۔ "

اس پر ہر دو صحابہ کرام نے عرض خدمت کی کہ کیا وہ مقربینِ بارگاہِ رسالت سے زیادہ قابلِ احترام بزرگ ہے۔

قربان جائیے اس جواب باصواب کے کہ اس کا جواب اس بزرگ سے ملاقات کے وقت ہی مل جائے گا۔

چنانچہ بعد وفات رسول اکرم جب دونوں صاحبانِ کرامؓ حضرت اویسؓ کی تلاش میں قرن پہنچے اور بڑی دقت جنگل جنگل تلاش کرنے کے بعد اس شوق ملاقات کو مکمل کرنے کا وقت آیا تو حضرت اویسؓ کو مصروفِ نماز پایا۔ چنانچہ بعد ختمِ نماز آنحضرتؐ کے پیام و سلام کو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے پیش کیا جس پر آپ پر رقت طاری ہوئی اور شفاعتِ امت کے لئے بارگاہِ ایزدی میں دعا فرمائی لیکن ان دونوں حضرات سے مخاطب ہو کر یہ بھی فرما دیا کہ

" قربِ قیامت ہے۔ میں سامانِ آخرت کے لئے مصروف کار ہوں اور ہم
سب لوگ محشر میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ لہٰذا آپ اب واپس
جائیں ـــ "

ملاقات کے بعد ہر دو صاحبانِ کرام واپس ہوئے مگر جو مقامِ بزرگی اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا وہ بالکل مطابقِ ارشادِ نبویؐ پایا جس کا اظہار الفاظ و بیان کے احاطہ میں نہیں آسکتا۔ پس وہ شخص جو مجاہدات ریاضات و عبادات خالصتاً حصولِ رضائے الٰہی اور اتباعِ رسولؐ میں اس درجہ کرے کہ محویت و استغراق کے عالم میں فنا فی الرسول سے گزر کر فنا فی اللہ ہو کر بقا بالحق کی منزلِ عظیم الشان حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو وہی مشاہدۂ ذاتِ محبوبیت کا ایک جزوِ حقیقی بن جاتا ہے۔ گو جسدی اعتبار سے بالکل مفقود و معدوم نہیں ہوتا لیکن اپنے حوائجِ جسدی کو اوصافِ باطنی کے عین مطابق کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور ہمہ وقت مصروفِ مشاہداتِ ذات رہتا ہے۔ بالفاظِ دگر مختصراً کہنا پڑتا ہے کہ یہی وہ مبارک مقامِ حال ہوتا ہے جو اصطلاحاتِ تصوف میں مشاہدہ سے معنون کیا جاتا ہے۔

مشاہدہ :- جس کے لئے بندۂ مومن جملہ منازل و مراحل ظاہری و باطنی۔ داخلی و خارجی -

دینی و دنیوی مطابق عینِ شریعت۔ طریقت حقیقت اور معرفت کے زرّیں اصولوں کے تحت بذریعہ مجاہدات طے کرکے اس مقامِ بلندترین پر فائز ہوکر اس درجہ ممتاز ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کے لئے حیرت و استعجاب کی چلتی پھرتی تصویر نظر آئے اور کارخانۂ قدرت میں بظاہر مجبور و بے کس ہو لیکن صاحبِ اختیار فوق البشر ہوکر مخلوق میں کارہائے غلامی بھی انجام دیتا ہے۔

اب لفظ مشاهده کے لغوی معنی پر غور کرکے اصطلاحی بحث کی جاسکے گی۔ لغت میں تو صرف دیکھنا اس کا مطلب آیا ہے۔ لیکن اس کی وضاحت محل وقوع سے بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں انوار و تجلیاتِ الٰہیہ کا نزول پیہم بندۂ مومن پر ہونا کہتے ہیں۔ اور بندۂ مومن کا نفسِ پاکیزہ اس کے لئے محل شہود قرار دیا گیا ہے جس پر انوار الغیوب وارد ہوکر انکشافاتِ حقیقی کا باعث بن جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مشاہدہ کی اساس و بنیاد ہی مجاہدہ ہے جیسا مستند طریقوں سے اظہار کیا کیا گیا ہے۔

المشاهدات مواريث المجاهدات

یعنی

مشاہدات کا حصول محض مجاہدات سے ہی ممکن ہے۔ اور مجاہدات کی وضاحت و صراحت تفصیلات کے ساتھ بیان کی جاچکی ہیں مگر اس قول یا اصولِ مذکورہ بالا کے تحت بھی کچھ انکشافات کردیئے جائیں تو مسئلہ بالکل عام فہم ہوجائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصروفِ مجاہدات ہوئے اور منتظرِ کرم بھی رہے تو مشاہدہ سے سرفراز کئے گئے۔ آنحضرت کی ہر سانس مصروفِ ریاضت و عبادت رہی یعنی سراپائے محمدیہ ہی خود مجاہدات کا سرچشمہ بنی رہی اور تقرب بارگاہ الٰہی بھی حاصل رہا تو مصروفِ مشاہدہ بھی رہے یہاں تک کہ شبِ معراج میں وہ قربت حاصل ہوئی جو ہر دو جہت کے لئے ایک معجزہ بھی ثابت ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ مشاہدہ بغیر مجاہدہ کے ممکن نہیں کیونکہ بندہ کے لئے صفائے باطنی صرف مجاہدات کے ذریعہ ممکن ہے جو قربِ الٰہی کی ضمانت ہے اور وسیلۂ مشاہدہ پر منتج ہونا یقینی امر ہے۔ مگر مجاہدہ ہی شوقِ مشاہدہ بھی پیدا کرتا ہے گو اس میں غرض کا پہلو آجاتا ہے تو یہ کوئی امر غیر فطری نہیں ہے بلکہ یہ تو حضرت موسےٰ علیہ السلام کے لئے بھی ہوا جو پیغمبرِ وقت اور کلیم اللہ اور طالب دیدار کے اسمار و القاب سے منسوب ہوئے تو فطرتِ بشری کیونکر اس سے مستثنیٰ ہوکر جملہ احکاماتِ الٰہیہ سے روگردانی کا باعث بنے؟۔

مگر اپنا ایمان وایقان یہ ہی ہونا چاہیئے کہ مجاہدہ فعل بندہ کا ہے لیکن اس فعل پر نازاں ہو کر ہی مطمئن ہونا کافی نہیں بلکہ فضل خداوندی پر خود کو وقف کر کے امیدوارِ مشاہدہ ہونا بھی قطعاً اور مطلقاً ضروری ہے۔ اور اسی آرزو کے سہارے پر خدا کے قریب ہوتے ہوتے مشاہدہ ممکن اور یقینی ہو سکتا ہے۔ بہرحال مشاہدہ ایک مقامِ حال ہوتا ہے جو بندہ کو یقینِ واثق اور فراوانیٔ ذوق و شوق میں اس درجہ مغلوب الحال کر دے کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ محبوبِ حقیقی کا آئینہ دار نظر آنے لگے اور اس آئینۂ حقیقی کے علاوہ ہر شئے کو جو اپنی انفرادی حیثیت میں بھی ہو حتیٰ کہ خود کو بھی غیر مشاہدہ پائے۔ کیونکہ اگر بتوفیقِ ایزدی تابِ نظر بھی اس قدر قوی میسر آئے کہ مشاہدۂ ذات سے بہرہ ور ہو جائے تو کسی دوسری طرف نظر کا اُٹھنا ہی محال ہوگا۔ اس وجہ سے کہ ایک لمحہ بھی عدم مشاہدہ اور عدم حضوری میں ایک خسارہ ہوگا۔ جو کسی عاشق دیدارِ محبوب کی شایانِ شان ہرگز ہرگز نہیں ہے جیسا کہ حضرت جنیدؒ بغدادی نے اپنے والہانہ انداز میں مشاہدہ کی تعریف کی ہے کہ:۔

"اگر مجھے جسدی آنکھوں سے مشاہدہ کا موقعہ حاصل ہو تو ہرگز مشاہدہ نہ کروں کیونکہ عشق و محبت کی آنکھ بھی میرے لئے غیر ہوگی اور غیر کی غیرت مجھے دیدار و مشاہدہ سے باز رکھے گی جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہوا کیونکہ خداوند برتر کی ذات ماورائے واسطہ و وسیلہ ہے تو وسیلہ اور واسطہ ہی سدِّ راہ بن جانے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔"

یہاں یہ نکتہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ چشمِ دل سے ہی خالقِ کائنات کا مشاہدہ مناسب اور مفید ہے۔ چنانچہ اہل اللہ کی عمرِ حیاتِ جاودانی بھی وہی ہوتی ہے جب کہ اُن کی جسدی آنکھیں بند ہوں اور دل کے آئینہ میں مشاہدۂ ذات حاصل ہو۔ اس لئے کہ مشاہدۂ ذاتِ الٰہی انتہائے کمالِ تقرب ہوتا ہے اور اس عالم میں کسی غیریت کو دخل تک ممکن نہیں ہے یعنی اُن کمالات کا اظہار بلباسِ تعریف و توصیف بھی امکانِ بشری سے باہر ہے اور بندہ تو اپنا حال بیان کرنے کے قابل تک نہیں رہتا ہے۔ چہ جائیکہ محبوبِ حقیقی کی کمالِ الوہیت بیان کر سکے۔ مگر تصرفات و کمالاتِ معنوی حاصل ضرور ہو جاتے ہیں۔

کمالِ ہم نشیں بر من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم
(سعدیؒ)

بندہ فائز المشاہدۂ ذات ہونے کے بعد خواہشاتِ بشری سے آزاد ہو جاتا ہے اور فطرتاً خصائلِ انسانی میں اس درجہ تغیرات پیدا ہوتے ہیں کہ علوم و اسرارِ الٰہیہ کی تحصیل کے لئے برابر جد و جہد قائم رکھتا ہے۔ اور

اس طرح اس نعمتِ عظیم کو جو بحالِ مشاہدہ حاصل ہوتی ہے برقرار رکھنے میں مصروف راستباز رہتا ہے۔

نوازشاتِ مشاہدہ

پس معلوم ہوگیا کہ مجاہدات و ریاضاتِ شاقہ کے ذریعہ بندۂ مومن مشاہدہ سے سرفراز ہوتا ہے تو جنابِ احدیت سے مختلف انواع و اقسام کے انعامات و کمالات سے بھی نوازا جاتا ہے مثلاً امورِ غیبی اور معانی حقیقی سے حجابات اُٹھا دیئے جاتے ہیں اور ماورائے حقیقت تک وجوداً اور شہوداً انکشافات ہونے لگتے ہیں جس طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ

"آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے حق سبحانہٗ تعالیٰ کو انتہائی خوبصورت عالم میں دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی کو میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھدیا جس سے میرے سینہ میں اس ہاتھ کی خنکی ظاہر ہوئی تو میں نے آسمان و زمین کی جملہ کائنات سے تعارف حاصل کیا۔"

یعنی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مشاہدۂ ذاتِ حق سے اہل اللہ کو بالتفاتِ خاص نوازا جاتا ہے تاکہ اپنے نصب العین کے مطابق مقصدِ فنا فی اللہ و بقاء بالحق تک رسائی حاصل کرکے اللہ کی ہستی کے ساتھ قائم رہیں اور جملہ عوالم ظاہری و باطنی میں مظہَر اور مُظہِر کو نقطۂ واحدیت ہی کہتے ہیں۔ کیا خوب کہا ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

تو اس عالمِ مشاہدہ میں جب عارف مذکورہ بالا مقام حاصل کرلیتا ہے اور غیریت و دوئی کو یکسر مفقود پاتا ہے تو اس کو مزید انعام و اکرام خلق اللہ کی بہبود کے لئے عطا کئے جاتے ہیں جو احدیت مجردہ اور ورارالورا سے براہ راست کبھی بطور کشفِ صوری خواب میں اور کبھی بیداری میں تفویض ہوتے ہیں اور لبا اوقات بتوفیق ایزدی عالمِ مثال میں ادراک ہوتے ہیں لیکن جب امورِ معنوی۔ روحانی اُخروی۔ ملکوتی خواہ سماوی ہوں یا ارضی پر حقائق کا کشفِ صادق ہونے لگتا ہے تو بندہ لوحِ محفوظ۔ عرش و کرسی وغیرہ کو اپنے حدودِ علم و عین میں پاتا ہے اور حق تعالیٰ سے کلام کو بغیر واسطہ کے سنتا ہے۔ بس یہی مقام مرتبۂ شہود میں اعلیٰ ترین مقام ہے جس کی بدولت مشاہد بندہ خود غنی ہوجاتا ہے اور مشاہدات کے پردوں میں بھی جلوہ گر ہونے لگتا ہے۔ ان مکاشفات کا احاطۂ بیان یا ضبطِ تحریر میں

لانا ممکن نہیں ہے کیونکہ صحیح اور کامل ادراکِ علمی وعینی اُن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جن کا مزاج روحانی حسبِ استعداد ترقی وعروج کی منازل طے کرچکا ہو۔ ان میں انبیاؑ و اولیار کے ارواح مخصوص قرار دیئے گئے ہیں جو القا۔ الہام۔ وحی سے علی الخصوص نوازے جاتے ہیں جو منجانب حق تعالیٰ یقینِ کامل کے ساتھ اہل اللہ پر نازل ہوں۔ اب ان کی تفریق وامتیاز بھی واضح ہونا ضروری ہے۔

وحی بذریعہ فرشتہ نازل ہوتی ہے جس میں فرشتہ کا نزول وکلام عالمِ شہود میں ہوتا ہے اور اسی کو کشفِ شہودی ومعنوی بھی کہتے ہیں جو مخصوص ہے نبوّت سے۔ کیونکہ اس عالمِ وحی کو تعلق ظاہر سے ہے۔ مگر الہام حق تعالیٰ سے بغیر واسطۂ فرشتہ کے ہوتا ہے۔ اور یہ اُس جہت سے ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کو ہر موجودات کے ساتھ ہے اور اس کا شہود غیر ضروری ہے کیونکہ یہ متعلق بہ ولایت ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ وحی میں تبلیغ شرطِ اوّل ہے لیکن الہام اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ الہام صرف کشفِ معنوی ہے۔

وحی اور الہام سے قبل جو واردات منجانب حق سبحانہٗ تعالیٰ بندہ پر کشف ہوتے ہیں اُس کو القا کہتے ہیں۔

القا اور الہام کسب واجتہادِ ظاہری وباطنی کے ذریعہ بتوفیق الٰہی حاصل ہوتے ہیں مگر وحی کے لئے تخلیقی واسطہ کافی ہے جس طرح ریاضت ومجاہدہ سے نبوّت حاصل نہیں ہوتی۔ وحی بھی جدوجہدِ انسانی سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ وحی تو مخصوص نبوّت سے ہے اور الہام ذریعہ انکشافِ معانی ہوتا ہے پس انبیار وحی کی قوت سے اُن مقامات وحالات کا مشاہدہ کرتے ہیں جن کا اولیار اللہ الہام کی قوت سے کرسکتے ہیں اور انبیار کلامِ الٰہی کو بوساطت جبرئیل اپنے کانوں سے سنتے ہیں اور معانی کو دل میں سمجھتے ہیں اور ملک الالہام کو بھی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اولیار اللہ بلا وساطتِ فرشتہ کلام وحالات کا ادراک ومشاہدہ بذریعہ الہام کرسکتے ہیں۔ یہی وہ دولت ہے کہ جس کی برکت سے اولیار اللہ کے ارواحِ مقدسہ اپنے عنصری قالبوں سے آزاد ہوکر مقاماتِ مکاشفہ کی بلندیوں پر پرواز فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن سے بذاتہٖ خطاب فرماتا ہے۔ علومِ باطنی کا اظہار فرماتا ہے اور اسرارِ غیبیہ کو اُن پر طرح طرح سے منکشف فرماتا ہے جیسا کہ:۔

> "امام احمد رضی اللہ کو کتابت ہی کے ذریعہ سے الہام ہوتا تھا۔ جب آپ خواب سے بیدار ہوتے تو ایک کاغذ پر کچھ تحریر پاتے تھے۔ حضرت شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر طرف سے برابر پڑھنے میں آتا تھا اور جب ورق الٹتے تھے تو اُس کے ساتھ کتابت بھی از خود اُلٹتی ہوئی پاتے تھے۔ حضرت شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بچشم خود اُس تحریر کو دیکھا تھا۔ مگر اس انداز کی تحریر اگر

خلافِ شریعت ہو تو اُس کو الہام کتابی نہ گردانو اور نہ عمل کرو۔

ایسا ہی دوسرا واقعہ جس کے راوی اور شاہد خود شیخ اکبرؒ ہیں بیان فرماتے ہیں کہ :-

"میرے شاگردوں میں سے ایک عورت نے جو اہل مجاہدہ بھی تھی خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کاغذ عطا فرمایا جو اُس کے ہاتھ میں تھا اور اس کی مٹھی بند تھی جس کو کوئی کھول نہ سکا تو مجھے الہام ہوا کہ میں اُسے ہدایت کروں کہ اس ہاتھ کو منہ تک اس نیت و ارادہ سے لے جائے کہ جو کاغذ اس کے ہاتھ میں ہے منہ میں رکھ کر نگل جائے گی چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اس کا ہاتھ منہ تک جاتے ہی فوراً کھل گیا اور کاغذ وہ نگل گئی۔ مجھ سے لوگوں نے استعجابی انداز میں دریافت کیا تو میں نے کہا کہ اللہ نے مجھ کو بذریعہ الہام ہدایت فرمائی تھی کہ اس تحریر کو کوئی نہ پڑھنے پائے جس کی بنیاد پر میں نے ایسا کیا۔"

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کا ہے جو مشاہدات و کمالات میں اپنے عصر کے آفتاب تھے مگر باوجود اُمّی ہونے کے مجاہدات میں اپنی نظیر نہ چھوڑی اور علم باطنی کے ایک بحرِ ذخّار تسلیم کئے گئے ہیں۔ آپ کے زمانے میں بغداد ہی مدینۃ الاسلام تھا جہاں فیوض و برکاتِ علوم کے صدہا چشمے جاری تھے کہ آپ کے مرید نے تحصیلِ علمِ حدیث کے لئے خرقان سے بغداد جانے کا قصد کیا اور آپؒ سے اجازتِ سفر چاہی مگر آپ نے انکار کر دیا کہ حدیث کا علم تو خرقان میں بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس پر مرید نے کہا کہ یہاں کوئی ایسا عالم نہیں ہے جو حدیث پڑھا سکے۔ جس پر آپ نے کہا کہ بازار سے کتبِ احادیث خرید لاؤ۔ مرید کو معلوم تھا کہ آپ امی ہیں مگر تعمیلِ ارشاد میں کتابِ حدیث لا کر پیش کر دی۔ حضرت نے فرمایا پڑھو۔ چنانچہ مرید نے پڑھنا شروع کیا لیکن حضرت ابوالحسن نے بڑے وثوق کے لہجہ میں فرماتے ہوئے کہ یہ حدیث مکمل اور صحیح ہے بلکہ اس کے معانی بتاتے ہوئے بھی تصدیقاً کلماتِ آنحضرت پر زور دیا کہ اس میں کوئی تحریف و تخفیف بالکل نہیں ہے۔

ایسے ہی مرید نے دوسری حدیث پڑھی تو آپ نے فرمایا کہ اس کا پہلا حصہ عین کلماتِ رسول اکرمؐ ہیں مگر آخری حصۂ حدیث میں حضورؐ کے الفاظ نہیں ہیں جن کو تم بھی غیر مسلمہ قرار دو۔ اسی طرح تیسری حدیث سُن کر فرمانے لگے کہ یہ نو از اوّل تا آخر آنحضرتؐ کے کلمات نہیں ہیں۔ لہٰذا تم بھی قبول نہ کرو۔ چنانچہ یہی سلسلہ جاری رہا۔ اور تکمیلہ درسِ حدیث شیخ نے کرا دیا۔ جب آپ سے اس امر پر کہ آپ تو اُمّی ہوتے ہوئے درسِ حدیث کے لئے اُستاد اور معلم کیونکر ہوئے۔ اور کس بنیاد پر آپ نے احادیث میں سے کچھ خارج از درس اور کچھ قابلِ درس قرار دیں

تو فرمانے لگے کہ پہلی حدیث پڑھنے پر مجھ کو آنحضرتؐ نظر آئے کہ آپ خوش و خرم بھی اور مطمئن بھی تو میں نے یقین کیا کہ یہ مکمل حدیث مستند ہے جو قابلِ تسلیم بھی ہے۔ دوسری حدیث پر آنحضرت کا چہرۂ مبارک حدیث کے اوّل حصہ تک خوش و مطمئن نظر آیا مگر دوسرے حصہ پر آپ کا چہرۂ مبارک مضمحل ہوا تو میں نے خیال کیا کہ اس حدیث کا پہلا حصہ صحیح و مستند ہے مگر آخری حصۂ حدیث ناقابلِ تسلیم ہے۔ اسی طرح تیسری حدیث پر آپ کے چہرۂ مبارک پر آثار بدمزگی کے ظاہر ہوئے تو میں نے یقین کر لیا کہ یہ حدیث پوری مسترد ہونے کے قابل ہے جو آنحضرتؐ سے غلط منسوب کی گئی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اکتسابِ روحانی اہل اللہ کو مشاہدات کی خیر و برکت سے حاصل ہوتا ہے جو تنزلات و عروج کے کمالاتِ باطنی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ عالمِ ارواح بمقابلہ عالمِ محسوس کے ذوقِ شہود میں زیادہ قوی ہوتا ہے اور جس میں مائل بہ نزول و عروج ہونے کی قوت بدرجہ اتم ہوتی ہے تو عالمِ مثالی اختیار کر کے عالمِ بشریت کی امداد و دستگیری بھی کرتا ہے۔ بالکل اُسی طرح جیسے انسان بقدرِ قوت دوسرے انسان کو متوجہ کرنے کے لئے آواز دیتا ہے۔ تو آواز کی رسائی و سماعت جس حد تک دوسرے پر اثر انداز ہو گی اسی قدر توجہ آواز دینے والے پر تخاطب و توجہ کا اثر ہوگا۔ چنانچہ روح کو توجہ دلانے کا طریقہ تصوّر یا مجاہدہ ہوتا ہے۔ مآلِ کار یہ ہوتا ہے کہ تصور کرنے والے کی جانب جس قدر روحانی کمالات وسیع ہوں گے اسی قدر اُس کی قوتِ روحانی کا مظاہرہ ہوگا بلکہ وہ روحِ باکمال جو تصور کرنے والے یا یاد کرنے والے کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس میں حلول بھی کر جاتی ہے لیکن اپنے مرکزِ اصلی کو بھی نہیں چھوڑتی۔ یہ تو روحِ اعظم یا حقیقتِ محمدیہؐ کا ازلی مقام ہوا جس سے امدادِ غیبی روحانی و جسمانی عالم میں اپنے وابستگان کے لئے برابر ہوتی رہتی ہے۔ اب اس حال کو جیسا کہ تمثیلاً پیش کیا گیا ہے۔ حضراتِ فہم و تصوف۔ عالمِ مثالی یا عالمِ خیالی۔ یا مشاہدہ یا مکاشفہ تعبیر کر سکتے ہیں مگر ہے یہ سب صدقہ و تصرف اُس مدینہ والے آقا کا جنے ایسے ایسے بلند مقامات و کمالاتِ ظاہریؑ باطنی کا انکشاف کر دیا کہ ارواح جب کسی صورت میں متشکل ہوتی ہیں تو وہ اس صورت سے بذاتہ الگ نہیں ہو سکتیں جہاں اپنی قوتِ اصلی کے مطابق قائم ہو چکی ہیں۔ لیکن اس قدر قوت ضرور ہوتی ہے کہ اپنی اصلی قوت کو چھوڑے بغیر جس صورت کے ساتھ چاہیں متشکل ہو سکیں۔ اسی وجہ سے

"یہ امر مسلّمہ ہے کہ روح بذاتہ اپنی بقا اور اپنے مقام کے لئے بدن کی محتاج نہیں"

لیکن شہود و کمالاتِ روح کا اظہار سوائے اعضائے جسمانی کے ذریعہ ممکن ہی نہیں ہے تو اس وجہ سے روح بدن کی بھی محتاج ہے۔

اب اسی نکتہ کو ذرا وسیع النظری سے بھی ملاحظہ کیجئے۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام روحِ عالم ہیں۔

اور اُن کو اس کائنات سے وہ ہی تعلق ہے جو روح کو جسم سے ہوتا ہے۔ مگر جب حضرت آدمؑ خلیفۃ اللہ ہوئے تو جن کمالات کا اطلاق اللہ پر ہوتا ہے بعینہٖ حضرت آدمؑ پر بھی ہوا اور اسی ضمن میں اگر یہ کہا جائے کہ نقطۂ ازلی قبل از تخلیقِ آدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اس سے کہیں زیادہ اطلاق آپ کی ذات والاصفات پر ہوتا ہے۔ یعنی جسدِ کائنات پر صرف اگر فرمانروائی اور حکومت قائم ہے تو روح جناب محمد الرسول اللہؐ کی ہے۔ پس اہل اللہ کو تصرفات و کمالات اگر حاصل ہیں تو صرف رُوحِ پُر فتوح جناب محمد الرسول سے ہیں۔

دراصل مشاہدات وحضوری کے انتہائی کمالات انبیاء واولیا کے لئے ہی مختص ہو چکے ہیں کیونکہ یہ حضرات جانتے سمجھتے اور دیکھتے ہیں کہ تمام عوالم وکائنات محض اعتباری ہی نہیں ہیں بلکہ فنا ہو جانے والے بھی ہیں اور صرف خالق حقیقی ہی موجود مطلق قائم بالذات ہے اور جملہ حرکات وسکناتِ کائنات ایک دائرۂ متعینہ کے اندر اُس وقت تک قائم ہیں جب تک اُس کی مرضی ہے۔ اس قسم کا تیقّن انہی حضرات کو میسّر آتا ہے جو خلافۃً و نیابۃً مقام عروج و کمال کا حاصل کہا جاتا ہے۔ یہ ہی حضرات صورتِ مثالی کے مجاز بھی ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ہر انسان کی شناخت کے لئے ایک شکل بتوسطِ جسم و روح صانع حقیقی نے بنائی ہے۔ مگر یہ حیاتی عالم تک کے لئے ہے۔ بالکل اسی طرح سے حیاتی و مماتی دونوں عالم میں ایک صورتِ مثالی بتوسط صوری وحسی قوت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی قوتِ صوری مانند جسم کے اور قوتِ حسّی مانند روح کے ہوئی۔ مگر بعد مرنے کے جب اہل اللہ حامل کمالات ہو کر عالم برزخ میں مقیم ہوتا ہے تو صورتِ مثالی کا مجاز اس طور پر ہوتا ہے کہ اس کی روح تابع صورتِ مثالی کی ہو کر مطیع وفرمانبردار بن جاتی ہے۔ یہ بالکل وہی حالتِ جسدی وروحی ہوتی ہے جو مرنے سے قبل دنیا میں تھی۔ یہ بھی اختیار واقتدار صورتِ مثالی پر ان برگزیدہ حضرات کو حاصل ہوتا ہے کہ جس شکل میں چاہیں متعدد مقامات پر بہ یک وقت بلا قید دتعین خود کو مشاہدہ کرا سکیں کیونکہ مشاہدات وحضوری میں بکثرت انوار الحق کا ان پر نزول ہوتا ہے۔ اور اسی مقام عروج کو وحدتِ مشہود اور وحدتِ وجود بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ لوگ سبحانی ما اعظم شانی کی ایک چلتی پھرتی تصویر بن جاتے ہیں۔ مگر مذکورہ بالا مراتبِ عالیہ ومقاماتِ کمال کا از ابتدا تا انتہا صرف کتبِ درسیہ وغیرہ کے ذریعہ حاصل کرنا ممکن نہیں جب تک کہ رہنمائی کے لئے مجالسِ صوفیہ اور محبت اولیاء اللہ کو مقدم اور لازمی نہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ نمک کی خصوصیت ذائقہ بیان کرنے سے واضح نہیں ہوتی بلکہ نمک کو خود زبان پر رکھ کر ہی اس کی ماہیت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ جب دُنیوی نظام کائنات میں محسوسات کے لئے کوئی رہبر ضروری ہے تو روحانی کوائف میں جو احاطۂ عنصری سے باہر ہیں کیونکر بغیر رہبر کے کامیابی ہو سکتی ہے؟ لہٰذا جس طرح علوم ظاہری کے لئے ایک معلم واُستاد ضروری ہے بالکل اسی طرح علوم باطنی کے حصول کے لئے بھی شیخ طریقت کی رہنمائی وسرپرستی از بس ضروری ہے کیونکہ حق کی جستجو وہ تشنگی ہے جو ہر ایک

طالبِ حق فطرتاً محسوس کرتا ہے اور اسی میدانِ لامتناہی میں اُس کو حق و باطل کی تمیز کرنا۔ باطل سے گریز کرنا۔ نور کو ظلمت کے مقابلہ میں ترجیح دینا اور نور کی پیروی کرنا ہے تو سب سے پہلے اس کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ صرف قربِ الٰہی طلب کرتا ہے اس لئے دنیا و آخرت کی نعمتوں سے دست بردار ہونا چاہیئے۔ اس واسطے کہ ہر انسان کو ایک ہی قلب عطا ہوا ہے اور ہر ایک انسان اپنے اپنے مطلوب و مقصود کے لئے یک رو اور یک سو ہوتا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے۔ ورنہ مطلوب و مقصود کا حاصل کرنا امر محال ہے۔

اس باب میں منازل و مراحل طالبِ حق یا سالک کے لئے اس قدر آسان نہیں کہ جن کو سر کرنے کے لئے ذکر و فکر۔ افہام و تفہیم، درس و تدریس اور اوراق گردانیٔ کتبِ سیر پر اکتفا کیا جائے۔ نہیں نہیں۔ ایسا نہیں اس کے لئے تو مرشدِ کامل و شیخِ طریقت کی رہنمائی ہی ہر لحظہ و ہر لمحہ محسوس ہوتی رہے گی کیونکہ دنیا سرائے فانی ہے اس کے دروازے ہیں اور دونوں ہی عدم سے متعلق ہیں۔ یعنی انسان درِ عدم سے داخل ہوتا ہے اور درِ عدم سے نکلتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اہلِ دُنیا دُنیا ہی کو منزلِ مقصود سمجھتے ہیں۔ ادھر اہلِ آخرت کا مسلک ہے کہ ترکِ دنیا سے منزلِ مقصود ہاتھ آتی ہے مگر طالبِ حق کے لئے واجب و لازم ہے کہ صرف طلبِ حق میں جد و جہد ہی اُس کی زندگی کا منشار و مقصد رہے۔ ورنہ کبھی منزلِ مقصود پر نہ پہونچے گا۔ بلکہ یہاں یہی واقفِ رسم و راہِ منزل یا رہبرِ کامل ہی کام آتا ہے جو نقائص و فوائد سے آگاہ کرتا رہے۔ یہ اَمر کہ یہ راستہ کس قدر خطرناک ہے اور یہ کام کیسا دشوار ہے کہ سمجھنے اور سمجھانے کی اگر کوشش کی جائے تو یہ شعر سب سے پہلے سمجھ میں آجاتا ہے

ز ترتیبِ تصورہائے معلوم
شود تصدیقِ نامفہوم مفہوم

یہاں تو مناسب یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ شیخِ طریقت یا مرشدِ کامل کی توصیف و ثنا سے قبل اُس اعتراض کو صاف کر دیا جائے جس سے موضوعِ بحث پر ضرب لگتی ہے یعنی یہ کہ

" مرشد پرستی، بُت پرستی ہے اور حق پرستی کے مخالف ہے اور کفر و شرک ہے۔ یعنی خدا اور رسولؐ کی متابعت کے بجائے گمراہی ہے۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ۔

" بریں عقل و دانش بباید گریست "

اگر ہم بفرضِ محال یہ تسلیم کریں کہ یہ کفر ہی سہی مگر یہ تو اسلام کی جانب رہنمائی کر رہا ہے۔ اس لئے کفرِ حقیقی نہیں رہا۔ اور اگر صرف متابعت اور اطاعت ہی کفر ہے تو سبحان اللہ وصلِّ علیٰ رسولِ اکرم بھی تو بشر تھے جن کی

اطاعت ہم پر فرض ہی نہیں ہے بلکہ عینِ ایمان بھی ہے۔ فی الحقیقت بت پرستی تو اسی کا نام ہے جو مبارک ہے طالبان صادق کو کیونکہ پتھروں کو پوجنا تو ظاہر بینوں کا کام ہے اور حق بینوں کے لئے تو شیخ یا رسول ہی کافی ہیں جن میں جلوۂ خدائی بھی نظر آتا ہے اور عشق کا تقاضہ بھی ہے کہ عاشق کی تمام قوتوں کو معشوق کی طرف مرکوز کر دے چونکہ عاشق ہر حال میں معشوق کی یاد اور تصور میں مشغول رہتا ہے۔ ابتدائی غم و غصہ اور جوش و خروش کے بعد عاشق کی توجہ معشوق کی طرف ایسی لگی رہتی ہے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی اُس کے بعد اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا جب ہی تو قبلہ و کعبہ جناب سید شاہ محمد اکبر صاحب ابوالعلائی داناپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرما دیا۔

"بُت پرستی ہی نہیں ہے تو یہ کیا ہے اکبر
تم نے تصویرِ صنم دل میں چھپا رکھی ہے"

مگر ارشادِ گرامی حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے تو بمصداق حرف آخر یوں ادا کر دیا ہے کہ۔

"کفرے کہ باسلام رساند عین اسلام است"

کیونکہ طالب حق فنا فی الشیخ ہو کر شیخ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اور فنا فی الرسول ہو کر رسول کی ادائیں اختیار کرتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس فنا کو فنائے مطلقہ نہیں کہہ سکتے تاہم اپنی قوتِ باطنی پر شیخ اور رسول کی طاقتوں کا اس درجہ تصرف و قبضہ پاتا ہے کہ مرشد کے کمالات کا مظہر عینی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح فنا فی اللہ ہو کر اُس کی جملہ صفاتِ بشریت صفاتِ الٰہیہ میں بدل جاتی ہیں اور معیتِ باحق حاصل ہوتی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب حق اپنے کسی فعل اور ارادہ کو اپنی ذات کی طرف منسوب نہیں کر سکتا اس کی ہستیٔ موہوم منقطع ہو جاتی ہے جو عود نہیں کر سکتی۔ یہ ہی وہ مقام عروج و کمال ہوتا ہے۔ جو شیخ یا رسول یا اللہ کی ہستی میں فنا کرنے سے حاصل ہوتا ہے مگر یہ امر سوائے عشقِ شیخ کے سرانجام نہیں ہو سکتا اور اس سے غرض یہ ہے کہ طالبِ حق شیخ۔ رسول اور اللہ کے اخلاق حاصل کر کے "تخلقو باخلاق اللہ" ہو جائے۔ ہوتے ہیں صورت پرستی سے بشر معنی پرست ہے فنائی الشیخ سے رتبہ فنا فی اللہ کا

یہاں ایک نکتہ مزید واضح کر دینا مناسب ہے کہ عبادت خود مخالف کفر ہے۔ اور کفر کے معنی حق سے گریز اور باطل کو نوازنا ہے مگر عبادت کے معنی حق کو اختیار کرنا اور باطل سے گریز ہیں لہٰذا جو لوگ عالم صورت میں صورت یا جسدی ہیئت کو دیکھتے ہیں وہ کافر ہیں کیونکہ انھوں نے حقیقت کو معلوم نہیں کیا اور حقیقت

اُن سے غائب اور پوشیدہ رہی مگر جو لوگ اس صورت میں حقیقت کی تلاش کر کے صرف حقیقت ہی کو دیکھتے ہیں اور حقیقت کا ظہور بھی ان پر ہو گیا ہے تو وہ دراصل عابد ہی نہیں بلکہ طالب حق ہو کر نورِ علم سے کائنات کے آئینہ میں وجہ اللہ کو دیکھتے ہیں۔ اس لئے کہ عالمِ صورت تو ظلِ محض ہے اور ظل کی تعریف یہ ہے کہ اشیاء اور اُن کے واردات و آثار کو پوشیدہ کر کے مغالطہ پیدا کرتی ہے پس ایسی حالت میں جو لوگ گھرے ہوئے ہیں وہ کافر ہیں اور وہ جن کے علوم باطنی اور حواس بربنائے تحقیق حق مثال آئینہ مجلّی کے ہیں اور جن کی تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب سے بتوفیق ایزدی شیخ کی رہبری میں حصولِ تکمیل تک رسائی ہو چکی ہے تو وہ نور میں چلتے پھرتے ہیں کیونکہ سب سے پہلے انھوں نے اپنے نفس کی معرفت حاصل کی۔ اور اسی نورِ علم سے حقیقت کو دیکھا تو یہ ہی لوگ اہل اللہ اور عباد اللہ ہیں یعنی مظہرِ الوہیت ہیں اُن پر الوہیت کا انکشاف ہوا اور اہل حق اور اہل کفر میں یہ فرق و امتیاز بھی ہے کہ کافر کے جسم کی کثافت حواس پر اور حواس کی کدورت قلب پر اور قلب کی تاریکی روح پر حجاب پر حجاب ہے جو کفر و ضلالت سے باہر نہیں آنے دیتے جو محض صورت پرستی کو حق پرستی پر ترجیح دیتا ہے۔

چونکہ عالمِ کائنات خود ایک صورت ہے اور صورت کا اصطلاحی لفظ بت ہے اس لئے بُت شکنی سے مراد اس حجابِ صورت کو یکسر ہٹا دینا ہے بالفاظِ دگر تمام بتوں کو اور بتوں کے نقش و نگار کو نظر انداز کر کے حقیقت کا مشاہدہ کیا جائے یعنی اس عالمِ خرابات میں رہتے ہوئے حق و حقیقت کا مشاہدہ ہوتا ہے اور پھر یہی حقیقی حرمِ کعبہ یعنی بیت اللہ نظر آنے لگتا ہے اور بالآخر کہنا پڑتا ہے کہ

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

اب تو جس طرف نظر اُٹھتی ہے۔ وجہ اللہ ہی کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے۔

عبادت" دراصل "نماز" کے ہم معنی ہے اور نماز کی ظاہری صورت یہ ہی قیام و رکوع و سجود و قعدہ و تحیات ہے اور اس کے مزید لوازمات خضوع و خشوع ہیں مگر ان سب کی غرض و غایت محض مشاہدہ حق ہے جس کو حضوری کہتے ہیں۔ اس میں بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ "دین" خود فطرت انسانی ہی ہے اور اس میں اختراع نہ تو ممکن ہے اور نہ مناسب۔ لیکن یہ تحقیقات و حالاتِ سابقہ سے پتہ چلتا ہے کہ بت پرستی خدا پرستی کی پہلی تحریک ہے یعنی اقتضائے بشری خود عبودیت ہے۔ تاکہ اپنے معبود کی جانب ترقی کر کے عروج و کمال حاصل کرے۔ فی الحقیقت اپنی ہستی کو موجود سمجھنا ہی خود پرستی اور خود پرستی بالفاظ دگر بت پرستی ہے کیونکہ خود پرستی سے آزاد ہو کر ہی خدا پرستی حاصل ہوتی ہے۔ جس کا اصل مقام مشاہدہ حق یا حضوری ہے۔

سالک و مرشد

قانون قدرت اور فطرت انسانی کچھ اسی طرح سے رائج و قائم ہے کہ جس علم و عمل سے انسان واقف نہیں ہے تو سیکھنے کی کوشش کے لئے کسی اُستاد یا ماہر کا محتاج ہوتا ہے مگر اقتدا کی صلاحیت صرف وہی شخص رکھتا ہے جس میں ذوق و شوق علم و عمل بدرجۂ اتم موجود ہو۔ علم و عمل میں یہ فرق ضرور ہے کہ علم تحقیق سے اور عمل تقلید سے حاصل ہوتا ہے لیکن کسی امر کا علم حقیقی تقلید کے بغیر حاصل ہوہی نہیں سکتا۔ یعنی حصولِ علم کے لئے ابتدا میں مقلد بننا اشد ضروری ہے اور اسی عملِ تقلید کو "بُت پرستی" اور تحقیق کو حق پرستی کہتے ہیں۔ چنانچہ بُت پرستی۔ کفر ہے۔ اور حق پرستی اسلام ہے اور اسی وجہ سے قولِ غریب نواز صادق آتا ہے کہ۔

"کفرے کہ باسلام رساند عین اسلام است"

دراصل عبد کی عبودیت کا تقاضائے فطری ہی بُت پرستی ہے جو ابتدائے آفرینش میں قائم رہا۔ مثلاً بچہ اپنے سن غیر شعوری میں اُن حرکات و سکنات کا عادی ہوتا ہے جو باشعور بالغان کی نگاہ میں قابل قبول نہیں ہوتیں مگر جب وہی نابالغ باشعور و بالغ ہو جاتا ہے تو خود بھی اپنے افعال و اعمال کا تجزیہ کرتے ہوئے ہر قدم شعوری اعتبار سے اٹھاتا ہے پس یہی قانون ارتقار ہے کہ فطرتِ انسانی ترقی یافتہ ہونے کے بعد تقلید اً اسی بت پرستی کو حق پرستی میں تبدیل کرنا مناسب عمل عبودیت قرار دینے لگا اور اسی وجہ سے یہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ اگر کہا جائے کہ حق پرستی کی ابتدا بت پرستی تھی اب سطحی اہل نظر اعتراض کرنے والے حضرات مرشد اور رسول کو بُت سے تعبیر کرتے ہیں مگر تلاش و طلبِ حق کا یہ ایسا خطرناک راستہ ہے جس میں بغیر رہبر کے قدم رکھنا منزل مقصود سے محروم ہو جاتا ہے جو قانون قدرت اور فطرت انسانی سے بغاوت کے مترادف ہوگا۔ یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ طالب حق و سالک کے لئے قابل تقلید صورت پرستی مرشد یا رسول کی نہیں ہوتی بلکہ اخلاق و اطوارِ حسنہ مرشد و رسول کے قابل تقلید ہوتے ہیں۔ اگرچہ اُستاد۔ رہبر۔ مرشد۔ شیخ طریقت کی ضرورت کو زمانہ ہر ایک زمانہ میں تسلیم کرتا چلا آیا ہے اور عظیم المرتبت شخصیتوں نے بھی عملاً اس ضرورت کو محسوس کیا ہے لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا مرشد یا ہادی صرف رسول اور خدا ہے وہ دراصل فطرتِ انسانی اور قدرت الہیہ سے منکر ہیں۔ اور متابعتِ رسول سے روگردانی بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا بہ بانگ دہل اور وثوق کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ رہبرِ کامل جو راہ و رسم طریقت و حقیقت سے واقف ہوگا کبھی کوئی حکم خلاف احکام خدا و

رسول مرید کو نہ دے گا۔ لیکن صدہا حقائق و دقائق سے واضح ہوچکا ہے کہ اگر مرشد کا ارشاد بظاہر خلاف شریعت بھی معلوم ہو تو طالب کے لئے بلا تامل اطاعت واجب ہے کیونکہ اس راستہ کے اسرار و لطائف سے مقلد ناواقف ہوتا ہے اور مصلحتِ وقت کا تقاضہ یہ ہی ہوتا ہے کہ مرید پر مناسب وقت اور موقع پر بذریعہ حال منکشف ہوں کیونکہ قبل از وقت انکا اظہار بذریعہ قال ایک حجاب کی شکل میں حائل ہوجاتا ہے اور حصولِ مقصد سے محرومی کا باعث بن جاتا ہے۔ لہٰذا علماً۔ عملاً اور حالاً کے مقامات کے مقابلہ میں قالاً کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے بالکل اسی طرح سے کہ اگر کوئی شخص ابتدائی تعلیم حاصل کر کے کسی کالج کے نصاب کی انتہائی تعلیم کو حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں بلکہ فہم و ادراک سے تجاوز کرنے کی جدوجہد بھی کرے اور اس مغالطہ میں سرگرداں رہے کہ ایم اے کے تمام علومِ فنی علماً و عملاً (THEORITICAL) اور (PRACTICAL) چند ساعتوں میں ختم کر کے تجرباتی (EXPERIMENTALLY) مشاہدہ کرے تو غیر ممکن ہی نہیں بلکہ مضحکہ خیز ہوگا پس معلوم ہوا کہ محسوسات میں جب رہبر کے بغیر کام نہیں چلتا تو بھلا روحانیات میں جو کہ حواسِ خمسہ کی حدود سے باہر ہیں بغیر مرشد کامل کے کیونکر حصول مقصد میں کامیابی ہوسکتی ہے ؟ مزید برآں

یقین ہی سے علم تک رسائی ممکن ہے اور جب ہماری زندگی کا منشاء خاص حصولِ علم ہے تو وہ کسی ذریعہ سے حاصل ہو ہمیں اس ذریعہ کو استعمال کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ اب یہ واضح ہوگیا کہ یقین سے علم حاصل ہوتا ہے لیکن عمل پر انحصار کامیابی ہے تو عمل اگر تقلیداً ہو جو طالب اپنے مطلوب کو حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے تو اس میں کیا قباحت واقع ہوتی ہے۔؟ کیونکہ

لیس للانسان الا ما سعیٰ کا بھی تو اسی طرف اشارہ ہے۔

چنانچہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حصولِ علم کا مقام دراصل مشاہدہ ہوتا ہے جس کو دیکھ کر ہم اپنے علم کی روشنی میں وضاحت کرسکتے ہیں۔ تو وہی وضاحت ہمارے علم کی دلیل ہوگی مگر علم کی صداقت عینی مشاہدہ پر ہی منحصر ہوسکتی ہے اور دوسری جہت علم یہ ہوگی کہ ہم کسی دوسرے کے علم کے ذریعہ سے معلومات و انکشافات حاصل کریں۔ مگر وہ علم نہیں ہوگا بلکہ ہمارا یقین اُس علم پر ہوگا۔ جو ہم تک منتقل ہوا اور ہم دراصل خود عینی مشاہدہ حاصل کئے بغیر علم حاصل کررہے ہیں۔ تو بالفاظِ دگر ایک علمِ عینی ہوا دوسرا سماعی ہوا۔ جیسے میں نے تاج محل کو بذاتہٖ جاکر دیکھا اس کا ہر پہلو میری نگاہ میں موجود رہے تو مجھ کو علم عینی ہوا یہ ہی حقیقی علم کہلایا جائیگا مگر یہ ہی علم اگر دوسروں پر منتقل کیا جائے گا تو وہ مشاہدۂ عینی کی حدود سے باہر اُن لوگوں کے لئے علم سماعی ہوگا۔ پس یہ ہی علم سماعی اُن کے لئے یقین سے تعبیر کیا جائے گا کیونکہ میں اپنا وہ کمال مشاہدہ جو عینی طور سے حاصل کرچکا تھا دوسروں کو علم کی شکل میں نہیں پہنچا سکتا ہوں پس میرے لئے وہ مقام علم ہوا اور دوسروں

کے لئے یقین ۔ کیونکہ میں شاہد ہوا اور دوسرے لوگ میری شہادت پر یقین ہی کر سکتے ہیں ۔ یقین ایسی صورت میں علم کے ہم معنی نہیں ہو سکتا ۔ مگر ساتھ اس کا بھی اعتراف کرنا پڑے گا کہ یقین کا سلسلہ گو ثانوی حیثیت ضرور رکھتا ہے مگر ترقیِ فطرتِ انسانی کے لئے بھی ایک جزوِ اعظم ہے جس کے بغیر کارگاہِ عالم ہی تاریکی میں ڈوب سکتا ہے لہٰذا ہم کیوں نہ اعتراف بے بضاعتی کرتے ہوئے اعلان کریں کہ ہمارے قلب و ذہن میں اس قدر صلاحیت و استعداد نہیں ہے جو خاص خاص برگزیدہ ۔ خدا داد اور روشن ضمیر ہستیوں کی بدولت حاصل ہو سکتی ہے تو اس کے سوا کوئی دیگر حل باقی نہیں رہتا ۔ کہ ہم علم ثانوی حاصل کرنے کے لئے یقین کی منزل کو ہی حاصل کریں اور ان جلیل القدر اہل اللہ ۔ مرشدان پاک باطن اور شیوخ طریقت کی ارواح سے تعلق و نسبت پیدا کر کے اُن کے مشاہداتِ عینی سے بہرہ ور ہو کر اپنی منزلِ مقصود کو حاصل کریں خدا نا خواستہ اگر اس عمل سے انحراف مقصود ہے تو یہ بھی یقین کر لینا چاہیے کہ اُن لطافتوں اور لذتوں سے محروم ہونا ہے جن کے حصول کی خواہش اور طلب نے ہمارے دل میں تحقیقاً اور ضرورتاً ایک شیخِ طریقت کا احساس پیدا کیا تھا ۔

حصہ دوم

اوصافِ شیخ

اوّل شرط اس راہِ طریقت میں طالبِ حق کے لئے یہ ہونی لازمی ہے کہ وہ خود بھی صاحبِ عقیدت و صلاحیت اس درجہ ہو کہ تلاشِ شیخ میں رغبت و نیت اس کی ہر آن و ہر لحظہ رہنمائی کرتی رہے تاکہ جلد از جلد حصولِ سعادت میں کامیابی ہو ۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ زنگ آلود برتن پر قلعی بآسانی نہیں چڑھتی ہے تاوقتیکہ قلعی گر اس برتن کو طرح طرح سے رگڑ رگڑ کر تمام زنگ و کثافت دور نہیں کر لیتا ۔ اور پھر اس برتن کو آگ پر بار بار رکھ کر تیزاب سے بھی صاف کرتا ہے تاآنکہ اس پر صیقل اپنی منشائے کے مطابق چڑھانے میں کامیاب ہو ۔ چنانچہ بالکل یہی کیفیت سالک و طالبِ حق کی بھی ہونی ضروری ہے ۔ کیونکہ اس کو اپنے لئے حاملِ منصبِ ہدایت کی تلاش ہے اور وہ پستی سے بلندی پر جانے کا ارادہ رکھتا ہے لہٰذا ظاہر ہے کہ پستی کو بلندی کے تعارف کے لئے کیا کچھ کرنا ہے جیسا کہ مشاہیر عالم اور انبیاء مدتوں مردِ کامل کی تلاش میں بھٹکتے رہتے ہیں مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی حضرت خضر علیہ السلام کی رہنمائی کی ضرورت پیش آئی ۔ سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو حضرت

ابوسعیدؒ کی رفاقت وسعادت نے منزلِ مقصود کی راہ دکھائی۔ حضرت نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی کو بابا فریدالدین گنج شکرؒ سے اکتساب ہوا اور خرقۂ بزرگی حاصل کرکے اپنے عروج وکمالات کی منزلِ طریقت پر فائز ہوئے۔ ایسی ہی صدہا مثالیں ہیں مگر سالک جب کیفیت مذکورہ بالا کا حامل وعامل ہو چکا ہو تو شیخ کامل کی چند خصوصیات بربنائے کمال کو بھی مشاہدہ میں لانے کی کوشش کرے تاکہ کسی مغالطہ کا احتمال ہی باقی نہ رہے گو بمصداق

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ان حالاتِ مذکورہ بالا کی سالک کے لئے گو ابتدائی صورت ہوتی ہے مگر بتوفیق ایزدی بمصداق "جوئندہ یابندہ" آسانیاں بھی پیش آتی ہیں اور شیخ طریقت جس سے منسوب ہونا مقدر رہو اپنے کمالات کا مظہر بن کر خود سامنے آجاتا ہے تاہم "مشتے نمونہ از خروارے" کمالاتِ پیرِ کامل یوں نظر آنے لگتے ہیں کہ

الف:۔ تمام دنیوی تفکرات واحساساتِ نفسی یکسر قلب وذہن سے دُور ہو جاتے ہیں جس وقت سالک کو اس پیرِ کامل کی حضوری میں شرفِ باریابی ہوتا ہے تو خود بخود دل میں کشش اس کے اقوال واعمال کی جانب ہونے لگتی ہے مگر جیسے ہی دُوری ہوتی ہے تو پھر وہی حالتِ سابقہ عود کر آتی ہے۔

ب:۔ کیا اُس عارفِ کامل کی صحبت میں عام طور پر دینی۔ دنیوی حاجت مندوں کی جماعت ہمہ وقت پائی جاتی ہے جن میں کچھ مردانِ صالح۔ معتقدین صغیر وکبیر اپنے اپنے اغراض ومقاصد دینی ودنیوی لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ اور اپنی نجاتِ دنیوی واخروی کے لئے رشد وہدایات پر عامل بھی نظر آتے ہیں مگر تجزیہ طلب یہ امر ہونا چاہیئے کہ اس جماعت وصحبت میں کیا ایسے افراد بھی ہیں جو افعالِ قبیحہ سے تائب ہو کر اپنی اصلاح کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور کیا ان میں درحقیقت کوئی نمایاں تبدیلی بھی ہوگئی ہے۔؟

ج:۔ سب سے اہم یہ امر ہے کہ اُس عارفِ کامل کی صحبت میں رہنے کے بعد موصوف کے حال وقال سے دل میں شگفتگی واطمینان پیدا ہوا اور اپنے دل میں اگر کوئی تصفیہ طلب معمہ تھا جو بغیر اظہار کیئے ہوئے حل ہوتا محسوس ہوا یا نہیں؟

د:۔ کیا اس عارفِ کامل کے جملہ اقوال واعمال عین مطابق شریعتِ مطاہرہ ہیں جن کی وضاحت اس طرح قلب وذہن پر ہوئی کہ خود دل میں قائل وعامل ہونے کے لئے صلاحیت پیدا ہونے لگی گو اس سے قبل ایسے کلمات وارشادات سننے کے اور حالات دیکھنے کے صدہا

اتفاقات ہوئے مگر موجودہ لطافت و پذیرائی سے محروم رہا ؟ پس سالک کے لئے یہ ہی ایک بہتر کسوٹی ثابت ہوگا۔

۷:۔ سالک کے لئے لازم ہے کہ عارفِ کامل کو ہمیشہ ہر حال میں صادق القول صادق العمل اور صادق الحال پائے تاکہ جو خزانۂ پوشیدہ اس کے پاس موجود ہے کماحقہٗ اُس سے وہ موصوف الصفات ہے اور دستگیری و رہنمائی کا اہل بھی ہے ؟

مندرجہ بالا چند خصوصیات بادی النظر میں سالک کے لئے ابتدائی تحقیقات سے ہی معنون کی جاسکتی ہیں مگر انتخابِ شیخ کے بعد ہی چند شواہد مقدسہ ایسے بھی علم میں آنے لگتے ہیں جو تحقیق طلب نہیں ہوتے بلکہ شیخ کی ذاتی خصوصیات جو دائرۂ کمالات میں آکر منکشف ہوتی ہیں جن کا تعلق بصیرت و بصارت سے ہوتا ہے کاش کہ اس مہم کے سر کرنے کے لئے سالک کی استمداد غیبی کسی نوعیت سے کی جاسکے مثلاً تصرف فی الخلق سالک کے لئے مفید تر ہے جس کی بدولت وہ اپنی اصلاح باطنی کرتا رہے مگر قلب کی اصلاح فوری نہیں ہوتی بلکہ بتدریج بریاضت حسبِ ہدایاتِ شیخ ہوتی رہتی ہے جس کا انکشاف خود کو نہیں ہوسکتا مگر شیخ اس کے ہر عالم سے واقف رہتا ہے تو سالک بھی اپنے شیخ ہی سے ہمہ تن مصروف و منسوب رہ کر واقف و آگاہ مقاماتِ شیخ ہونے کی جدوجہد جاری رکھتا ہے اور خصوصیات و اوصافِ شیخ کا مشاہدہ کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں اور جو بربنائے تحقیق نہیں بربنائے تصدیق ہیں۔

۱۔ شیخ کامل :۔

وہ عارف باللہ ہوتا ہے جو ریاضات و مجاہدات و مشاہدات کے ذریعہ خود کو عروج و کمال کے مقام تک پہنچا کر دوسروں کے لئے صرف ابتدائی مراحل میں دستگیری و رہنمائی کا اہل بنا سکے یعنی درس و تدریس علمی و عملی تک طالبِ حق کے لئے مفید و مثاب ہوسکے۔

۲۔ شیخ مکمّل :۔

شیخ مکمل سے مراد ہے کہ پہلے کی طرح خود بھی صاحبِ کمال ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی کامل بنا سکتا ہے اور خود جیسا دوسروں کو بھی باکمال بنا دیتا ہے کیونکہ اس میں وہ قوت و قدرت الہیہ متصرف ہوجاتی ہے کہ چشم زدن میں طالع کو صالح۔ محتاج کو غنی۔ گدا کو تونگر بنا سکے حتیٰ کہ خود اپنے کمال کی متوازی شکل دوسروں میں بھی پیدا کر دیتا ہے۔

۳۔ شیخ اکمل :۔

شیخ اکمل وہ بزرگ و برگزیدہ ہستی ہوتا ہے جس میں مذکورہ بالا ہر دو کمالات بدرجہ اتم موجود ہوں یعنی خود حال انتہائے کمال ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی کامل و مکمل بنا سکتا ہے مگر بناتا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو مشاہدہ سے نہ فرصت ملتی ہے اور نہ دوسری طرف متوجہ ہو کر اپنے کمال میں کوئی خلل و دخل کسی نوعیت کا گوارہ کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کا مقام بقا بالحق کہلاتا ہے جس کو مغلوب الحال بھی کہا جاتا ہے۔ پس یہی اوصاف حمیدہ و اخلاقِ پسندیدہ دوسروں کے لئے راہ ہدایت مستقیم بن جاتے ہیں اور اس کی رہبری عین پیرویٔ خدا و رسول ہے کیونکہ اُس کی عظمت عین عظمتِ خداوندی ہے اور اس کی رضامندی عین رضامندیٔ خدا ہو جاتی ہے۔

انہی حضرات کے کمالاتِ باطنی کا اظہار بھی طالبِ حق پر بذریعہ توجۂ القائی۔ توجۂ اصلاحی اور توجۂ اتحادی بسا اوقات ہوتا رہتا ہے جن کا اثر و نفوذ طالب کے دل و دماغ حتیٰ کہ تمام جسم پر خوف کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ کیونکہ طالب کو جس دم رجوع الی اللہ کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی صفاتی عظمت کے بجائے ذاتی عظمت پیدا کر کے اس کے دل میں اپنا خوف پیدا کرتا ہے جس سے خالق و مخلوق کا رابطہ بہ امتیاز عالم وجود میں آجاتا ہے اور طالب اپنے بندہ ہونے کی حیثیت میں خوفزدہ ہو کر وجد و جذب کی حالت اختیار کر لیتا ہے اور عظمت الٰہی سے کانپ اٹھتا ہے۔ مگر یہ عظمت الٰہی جو سالک کے لئے مزید رہنمائی کا باعث ہوتی ہے چار طرح سے قلب و ذہن پر اثر انداز ہوتی ہے۔

اوّل اسم ذات یعنی اللہ کی عظمت و بزرگی عظمت مخلوق کے برابر یا ہم رتبہ دل میں رہے۔ اور کسی طرح عظمت الٰہی مغلوب نہ ہونے پائے

دوئم عظمت الٰہی غالب آجائے عظمت مخلوق پر

سوئم عظمت الٰہی دل میں اس طرح غالب آئے کہ عظمت مخلوق کا وجود بھی باقی نہ رہے

چہارم عظمت الٰہی رگ رگ میں اس طرح پیوست ہو کہ خود اپنا وجود بھی طالب کے لئے نیست و نابود قرار دیا جا سکے۔ جب ہی تو اسم اللہ کی عظمتِ خالقیت قائم ہو کر طالب حق کو عظمت تقرب سے نوازتی ہے۔

اللہ اللہ کیا شانِ کمال اس مبارک نام میں مضمر ہے۔ یہاں ایک واقعہ تائیداً پیش کر دیا جائے تو مسئلہ بالکل واضح ہو جائے گا۔

حضرت شیخ المشائخ ابی بکر محمد شبلیؒ فرماتے ہیں کہ سر بازار ایک دوشیزہ نہایت حسین وجمیل لباسِ فاخرہ میں مگر برہنہ سر اور برہنہ پا نہایت والہانہ انداز میں گذری جس کو دیکھتے ہی معاً کہنا پڑا کہ اگر حُسنِ ازلی سے ہمکنار نہ ہوچکا ہوتا تو خدا جانے کیا حشر ہوتا لہٰذا فوراً میں نے تنبیہہ کی۔

"اے زن سر بپوش" (اے عورت سر ڈھانک لے) جواباً اس نے کہا

"اے شیخ گُل سر نمی پوشد" (اے شیخ پھول سر نہیں ڈھانکتا)

تو میں نے تکرار سے کہا۔

"ترا ہر کہ بیند فریفتہ شود" (تجھ کو جو دیکھے گا عاشق ہوجائے گا) مگر جواباً اس نے فوراً کہا۔

"اے شیخ دروغ می گوئی ہر کہ مرا بیند سوختہ شود" (اے شیخ تم غلط کہتے ہو جو مجھے دیکھے گا جل کر بھسم ہوجائے گا۔

"چنانچہ اس حاضر جوابی پر مجھ کو حیرت ہوئی اور میرے منہ سے بیساختہ اللہ اکبر نکل گیا۔ مگر اللہ اللہ اس نام کی اعجاز نمائی پر قربان کہ اللہ کا نام سنتے ہی جان بحق ہوکر خاک پر گر گئی۔ اور اس کیفیتِ عشق اور عظمت الٰہی کو دیکھ کر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ بارگاہ ایزدی میں اس قسم کے درد و سوز کی خواہش کی تو جواب ملا کہ یہ عورت ایسی طالب حق تھی کہ جس نے ہمارا نام ایک بار سنا تو عاشق ہوگئی۔ دوسری بار سنکر تاب نہ لاسکی تو ہم پہ قربان ہوگئی اور چونکہ ہم جیسے مجرد ہیں ویسا ہی ایک ہمارا عاشق بھی ہر زمانہ میں روئے زمین پر ہوتا ہے اور یہ عورت بھی اسی مرتبہ کی تھی جس نے عظمت الٰہی پر عظمت مخلوق کو قربان کرکے اپنا ایک مقام حاصل کرلیا۔"

جینے والے حسین کہ انداز نیار کھتے ہیں ۔۔۔ موت کے سامنے تسلیم و رضا رکھتے ہیں

شفیق

مگر شبلیؒ کے پیرو مرشد شیخ المشائخ و شیخ الاعظم حضرت جنیدؒ بغدادی نے اسرار و رموز عظمت الٰہی کے یوں بیان فرمائے۔

"اخلاص اللہ اور بندہ کے درمیان ایک راز ہے جس کی خبر کرام الکاتبین کو بھی نہیں حتیٰ کہ شیطان بھی محروم علم ہے۔ اور نہ عقل انسانی کی وہاں تک رسائی ہے۔ کیونکہ جب اللہ جل شانہٗ کا خوف تجھ پر غالب آتا ہے تو ہیبت طاری ہوتی ہے اور احساساتِ قلبی فنا ہونے لگتے ہیں۔ مگر امید ترقی اور تعلق مستقبل انبساط دائمی بھی پیدا کرتے رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عالم بشریت فنا ہوجاتا ہے مگر حقیقت سے

ہمکنار بھی ہو جاتا ہے۔ بہر حال اسی کشمکشِ ذوق و شوق میں میرا رب اپنی وہ عظمت و شان مجھ کو دکھاتا ہے کہ خوف و رجا دور کر کے مجھ کو اپنی اصلی صورت پر پھر واپس کر دیتا ہے۔ اور غیر بنا کر موجود کر دیتا ہے۔ یعنی موجود سے عدم اور عدم سے موجود بنا دینا اس کے لئے مجھ پر ایک مشق و مشغلہ بن جاتا ہے۔ الغرض وہ جلّ شانہٗ ان تمام حالتوں میں بجائے روکنے کے مجھے حرکت دینے والا اور بجائے اُنس دینے کے وحشت دلانے والا ہے میں اپنے حضور سے اپنی ہستی میں مبتلا رہتا ہوں اور کاش اپنی ذات میں مجھے فنا کر دیتا تو میں لطف اٹھاتا یا مجھے میری ذات سے غائب کر دیتا تو مجھے آرام ملتا۔" رسالہ قشیریہ

حضرت جنیدؒ یہ ہی نہیں کہ اپنے عوالم و کیفیات کو بیان کرنے پر ہی اکتفا کرتے بلکہ اپنا کمالِ باطنی اور شغف علم قرآن کو یوں بھی ظاہر فرماتے ہیں۔ بھلا غور کرنے کی بات ہے کہ آپ کی روحانی حس آپ کے مرشد حضرت سری سقطیؒ کی قوت باطنی پر غالب آگئی۔ فرماتے ہیں کہ

"میں اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ اُن کے پاس ایک نوجوان بیہوش پڑا ہے۔ میں نے پوچھا حضرت اس کو کیا ہو گیا تو شیخ نے فرمایا کہ قرآن کی صرف ایک آیت سنی تھی کہ چیخ مار کر بیہوش ہو گیا ہے۔ تو میں نے کہا بس تو وہی آیت پھر پڑھ کر سنا دیجئے ہوش میں آجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تو وہ ہوش میں آگیا مگر پیر و مرشد کو اپنے مرید کی اس روحانی قوتِ کمال پر حیرت ہوئی اور دریافت فرمایا کہ یہ تدبیر کیونکر اور کس سے معلوم ہوئی تو میں نے کہا حضرت یوسف علیہ السّلام کے کرتے سے حضرت یعقوب علیہ السّلام کی آنکھیں جاتی رہی تھیں مگر پھر اسی کرتے سے وہ آنکھیں پر نور ہو گئی تھیں۔"

ایسی ہی ایک دوسری مثال عظمت الٰہی کے قیام کی بڑی وضاحت و صراحت سے حضرت جنیدؒ بغدادی کی ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔

آپ صغیر سنی میں فریضہ حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے جہاں ایک دن آپ نے اہل اللہ کے مجمع میں شریکِ صحبت ہو کر ان بزرگوں کی گفتگو سے استفادہ حاصل کرنا چاہا۔ مگر ان سب حضرات نے آپ کی طرف مخاطب ہو کر سوال کیا کہ عشقِ الٰہی پر اظہارِ خیالات کیا جائے۔ مگر آپ نے سر جھکا لیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے کہنا شروع کیا کہ

"جو بندہ اپنے نفس سے گذرنے والا ہے اپنے پروردگار کے ذکر سے قریب ہے۔ اُس کے حقوق ادا کرنے کے لئے ہر حال میں مستعد ہے۔ دل کی آنکھوں سے اُس کا جمال دیکھ رہا ہے۔ ایسے بندہ کا دل اس کی تجلیوں سے جل گیا۔ اور محبت الٰہی کے جام میں شرابِ شوق بھر کر اس نے پی لی۔

تو کیا ہوا کہ وہ خدائے جبّار اپنے غیب کے پردے اٹھا کے نمایاں ہوا۔ اور بندہ کی یہ حالت ہو گئی کہ اگر کلام کرتا ہے اللہ کا۔ زبان سے نکلتا ہے تو لفظ اللہ کا۔ اگر حرکت کرتا ہے تو اللہ کے حکم سے اور اگر ٹھہرتا ہے تو اللہ کے ساتھ۔ خلاصہ یہ کہ اب وہ اللہ سے ہے۔ اللہ کے لئے ہے اور اللہ ہی کے ساتھ ہے۔"

عقل آمد دین و دنیا شد خراب　　　عشق آمد در دو عالم کامیاب

نثار

یہاں تک آپ نے بیان کیا تھا کہ تمام اہلِ مجلس بیتاب ہو کر رونے لگے اور سب نے کہا کہ اس سے بڑھکر عظمت، محبت و اخلاص الٰہی کا بیان کیا ہو سکتا ہے۔

دراصل عشقِ الٰہی اور عظمتِ الٰہی اسی کو کہتے ہیں کہ نیم شبی عبادتِ الٰہی میں تو سیدنا صدیق اکبرؓ مشغول ہوں مگر لوگوں کو محسوس ہو کہ صدیقؓ کے گھر میں کباب کی ہانڈی بھونی جا رہی ہے۔ یا نماز ادا کرنے سے قبل شیرِ خدا حضرت علیؓ کا چہرہ زرد پڑ جائے جیسے عظمت الٰہی سے شدید عالم دہشت و ہیبت طاری ہو گیا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ بغیر اخلاص و محبت عبادتِ الٰہی ایسی ہے جیسے تصویر بے جان۔ چنانچہ اخلاص دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی الفت سے یا عظمت سے لیکن مرتبہ الفت کا مقدم ہے عظمت پر کیونکہ جب تک الفت اپنے درجۂ کمال تک نہیں پہنچتی عظمت کا آغاز ہی نہیں ہوتا اور عظمت کی انتہا دراصل اخلاص کے لباس میں آجاتی ہے اسی وجہ سے محققین کی رائے ہے کہ الفت کی علامت وجد و سکر ہے۔ جس کا طریقۂ کار مجاہدات و ریاضات ہیں۔ اسی طرح عظمت کی علامت محو و صحو ہے۔ جس کا طریقۂ کار مشاہدات ہیں اور اخلاص کی علامت حیات بعد الموت ہے۔ (یعنی بندہ کی صفات اور بندہ کے افعال کا فنا ہو جانا اور ان کی جگہ خدا کی صفات اور خدا کے افعال کو قائم ہونا) اور یہ ہی انتہائے سلوک ہے جس کی بدولت رب العزت اپنی مخلوق میں ایسے بندہ کو جو مذکورہ بالا منازل و مراحل میں کامیاب ہو چکا ہو مختار او ہادی قرار دیتا ہے۔ جو سالکانِ راہ طریقت کے لئے رہنمائی بھی کرتا ہے۔

کمالِ عشق کا اتنا تو راز داں ہوں میں　　　مرے ہی جلوے ہیں چار و نظرف جہاں ہوں میں
شفیق اپنی حقیقت نوا زیاں تو بہ　　　کہ بے نیاز تمنائے دو جہاں ہوں میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اپنے فضل و کرم سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے چار دریائے علوم ظاہری و باطنی **شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ اور معرفت** کے جاری فرما کر اصل سرچشمۂ نبوت و محبوبیت حضرت رسالتمآب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی قرار دیا اور بعد

آنحضرت آپ کی آل و اصحاب کبار۔ تابعین تبع تابعین۔ عشرۂ مبشرہ۔ صالحین۔ صدیقین۔ مشائخین وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ اس سرائے فانی میں حیات جاودانی حاصل کرنے کے لئے آبِ حیات کی ندیاں اور نہریں خلق اللہ کی غرض سے جاری فرما دیں جو تا قیامِ قیامت سلسلہ قائم رہے گا۔

مشائخین و اولیائے کاملین عام طور پر چار ہی سلسلوں سے اپنی وابستگی ملحوظ رکھتے ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

(۱) سلسلہ قادریہ (۲) سلسلہ نقشبندیہ (۳) سلسلہ چشتیہ اور (۴) سلسلہ سہروردیہ۔

یہاں ایک نکتۂ لطیف بھی اگر بیان کر دیا جائے تو سونے پر سہاگہ ہو جائے گا۔ یعنی ایوان دین اسلام کے ستون بھی چار ہی ہیں یعنی

(۱) سیدنا ابوبکر صدیقؓ (۲) سیدنا عمر فاروقؓ (۳) سیدنا عثمان غنیؓ اور (۴) سیدنا علیؓ ابن ابی طالب جن کے اقوال و اعمال حسنہ بھی اس باب میں بمصداق شہ رگ ہیں اور انہی حضرات کی تقلید و تائید میں چار آئمہ فقہائے عالم مجتہدین۔ مفسرینِ دین متین بھی ہوئے جو

(۱) حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ (۲) حضرت امام مالکؒ (۳) حضرت امام شافعیؒ اور (۴) حضرت امام احمد حنبلؒ اپنے اپنے زمانے میں آفتاب و مہتاب دین بھی تسلیم کئے جا چکے ہیں اور انہی حضرات کی قوتِ اجتہاد نے آج تک وہ شمعیں ہدایات کی روشن کی ہیں کہ فروغ دین میں برابر ترقی ہو رہی ہے

خدا کا ہزار ہزار احسان ہے کہ مفکرین اور متحققین نے متذکرہ بالا برگزیدہ ہستیوں کے اتباعِ سلوک اور تقلید میں کبھی کوئی اختلاف یا افتراق کی صورت نہ پیدا ہونے دی بلکہ تعلیم و تقلیب کا سرچشمہ ذات محمد رسول اللہ کو ہی قرار دیا۔ گو راستے جدا جدا ضرور اختیار کئے گئے مگر مرکز سے علیحدگی کا شائبہ تک نہ پیدا ہونے دیا یہ ہی علوم ظاہر و علوم باطن کی صداقت کی بیّن دلیل ہے۔ یہ بالکل ایسی بات ہے کہ "فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست"

کہیں مشائخین دربار ولایت سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ سے فیضیاب ہوئے اور ولی اللہ کے لقب سے پکارے گئے لیکن کہیں ایسے صالحین کرام بھی پیدا ہوئے جو دریائے معرفت سے سیراب ہو کر صدیقین میں شمار کئے گئے۔ اور اپنے کو سیدنا صدیق اکبرؓ سے منسوب کیا۔ مگر ہر دو سالکینِ کرام منتہائے مقام نبوت سے بالآخر فیض یاب ہوئے تو کہنا پڑتا ہے۔

"کند ہم جنس با ہم جنس پرواز"

کیونکہ نظامِ کائنات ہی کچھ اسی انداز سے قائم ہے کہ

"ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"

یعنی تخلیقی خاصیت بھی تو کارفرمائے سلوک رہتی ہے۔ کسی کو مٹھاس مرغوب ہوتی ہے تو کسی کو نمکین محبوب ہے۔ لہذا سالک جب تحقیق و تصدیق کے عالم میں داخل ہوتا ہے تو اپنی خاصیت وخصوصیت جو اُس کو تخلیقی طور پر تفویض ہوئی ہے۔ اُس کے مطابق جستجو و تلاش اس کے لئے مقدر ہو سکتی ہے جس کو ترک کرنا اُس کے قبضۂ قدرت میں نہیں ہوتا بلکہ اسی کے سہارے میدانِ جدوجہد میں دوڑنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ ہی فطرتِ انسانی کا قاعدۂ کلّیہ ہے۔

مزید برآں مندرجہ بالا چار سلسلوں کے علاوہ جس جس معاشرہ و ماحول میں عظیم سالکانِ علم حقیقت ومعرفت نے حصول علم باطنی کے لئے میدانِ ریاضت میں جدوجہد کر کے منزلِ مقصود و مطلوب کو حاصل کیا ہے مختصراً ہی تعارف کے مستحق ضرور ہیں کیونکہ ان حضرات نے ہی اپنے اپنے طرزِ سلوک کو ایک گونہ مختلف الحال وقال ضرور جائز رکھا مگر اس راہ طریقت میں ان حضرات نے بھی اپنا ایک ممتاز مقام ضرور حاصل کیا جو سالک کی رہنمائی کے لئے ایک شمع ہدایت ومعرفت کی حیثیت رکھتا ہے جس کا اظہار اس موزوں مقام پر نہایت مناسب خیال کیا جاتا ہے۔

۱۔ جس طرح سلسلۂ قادریہ منسوب ہے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے۔

۲۔ سلسلہ نقشبندیہ منسوب ہے شیخ المشائخ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ سے۔

۳۔ سلسلہ چشتیہ منسوب ہے خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ سے۔ ضمناً خواجہ معین الدین غریب نوازؒ سے۔

۴۔ سلسلہ سہروردیہ منسوب ہے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے۔

نو دیگر اکابرین طریقت کے سلسلے بھی اسی طرح روشناس عالم ہیں۔ گو مرجع و مخزن سب کا ایک ہی ہے مگر راہ سلوک ومعرفت قدرے حالات کے ساتھ ساتھ بدلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ مندرجہ ذیل مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) اویسیہ منسوب ہے سیدنا حضرت اویسؓ قرنی سے۔

(۲) قلندریہ " " حضرت سید سعید شہبازؒ قلندر سے۔

(۳) مجددیہ " " امام ربانیؒ مجدد الف ثانی سے۔

(۴) صابریہ " " خواجہ علاء الدین احمدؒ صابر کلیری سے۔

(۵) ابو العلائیہ " " خواجہ میر سیدنا ابو العلاؒ اکبرآبادی سے۔

(۶) وارثیہ " " حضرت حاجی سید وارثؒ علی شاہ سے۔ وغیرہ وغیرہ

ان حضرات کا شمار بھی علم شریعت اور طریقت میں فضلا اکابر ظاہر و باطن کے زمرہ میں ہے ۔کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ علماً ۔ حالاً ۔ عرفاً ۔ اور اصلاً ہو کر حقیقت و معرفت کے علم کو فعلاً اور اسماً زندہ کرنے والے رہے ہیں اور عقائد کے مطابق بھی انہی کو ولایت عظمیٰ اور صدیقیت کبریٰ کا مالک پایا گیا ہے ۔جیسا کہ متحققین اور غواصان بحرِ معرفت کی تحقیقاتی انکشافات سے واضح ہوتا ہے کہ

"ہر ملک اور ہر شہر میں علاوہ غوث کے ایک قطب بھی ہوتا ہے اُس کے سبب سے اللہ تعالیٰ اُس ملک و شہر کو محفوظ رکھتا ہے ۔خواہ اُس ملک و شہر میں کافر آباد ہوں یا مومن ۔اور ہر قطب اپنے عالم میں اُس زمانے تک رہتا ہے جب تک خدا چاہتا ہے ۔ پھر دوسرے قطب کے آنے سے اُس کی دعوت اور حکومت منسوخ ہو جاتی ہے ۔ جیسے کہ پہلے نبی کی شریعت دوسرے نبی کی شریعت سے منسوخ ہو جاتی ہے اور قطب کی دعوت سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ حکم یا تاثیر اُسکی ہوتی ہے وہ سب منسوخ ہو جاتی ہے ۔"

چونکہ مدت قطبیت مختلف ہے یعنی زیادہ سے زیادہ ۳۳ برس چار مہینہ ٹھہرتے ہیں اور کم از کم مدت تین سال ہے اس ضمن میں تائیداً اگر زمانہ خلافت راشدہ کو پیش کر دیا جائے تو تصدیق مسئلہ بھی ہو جاتی ہے ۔کیونکہ یہ ہی مدت خلافت بھی ہے جو حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ و علیؓ سے منسوب ہے تو پھر یہ ہی کیوں نہ کہا جائے کہ یہ حضرات بھی اپنے وقت کے قطب ہی ہوئے ہیں ؟

فتوحات کے ۳۷ باب میں شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ

"عالم وقت بھی قطب سے خالی نہیں ہوتا ہے ۔ جیسے کہ رسل علیہ السلام سے خالی ہے اور اسی واسطے اللہ نے چار نبیوں کو زندہ رکھا ہے تین اُن میں سے نبی مُشترع ہیں یعنی ادریسؑ ، الیاسؑ اور عیسٰی علیہ السلام ہیں ۔اور ایک اُن میں سے علم لدنی کا حامل ہے ۔ وہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور اس کی وضاحت یہی ہے کہ دین حنفی کے چار رکن ہیں جیسا کہ گھر کے چار رکن ہوتے ہیں اور وہ **رُسل ۔ انبیا ۔ اولیاء اور مومنین** ہیں ۔"

آگے چل کر شیخ اکبرؒ فتوحات کے ۳۸۳ باب میں فرماتے ہیں کہ

"قطب سے تمام دائرۂ وجودِ عالم کون و فساد کی محافظت ہوتی ہے ۔کیونکہ قطب کے تحت امام ۔ اوتاد اور ابدال ہوتے ہیں جن پر تمام ذمہ داری قطب کی جانب سے ہوتی ہے اور قطب ہی ان سب کا محافظ اور نگہبان افسر قرار دیا گیا ہے ۔"

پس بہ وثوق کہنا پڑتا ہے کہ اولیاء کاشفین اسرار و رموز ہیں جن کا حصول علوم غیب میں راسخ

قدم رہا ہے اور انہی حضرات کی شانِ کمالات اور ان کے مجاہدات سے ہی پہچانی جاسکتی ہے تو قیود و حصار ان کی راہ میں حائل نہیں ہوتے۔ فقط راستہ کا اختلاف ہے جس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ نصاب تصوف کا تکملہ ان کے نزدیک مقدم ترین فریضہ ہوتا ہے۔ تاہم بعمیق نظر تحقیقات کی جائے تو واضح ہو جائے گا کہ اگر کسی مسئلہ حقیقت و معرفت میں قادری چشتی اور سہروردی متفق ہیں تو نقشبندی حضرات کے لیئے وہی اتفاق ضروری نہیں تسلیم کیا گیا۔ جیسے غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حنبلی تھے مگر قادریہ سلسلہ میں حنبلی ہونے کی کوئی قید نہیں ہے اور خواجہ معین الدینؒ چشتی اجمیری شافعی تھے۔ مگر چشتیہ سلسلہ میں بھی کوئی قید شافعی ہونے کی نہیں ہے کیونکہ آپ کے مرید خاص قطب الدینؒ بختیار کاکی خود حنفی تھے۔ پس اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ چاروں متذکرہ بالا سلسلوں سے وابستہ ہو کر یا بغیر وابستگی کے جن حضرات نے عروج و کمال حاصل کیا اور واجب التعظیم ثابت ہوئے ان کے پیش نظر یہ بھی اصول ضرور رہا ہے کہ **تقلید کی بھی ایک حد ہے اور اس کے بعد تحقیق** ۔ مگر ہر حال میں فضل ایزدی ضرور ان کا حامی و مددگار رہی ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ایک ممتاز مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور آج بھی سالکان راہ طریقت ان حضرات کی تقلید و تائید میں مصروف کار ہیں اور انہیں رہبر کامل اپنے لئے بذوق و شوق قرار دیتے ہیں۔ بلکہ اس راہ میں منزل مقصود تک رسائی بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ کیونکہ ان حضرات کا تحقیقی عقیدہ ہو جاتا ہے کہ ریاضت اور مجاہدہ معرفت و وجدانی کے ابتدائی مراحل ہیں اور ذکر و فکر سے حقیقی معرفت وجدانی حاصل ہوتی ہے اور یہ ہی جملہ امورات مرکوز بعشق الٰہی ہو جاتے ہیں جو وجہ کامرانی بنجاتے ہیں۔ مثلاً کسی شے کا ذکر اُس شے کا تصور ہے جو قلب و ذہن میں حاصل ہوتا ہے۔ اگر یہ تصور صاف صاف منکشف اور متمیز ہوگا تو فکر بھی صحیح ہے۔ لیکن تصور صاف صاف قلب میں حاصل نہیں ہو سکتا جب تک توجہ تام نہ ہوا اور توجہ تام اُس شئے کے ماسوا یہاں تک کہ اپنی خودی کو محو کرنے کے بعد ہی ہوتی ہے اسی کو اصطلاحی شکل میں "عشق" کہتے ہیں۔ عاشق اپنے معشوق کی یاد میں ایسا محو ہوتا ہے کہ اپنی خودی سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ پس ذکر الٰہی کا حق بھی عشق ہی کے ذریعہ ادا ہو سکتا ہے ورنہ

"بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر   ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر"

حافظ

امامِ اہل اللہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ

یعنی سب سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں۔ مہاجرین اور انصار اور بعد ازاں وہ لوگ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی۔

اس ضمن میں ارشاد نبوی صلعم ہے۔

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ

"یعنی سب زمانوں سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر اُس کے بعد کا زمانہ اور پھر اُس کے بعد کا زمانہ"

"یعنی صحابہ۔ تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ"

تاریخ اور تصنیفاتِ مستند سے ثابت ہے کہ فضل و کمال اور جلالت قدر و کمالاتِ باطنی میں اعلیٰ مدارج و عروج سیدنا حضرت اویسؓ قرنی نے وہ حاصل کئے جس پر تمام عالم نے اتفاق کیا ہے کہ وہ تابعین میں نہایت عظیم المرتبت امام تصوف آنحضرت کی حیاتِ بشری میں ہو گئے جو مشرف بدیدار نبیؐ نہ ہونے ہوئے بھی جملہ مراحلِ دینی طے کر چکے تھے۔ لیکن محرومِ دیدار نبیؐ بالجسد ضرور تھے تو مشرف بدیدار نبیؐ بحقیقت اس درجہ تھے کہ عشق محبوب کے دریائے ناپیدا کنار میں بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا کہہ کر ایسے غوطہ زن ہوئے کہ پھر سر نہ اٹھایا اور فنا فی الرّسول ہو کر فنا فی اللہ ہو گئے۔ اور ہمہ وقت مشاہدۂ ذاتِ الوہیت میں مصروف رہتے اسی کو شیخ سعدیؒ نے بڑے پیارے انداز میں فرمایا ہے۔

ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند	کانرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد
اے مرغِ سحر عشق ز پروانہ بیاموز	کاں سوختہ جاں را شد و آواز نیامد

منجملہ دیگر اوصافِ حمیدہ کے چند مخصوص حالات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تابعین میں بھی اس امتیازی شان و عظمت کے مالک حضرت اویسؓ تھے کہ مثال دوسری نظر نہیں آتی۔ یعنی

۱۔ آپ کو جمالِ جہان آرا رسولِ اکرمؐ کا جسدی عالم میں دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا۔

۲۔ مجلسی صحبت و علمیت رسالتمآبؐ حاصل کرنے کا اتفاق نہ ہو سکا۔

۳۔ قرب و بُعد رسولؐ کا امتیاز حاصل کرنے کا اتفاق بھی نہ ہوا۔

۴۔ محبوب کبریا سے حالاً۔ فعلاً۔ قالاً۔ بذاتہ و بالجسدہ مشرف بہ نیاز نہ ہو سکے۔ مگر درجۂ

کمال یہ ہے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر خلیفہ دوم اور خلیفہ چہارم تلاش حضرت اویس قرنیؓ کی صحرائے قرن میں کرتے پھرتے ہیں۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے۔ قیامت کے دن آپ سے شفاعتِ اُمت کرائی جائے گی۔ دیدارِ رسولؐ کی تاب نہ لاکر جان بحق ہوجانے کا احتمال تھا۔ یہ چند خصوصیات تو مستند تسلیم کی گئی ہیں مگر اللہ رے عجائبات عشق کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ تحقیقات و تصنیفات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت اویسؓ قرنی کو لوگوں نے قرن۔ بصرہ اور کوفہ کے جنگلوں میں بحال از خود رفتہ دیکھا۔ تارک الدنیا بھی تھے۔ نہ خود دنیا والوں سے کسی قسم کا لگاؤ رکھتے تھے اور نہ دنیا والوں کی سی بود و باش اختیار کرتے۔ نہ کچھ کھاتے پیتے نظر آتے۔ لیکن ہمہ وقت بے خود و مغلوب الحال رہتے۔ نہ کسی دنیا دار سے مخاطب ہوتے اور نہ کسی دنیادار کو اپنی طرف مخاطب ہونے کا موقعہ دیتے۔ مگر متابعت حضرت رسول اکرمؐ اس درجہ مرغوب و محبوب ہوچکی تھی کہ استغراقی کیفیات نے حضرت اویسؓ قرنی کو انوار الصّفات سے ترقی دیکر انوار الذّات تک رسائی کرادی۔ الغرض آپ اپنی روحانی و باطنی کیفیات میں محو رہ کر جمال یار کے مشاہدہ کی لذتوں میں گم رہتے اور یہ ہی آپ کی معراج تھی۔ بہر حال جب حضرات سیدنا عمرؓ، علیؓ نے آپ کو بڑی جستجو و تلاش کے بعد نماز میں مصروف پایا اور آنحضرت کا پیغامِ مقدس آپ کو پہنچایا تو بحالت رقّت و جذب آپ کی خصوصیاتِ باطنی اور کمالات روحانی کا انکشاف اس طور پر ہونے لگا کہ ان دونوں حضراتِ صحابہ کرام کو جس فرض کی ادائیگی کے لئے منجانب رسالتمآبؐ مامور کیا گیا تھا حیران و ششدر رہ گئے۔ یعنی ادائیگی نماز کے بعد ہی آپ نے شفاعتِ اُمتِ محمدیہؐ کے لئے دعا کی اور امیرین سے نہایت مودّبانہ انداز میں اجازتِ رخصت چاہی۔

اب اگر اس مقام پر یہ سوال اٹھایا جائے کہ فضیلت صحابہ کرام مقدم رہتی ہے یا حضرتِ اویسؓ قرنی مافوق الفضیلت ہوئے تو بحث کا طول ہوجانا ممکن ہے۔ مگر اس مسئلہ کو تشنہ چھوڑ دینا بھی موزوں اور مناسب نہیں حالانکہ فتوحات مکّی کے باب ۳۴۶ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ

"قرنِ اول والوں کو صرف قوتِ ایمان سے فضیلت ہے ورنہ تابعین کو اکثر صحابہ سے علم میں فوقیت و فضیلت حاصل ہوئی۔ اور تبع تابعین اکثر تابعین سے عمل میں بڑھ گئے۔"

چنانچہ معلوم ہوا کہ فضیلت ایک وہ لامحدود صفت بشری ہے جس کو انسان اپنی ذاتی جد و جہد سے بھی حاصل کرتا ہے اور بتوفیق ایزدی بھی حاصل ہوتی ہے یعنی یہ ہی وہ خصوصیت ہے جو وہبی

اور کسبی نوعیت رکھتی ہے۔ مگر فضیلت بمعنی فوقیت جب بھی استعمال کی جائے گی تو اُس کی نوعیت اور حیثیت مختلف النوع ہونا ضروری ہو جاتی ہے۔ اس مسئلہ کو آسان اور عام فہم بنانے کے لئے اگر فضیلت ابو بکر صدّیقؓ کا حوالہ یہاں پیش کیا جائے تو مناسب ہو گا۔

شیخ اکبر فتوحات کے ۹۳ باب میں فرماتے ہیں کہ

"امت محمدیہ میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو ابو بکر صدّیقؓ سے سوائے حضرتِ عیسٰی علیہ السلام کے افضل ہو۔ کیونکہ جب حضرتِ عیسٰی علیہ السلام کا ظہور ہو گا تو وہ اسی شریعت محمدیؐ کی تبلیغ کریں گے۔ اور قیامت میں اُن کے دو حشر ہوں گے ایک حشر انبیا کے ساتھ دوسرا حشر اولیا کے زمرہ میں ہو گا۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ سوائے حضرت خضر علیہ السلام کے سب سے افضل ہیں کیونکہ ان کا مقام برزخ ہے یعنی وہ ولایت اور نبوت کے بیچ میں ہیں۔"

اسی مسئلہ فضیلت کو حضرت ابو سعود بن شبلیؒ یوں واضح فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدّیقؓ کا تعلق خدا سے اس درجہ ہو گیا کہ عروج و نزول کو وہ اللہ سے رسولِ اکرمؐ کے واسطے سے لینے لگے تو اُس وقت رسول اللہ نے قضا کی اور اسی وجہ سے جو سرِّ خفی سینۂ ابو بکر میں پوشیدہ تھا بعدِ وصال ظاہر ہو گیا یعنی ابو بکرؓ حق تعالٰی کی طرف **اکیلے** متوجہ ہو گئے جن میں کوئی حرکت و سکون بغیر حکم خدا کے نہیں رہا اور اسی وجہ سے وہ دوسروں پر فضیلت رکھتے تھے اور منبر رسول پر چڑھ کر حقائق امور کی وضاحت کرنے لگے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

"یعنی محمدؐ بھی رسول تھے جیسے اور رسول تھے جو گذر گئے۔"

تو معلوم ہوا کہ راہ طریقت میں علم کا درجہ ایک عظیم الشان حیثیت رکھتا ہے۔ مگر علم کے ساتھ ساتھ یقین بھی ایک جزو لاینفک ہے۔ اب اس علم و یقین کی حقیقت ظاہری و باطنی بھی واضح ہونا ضروری ہے۔ جس کی مثال یہ ہے کہ۔

خواجہ حسن بصریؒ کو اگر ماحول نبوت کا پروردہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا کیونکہ آپ حضرت ام المومنین اُم سلمٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا کی خادمہ کے صاحبزادے تھے جن کو اکثر اُم المومنین شفقتِ مادرانہ سے نوازتی رہتی تھیں۔ جن کا نام سیدنا حضرت فاروقؓ نے حسن تجویز فرمایا اور آپ ہی نے ایک سو تیس صحابہ کرام کی زیارت فرمائی اور آپ ہی حضرت امام حسن علیہ السلام کے مرید بھی تھے مگر سنِ شعور میں

نہ ہونے کے باعث آپ کا شمار صحابہ میں نہیں ہو سکا۔ لیکن تابعین کی صف اوّل میں ضرور تھے۔ اور خرقہ خلافت آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت امام حسن علیہ السلام سے حاصل کیا تھا تو شرف و بزرگی میں اور علم و عمل میں صاحبِ کمالات و وارداتِ الٰہیہ ہوئے ہیں۔ اور خواجہ حسن بصری کے نامِ نامی سے چار دانگِ عالم میں مشہور رہیں۔ آپ کے مریدِ صادق حضرتِ حبیب عجمیؒ بھی ہوئے ہیں۔ سوئے اتفاق کہ دریائے دجلہ کے کنارے پیر و مرید کی ملاقات ہوئی اور حضرت حبیب عجمیؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ حسن بصری سے دریافت فرمایا کہ

"کہاں جانے کا قصد ہے؟" تو آپ نے جواباً فرمایا "کہ کشتی میں روانہ ہو کر جانا ہے" جس پر حضرت حبیبؒ نے فرمایا کہ "اسباب و علل پر بھروسہ کرنے کی بجائے مسبب پر ہی بھروسہ کافی ہے۔ میں نے آپ سے تحصیل علم ضرور کیا۔ مگر یقین بذریعہ مجاہدات حاصل کیا جس کی بدولت یہ دولت حاصل کی کہ تمام حال و قال سپرد خدا ہیں۔"

اور پانی پر پاؤں رکھ کر دریا میں سے گذر کر اُس پار چلے گئے اس عالم کو خواجہ حسن بصریؒ نے ملاحظ فرما کر اللّٰہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور بیہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ "میرے علم نے اور حبیب کے علم و عمل یعنی یقین کامل نے اس مقام عروج تک اُس کو پہنچایا۔"

لیکن اس واقعہ سے نہ تخفیفِ مرتبۂ خواجہ حسن بصریؒ ہوا اور نہ فضیلتِ حضرتِ حبیبؒ عجمی مرشد پر قائم ہو سکی کیونکہ علم وہ بحرِ ناپیدا کنار ہے کہ جس کے ذریعہ سے عمل اور یقین عالم وجود میں آتے ہیں اور کراماتِ ولی کا اظہار ان سب کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ فضیلت مرشد ہی مرید کی رہنمائی کا سبب تسلیم کیجائیگی اب اس علم و کلام کی مختصر بحث بغرضِ وضاحتِ مزید کر دی جائے تو مسئلہ آسان ہو جائے گا۔ در حقیقت کلام الٰہی نبیؐ اکرم کی زبان سے ظاہر ہوا جو تنزلات علمی کی بنیاد پر تھا اور کلام کی شکل اختیار کر گیا۔ لیکن اس نے معانی اور حقیقت اپنی قائم و دائم رکھی کیونکہ یہ کلام نبیؐ اکرم کی خود کی ایجاد نہیں تھا اور نہ اپنے ذاتی شواہد سے تعلق رکھتا تھا۔ بلکہ جو ذاتی بنکر سامنے آیا وہ حدیث ہو گیا اور جو ماورائے ذات نبوی تھا وہ ہی کلام کلام الٰہی یا قرآن حکیم کی شکل میں ہم تک پہنچ گیا۔ "اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا" یعنی وہی علم و کلام جو راہِ حقیقت سے آتا ہے اگر سماعت و بصارت (سننے اور پڑھنے) کے ذریعہ سے دماغ میں اثر انداز ہو کر دل کی گہرائیوں میں اثر پذیر ہو جائے اور اسی علم و کلامِ حقیقت کو دراصل حقیقت علم و کلام یقین کی حد تک منسوب و مانوس کیا جا سکے تو اس بندہ سالک کے لئے مقامات عروج و نزول کا حاصل کرنا ایک مشغلہ شب و روز بن جاتا ہے اور علم کی

روشنی میں اس کو راہ مستقیم نظر آنے لگتی ہے۔ مگر اس بحث سے واضح ہو گیا ہے کہ علم و کلام ہی ابتدائی منزل ہے جو کسی رہنما۔ پیر۔ عالم۔ فقیہہ یا برگزیدہ ہستی کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے اور جو ہر حالت میں مافوق الفضیلت کی حامل ہوتی ہے۔

تجدید بحث کے لئے اور موضوع کو مزید روشن بنانے کے لئے شیخ اکبرؒ کی تحقیق کو بطور سند اگر فکر و ذہن میں محفوظ رکھنے کی غرض سے دہرا دیا جائے تو ایک گونہ تقویت و تازگی پیدا ہو جائیگی۔ یعنی

"قرن اول والوں کو صرف قوتِ **ایمان** سے فضیلت ہے ورنہ تابعین کو اکثر صحابہؓ سے **علم** میں فوقیت و فضیلت حاصل ہوئی اور تبعِ تابعین اکثر تابعین سے **عمل** میں بڑھ گئے۔"

اب اس کا تجزیہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ **ایمان** وہ نعمت الٰہیہ ہے جو بتوسط نبی اکرم عطا ہو **علم** سے مراد علم لدنی ہے جو بعد حصولِ ایمان مومن کو بارگاہِ نبوت سے رحمت محمدیہ کی شکل میں نصیب ہو اور **عمل** ان دونوں مذکورہ بالا انعام و اکرام کا ثمر حقیقت ہے جو مجاہدات و مشاہدات کی شکل میں حاصل ہو۔ چنانچہ **صحابہ** کے لئے مقدم **ایمان** ہو گیا۔ جو جڑ بن گیا شجرِ اسلام کا۔ تقویت ایمان کے لئے **علم** ضروری تھا تو **تابعین** کے اجتہاد نے شجرِ اسلام کو قوت پہنچائی بالآخر **عمل** ایک جزو لاینفک بنکر دونوں ایمان اور علم کے لئے بذریعہ **تبعِ تابعین** اپنے عروج لازوال کی شکل میں نمودار ہوا تو کہنا پڑتا ہے کہ اس تدریجی ارتقائے اسلام کی خوشخبری آنحضرتؐ نے خود بہت پہلے دے دی تھی۔ جو آج بھی تبعِ تابعین کے ذریعہ جاری ہے۔ اور قیامت تک یہ سلسلہ لامتناہی جاری رہے گا۔ مگر فضیلتِ تابعین کا مسئلہ حضوریِ صحابہ میں کیونکر فیصل ہو سکتا ہے پھر بھی باقی رہ جاتا ہے۔

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ دو صحابہ کرام ہیں کہ جو جلیل القدر بھی ہیں مقربین بارگاہ رسالت بھی ہیں اور ہر دو امیر المومنین بھی ہیں مگر حاضری کے لئے تشریف لاتے ہیں تو حضرت اویسؓ کی مجلس صحرانوردی میں جن کا شمار تابعین میں ہے یہ کیونکر؟ یہاں اس کا جواب صرف ایمان، **علم**۔ اور **عمل** ہی کے تحت ممکن ہے۔ تاکہ حفظ مراتب قائم رہے اور یہ معمہ بھی حل ہو جائے۔ کیا اچھا ہو کہ اگر مکالمۂ طرفین جو خواجہ فریدالدین عطارؒ نے تذکرۃ الاولیا میں رقم فرمایا ہے نقل کیا جائے۔

جب آنحضرتؐ نے قبل از وصال ارشاد فرمایا کہ آپ کا مرقع بذریعہ سیدنا عمرؓ و علیؓ حضرت اویسؓ قرنی کو پہنچا دیا جائے۔

"اُوَیْسُ الْقَرْنِیْ خَیْرُ التَّابِعِیْنَ بِاِحْسَانٍ وَعَطْفٍ"

"یعنی اویس رضؑ قرنی احسان و عطف کی رو سے تابعین میں بہت اچھے ہیں۔"

دوسرے موقع پر ارشاد گرامی ہوا ہے کہ "قیامت کے دن میری امت کے گنہگاروں کی شفاعت اویس رضؑ کی سفارش پر خداوند عالم منظور فرمائے گا۔"

ایک دفعہ آنحضرت نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "بروز قیامت میدانِ حشر میں اویس رضؑ کو بہشت میں داخل ہوتے وقت اہل محشر نہ دیکھ سکیں گے۔ اور میں نے اویس رضؑ کو دنیا میں باطنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

چنانچہ بعد وفات آنحضرتؐ و حضرت ابوبکرؓ جبکہ سیدنا عمر فاروقؓ نے بحیثیت امیرالمومنین بہمراہی سیدنا علیؓ کوفہ میں پہنچکر تعمیل حکم رسالتمآبؐ کی سعادت حاصل کرنا چاہی اور بتلائے ہوئے پتہ پر جنگل میں پہنچے تو حضرت اویس رضؑ کو نماز میں مصروف پایا مگر جلد ہی نماز ختم کر کے اپنے برگزیدہ مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور السلام علیکم کہا جس کا جواب دونوں حضرات نے دیکر حضرت اویس رضؑ سے سیدنا عمرؓ نے سلسلۂ کلام و استفسار اس طرح شروع کیا۔

عمرؓ:۔ آپ کا اسم مبارک کیا ہے ؟

اویس رضؑ:۔ عبداللہ

عمرؓ:۔ ہم سب اللہ کے بندے ہیں۔ اپنا خاص نام فرمائیں۔

اویس رضؑ:۔ میں اویس رضؑ قرنی ہوں۔

عمرؓ:۔ آپ اپنا دایاں ہاتھ دکھائیں۔

اویس رضؑ دایاں ہاتھ سامنے کیا اور جو نشان آنحضرتؐ نے بتایا تھا موجود پایا۔

عمرؓ:۔ آپ کو محمدؐ الرسول اللہ نے سلام کہلا بھیجا ہے اور اپنا مرقع آپ کے لئے بھیجا ہے ونیز اپنی امت کی شفاعت کے لئے آپ سے دعا کرنے کی تاکید فرمائی ہے لہذا آپ وصیت آنحضرتؐ کے مطابق عمل فرمائیں۔

اویس رضؑ:۔ آپ نے فرمایا کہ شاید یہ وصیت کسی دیگر اویس رضؑ کے لئے ہو۔

عمرؓ:۔ نہیں۔ بلکہ جو آثار شناخت رسولؐ اکرم نے بتائے تھے وہ سب من عن آپ ہی میں موجود پائے ہیں لہذا اس وصیتِ نبویؐ کا خطاب آپ ہی سے ہے۔

اویس رضؑ:۔ اچھا تو نبیؐ اکرم محبوب معظم کا لباس مقدس دیجئے تاکہ میں دعائے بخشش امت محمدیہ کی تیاری

کروں۔ اور آپ نے مرقع نبیؐ صلعم لیکر ذرا فاصلے پر جاکر سربسجود ہوگئے اور عرض کرنے لگے کہ اے الہٰ العلمین تیرے محبوب نے اپنی امت کو میرے حوالے کیا ہے جب تک تو بخشے گا نہیں میں اس مرقع کو نہیں پہنوں گا۔

ندائے غیبی متواتر مژدہ بخشش باقساط امتیوں کے لئے آتی رہی مگر اویسؓ تھے کہ کل امت مرحومہ کی بخشش کے لئے اصرار کرتے تھے اور یہ منظر خاص ہر دو امیرین کے مشاہدہ میں تھا کہ اسی مقام پر دونوں حضرات والہانہ انداز میں پہنچگئے اور اس راز و نیاز کے عالم کا تقرب خاص حاصل کرلیا کہ حضرت اویسؓ نے بیساختہ کہا کہ اگر آپ لوگوں کا عاجلانہ اقدام نہ ہوتا تو اس کریم مطلق سے ساری اُمت کی شفاعت کراکے مانتا۔ بہرحال وہ مرقع حضرت اویسؓ نے پہن لیا تو بظاہر نبیؐ کے لباس میں اویسؓ تھے۔ مگر اللہ رے قدرتِ بصیرت و بصارت عمرؓ و علیؓ کہ کس کو کس کے لباس میں دیکھا اور کیا دیکھا۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ

"حُسنِ لیلیٰ بچشمِ مجنوں باید دید"

اِس مشاہدۂ خاص کو حضرت قبلہ مولوی سید نثار علی نثار البوالعلائی اکبرآبادی اپنے الفاظِ خصوصی میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

"چوں کشادم چشم سوئے مصطفیٰؐ — در لباسِ احمدی دیدم خدا"

بہرحال حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے حضرت اویسؓ کو لباسِ نبوی میں دیکھا تھا۔ مگر درحقیقت میری ناقص رائے میں دو پیکرِ عشق نے ایک پیکرِ عشق کو دیکھا یا ایک پیکرِ عشق نے دو پیکرِ عشق دیکھے۔ مگر جلوۂ حقیقت طرفین میں ایک ہی نظر آیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ پھر ذرا توقف سے سلسلۂ کلام اس طرح جاری ہوا

عمرؓ:۔ آپ نے رسالتمآبؐ کی زیارت کیوں نہیں کی ؟

اویسؓ:۔ کیا آپ نے زیارت کی ہے ؟

عمرؓ:۔ ہاں۔

اویسؓ:۔ آنحضرت کے دونوں ابرو ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے یا جدا؟

اللہ رے رعب و جلالِ عشق نبیؐ کہ ہر دو صحابۂ کرام جواب دینے سے قاصر رہے۔ یا جمال و جلالِ محبوب کے جزوی مشاہدہ سے بے تعلق تھے یا احترام کی وجہ سے نظر بر قدم رہے بقولِ خواجہ حافظ

خلل پذیر بُوَد ہر بنا کہ می بینی — مگر بنائے محبت کہ خالی از خلل است

پھر حضرت اویسؓ نے سوال کیا کہ جنگ اُحد میں آنحضرت کے کونسے دندانِ مبارک شہید ہوئے؟ اور آپ نے دہن مبارک کھول کر دونوں حضرات کو دکھایا کہ مجھ کو بھی نہیں معلوم تھا کہ کونسے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ مگر مجھ کو موافقت محبوب مقصود تھی تو سارے دانت جب میں نے توڑ ڈالے تو قرار و سکون حاصل ہوا"

اگر چہ عرضِ ہنر پیشِ یار بے ادبی ست　　زباں خموش ولیکن دہاں پُر از عربی ست

"خواجہ حافظ

پھر دونوں صحابۂ کرام پر رقّت طاری ہوگئی اور اعتراف کرنے لگے کہ منصبِ ادب تو کچھ اور ہی شئے ہے"

یہاں سے حضرت اویسؓ کی معرفت عوام میں شہرت پاگئی اور گمنامی اس واقعہ کے بعد مظہرِ کمالات بنکر سامنے آگئی چنانچہ ھرم بن حبان کو بھی شوقِ ملاقات ہوا اور آپ کی تلاش میں نکلے کہ لبِ فرات آپ کو وضو کرتے پایا تو بعد سلام و علیک مزید متوجہ کرنا چاہا مگر حضرت اویسؓ نے دعائیہ انداز میں فرمایا

"ھرم بن حبان خدائے کریم تم کو زندگی بخشے تم یہاں کس طرح آئے؟"

ھرم بن حبان:- آپ نے آج سے پہلے مجھے کبھی نہیں دیکھا۔ آپ کو کس طرح میرا اور میرے باپ کا نام معلوم ہوگیا؟

اویسؓ:- مجھے اس نے خبر دی ہے جس کے علم سے باہر کائنات کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میری روح نے تمہاری روح کی شناخت کی۔ کیونکہ مومنین کی ارواح ایک دوسرے سے واقف ہوتی ہیں۔

ایسا ہی ایک دوسرا اشتیاقِ اویسؓ کا بیان ہے کہ حضرت ربیعؓ نے تلاش کرتے کرتے اتفاقاً حضرت اویسؓ کو نماز فجر میں مشغول پایا مگر نماز سے فارغ ہوکر آپ نے تسبیح شروع کردی جو نماز ظہر سے قبل ختم ہوئی۔ یعنی یہ سلسلہ عبادت تین شبانہ روز اسی طرح سے جاری رہا کہ ہر دو نمازوں کے درمیان تسبیح میں مصروف رہتے۔ مگر نہ کچھ کھایا نہ پیا اور نہ ہی کچھ آرام کیا۔ چوتھی رات میں ذرا غنودگی آئی تھی کہ بے قرار ہوکر فریاد کرنے لگے۔ کہ باری تعالیٰ جو آنکھ زیادہ سوئے اور جو پیٹ زیادہ کھائے اُس سے میں پناہ چاہتا ہوں"

آپ اکثر اپنی زندگی کا مطالعہ اور خلاصہ مندرجہ ذیل جواہر پاروں کی شکل میں ظاہر فرمایا کرتے۔

۱۔ خدا کو پہچان کر کسی اور کو نہ پہچانے تو بہتر ہے۔

۲۔ جس نے خدا کو پہچان لیا اُس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

۳- جس نے خدا کو سمجھ لیا اُس نے کائنات کو سمجھ لیا۔
۴- تنہائی میں سلامتی ہے۔
۵- موت کو سوتے وقت سرہانے سمجھو۔ مگر بیداری میں سامنے۔
۶- گناہ کو حقیر مت جانو کہ اسکی وجہ سے گنہگار رہتے ہو۔ مگر گناہ کو حقیر سمجھنے والا خداوند کریم کی عظمت کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔
۷- نماز میں خشوع وہ ہے کہ نمازی کے نیزہ لگے تو خبر نہ ہو۔
۸- رات سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ نہیں کہنے پاتا کہ صبح ہو جاتی ہے۔
۹- صبح کو بیدار ہوا تو شام تک موت مہلت دے گی یا نہیں تو میں سفر کی درازی اور بے توشہ ہونے کی وجہ سے آہ کرتا رہتا ہوں۔
۱۰- زمین و آسمان کے برابر بھی عبادت کی جائے مگر یقین کامل خدا پر نہ ہو تو وہ عبادت قابلِ قبول نہیں۔
۱۱- جو شخص تین چیزوں کو محبوب رکھتا ہے اس کی شہ رگ سے دوزخ قریب ہے۔ یعنی اچھا کھانا۔ اچھا کپڑا پہننا۔ اور امیروں کے ساتھ بیٹھنا۔
۱۲- دل کو حاضر اس طرح عادی بناؤ کہ غیر کا دخل اس میں نہ ہونے پائے۔
۱۳- بلندی حاصل ہوتی ہے عاجزی سے۔ سرداری ملتی ہے سچائی سے۔ فخر حاصل ہوتا ہے فقری سے۔ نسبت قائم ہوتی ہے پرہیزگاری سے۔ اور بزرگی ملتی ہے قناعت سے۔ لیکن توکل حاصل ہوتا ہے لاپرواہی سے۔

مندرجہ بالا تحقیقات و حالات سے واضح ہو جاتا ہے کہ سیدنا اویس قرنیؓ تخلیقی حیثیت سے روحانی کمالات کے حامل تھے اور عشق محمدیہ میں اِس درجہ استغراق حاصل کر چکے تھے کہ فائز بمقام فنا فی الرسول ہو گئے۔ جس کی بدولت استمداد غیبی بالذاتِ رسول ہونے لگی۔ مگر آپؓ کا شمار تابعین کی صف میں مطابق ارشاد نبویؐ ہی کیا جائے گا۔ جیسا کہ اوپر ہر دو احادیث کے ذریعہ واضح کیا جا چکا ہے۔ کیونکہ رسولِ اکرمؐ نے آپ کی نسبت ہی فیصلہ کُن وضاحت کر دی ہے کہ آپ کو خیر التابعین فرمایا ہے نہ کہ خیر الصحابہ۔ اب ایک روشن اور مروجہ دنیوی مثال بھی موزوں و مناسب ہے۔ دنیوی نظامِ حکومت میں شعبہائے مختلف موزوں و مناسب شخصیتوں کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ مثلاً وزیر خارجہ۔ وزیر داخلہ۔ وزیر خزانہ۔ وزیر دفاع وغیرہ وغیرہ۔ بظاہر سب

معتمد خاص سربراہ حکومت کے ہوتے ہیں۔ مگر کسی کو فوقیت و فضیلت نہیں ہوتی۔ اور کسی کی حیثیت کسی دیگر شعبہ سے کم تر بھی نہیں ہوتی لیکن اپنے شعبہ کا سربراہِ مطلق وہی تسلیم کیا جائیگا جس کا جس سے تعلق ہے بالکل اسی طرح درس گاہ تعلیم کو لیجئے تو ایک جامعہ جیسا کہ رئیس الجامعہ ہوتا ہے لیکن سربراہ شعبہ جات مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی علم الادب کا۔ تو کوئی علم ریاضی کا۔ کوئی علم معاشیات کا اور کوئی علم المعدنیات وغیرہ وغیرہ کا اور ہر سربراہ اپنے محکمہ و شعبہ کا مطلقاً ذمہ دار اور واقف کار ہوتا ہے لیکن کسی کو کسی پر فوقیت و فضیلت نہیں ہوتی چہ جائیکہ رسول اکرم جیسی جامعۂ کمالاتِ ہستی کے مقدس الفاظ میں صحابہ۔ تابعین اور تبع تابعین کے حق میں فیصلہ کن اظہار ہو جائے تو چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے

ع "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"

تو کہنا پڑتا ہے کہ اگر صحابہ کو اپنے مقامات کے لحاظ سے نسبتِ عینی اور نسبتِ غیبی رسول اکرم سے حاصل تھی تو آغاز اسلام میں **ایمان** کی روشنی میں منوّر ہونا مقدم اور ضروری تھا بعد ازاں تابعین کیلئے **علم** مخصوص کر دیا گیا اور تبع تابعین کے لئے **عمل** مقدم و مؤخر ہو گیا۔ چنانچہ یہ بحث اس طرح سے تمام کیجا سکتی ہے کہ ہر سہ خصوصیات کو اپنے اپنے زمانہ میں تعلق خاص رہا۔ مگر عشقِ نبی جس قدر والہانہ انداز سے جس شخصیت میں قائم ہوا اسیقدر کمالات ظاہری و باطنی کا ظہور ہو گیا اور بارگاہِ نبوّت و احدیت میں مقبول ہوا۔ چنانچہ سیدنا حضرت اویس قرنی کو نسبت غیبی رسول اکرم سے براہ راست حاصل ہو چکی تھی اور عشقِ نبی رگ و پے میں بطور خاص سرایت کر چکا تھا تو محبوب کی خاص توجہ نے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ قبل از وصالِ خود نبی اکرم نے **خیر التابعین** کے لقب خاص سے ملقب فرما دیا اور یہی معراج اویس ہو گئی کہ رہتی دنیا تک ہی نہیں بلکہ اخروی تعظیم و تکریم سے بھی نوازے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اویس کو براہ راست نبی اکرم کی ذات و صفات سے ہی نہیں بلکہ حقیقت محمدیہ سے جس کا اوپر خلاصہ بیان کیا جا چکا ہے تعلق خاص پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ یہ ہی ایک وہ مقام ارفع و اعلیٰ ہے جو شاذ و نادر اُمتیان محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوتا ہے اسلئے کہ سلسلہ تبع تابعین تو رہتی دنیا تک قائم ہی رہے گا اور انشاء اللہ بفیض حقیقت محمدیہ عاشقانِ صادق کو اتباعِ رسول میں یہ مقام کبھی حاصل کرانے کا موقع ضرور ملتا رہے گا۔ لیکن بشرطیکہ

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

کیونکہ حقیقتِ محمدیہ ہی تو **حقیقت دو جہت** ہے جو **الٰہیت** اور **معبودیت** پر مشتمل ہے تو اسی لئے ہر دو تصرفات و فیضان **بالصالت** نہیں کہے جا سکتے۔ مگر

بالبیعت تسلیم ہیں۔ کیونکہ بالبیعت ہی خلافت ہے۔ پس حقیقت محمدؐیہ کو جمیع صفاتِ الٰہیہ حاصل ہیں۔ مثلاً مارنا۔ جلانا۔ قہر و مہر۔ رحم و غضب۔ موجودات و کائنات میں انقلاب برپا کرنا تصرفات میں شمار ہیں تاکہ ربوبیّت و بشریت کا ظہور ذات گرامی جناب رسولؐ اکرم سے برابر ہوتا رہے کیونکہ آنحضرتؐ کی ذات کی اقتضا تھی کہ صفتِ بشریت کا ظہور جہت عبدیت کے ذریعہ بحالتِ رقّت و شکستِ خاطر ہو کر ہوتا رہے تو صفتِ الٰہیّت کا مظاہرہ بھی معجزات کی شکلوں میں برابر ہوتا رہے تاکہ آنحضرتؐ اپنے **ظاہر** سے عالمِ **ظاہر** کے خواص پر محیط ہوں اور اپنے **باطن** سے عالمِ **باطن** کے خصائص پر حاوی ہوں اور اسی سبب سے آپ مجمع البحرین ہوئے اور آپ کی ذات مظہر العالمین ہوئی۔ یعنی

چوں برائے مصطفیٰؐ سائل شدم ۔۔۔ از درِ احمدؐ خدا پیش آمدم

نثار اکبر آبادی

الحمد للہ الحمد للہ پس آنحضرتؐ نے سیدنا اویسؓ قرنی کو خیر التابعین عالمِ باطن میں اپنے باطن سے سرافراز فرما کر ایک سلسلہ ناتمنا ہی تبع تابعین کے لئے قائم فرما دیا جو آج بھی قائم ہے۔ جس کی تائید حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ نے تذکرۃ الاولیاء میں مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے

"اہل اللہ میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو اپنے آپ کو اویسیؓ کہلاتا ہے۔ اویسیؓ لوگوں کو مرشد کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ ان کو براہ راست درگاہ نبوّت سے نور باطن حاصل ہوتا ہے جیسا کہ حضرتِ اویسؓ کو حاصل ہوا۔ حالانکہ آپؓ نے اپنی آنکھوں سے آنحضرتؐ کو نہیں دیکھا تھا۔ یہ ہی ایک اعلیٰ مقام ہے جو خوش نصیب مگر خال خال مردانِ خدا کو حاصل ہوتا ہے۔"

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی ۔۔۔ کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

اقبال

مسلکِ اویسیہ

اگر اسی سلسلہ اویسیہؓ کی کڑی سے حالات حضرتِ مولوی صلاح الدینؒ قبلہ کو جوڑ دیا جائے تو یقیناً متحققین کے لئے ایک ایسا مبسوط مربوط مواد مہیّا ہو جائے گا جو اس برگزیدہ مقدس ہستی کی معلومات کیلئے آسان طریقہ کار بنکر سامنے آجائے۔ کیونکہ مولانا موصوف نے زندگی بھر اپنے ظاہر و باطن کو عوام سے اسدرجہ پوشیدہ رکھا ہے کہ مطالعہ کرنے والوں کیلئے دشوار گذار راستوں سے گذرنا ہی امر محال نہیں رہا ہے بلکہ

ہزارہا قسم کی رکاوٹیں بھی سدِّ راہ ہوتی رہی ہیں۔ تو بھلا دائرۂ تحریر میں لانا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟
دوئم یہ کہ مولانا قبلہ کے وطن مالوف (اندرونِ چترال جیلی علاقہ کشمیر) تک پہنچنا اور وہ بھی بعدِ وصال بخیال معلومات و تحقیقات بالکل دور از فہم و ادراک ہے۔ مگر جسقدر معلوماتِ صحیحہ و مصدقہ حتی الامکان فراہم ہو سکیں بلا قید و تعینِ سنہ و تاریخ سپردِ قلم کر کے امید وار پذیرائی ہونیکی جدوجہد جاری ہے۔
سوئم جستہ جستہ اگر شاہ صاحب قبلہ نے دورانِ درس و تدریس اجمالاً از خود اظہار فرما دیا تو اسکو گہر ہائے نایاب تصور کر کے محفوظ بدائرۂ تحریر کر لیا۔ پس وہ ہی دراصل سرمایۂ تاریخ بن گیا۔
بمطابقِ ارشادِ گرامی آپ کی تولادتِ باسعادت سنہ ۱۳۲۰ھ مطابق سنہ ۱۹۰۲ء میں بمقام اندرونِ ریاست چترال جبلی علاقہ و دشوار گذار میں ہوئی۔ آپ کے والد صاحب قبلہ حضرت بابا آئین دان شاہؒ اپنے زمانہ کے واحد عالم اور مجتہد العصر ہوئے ہیں جو اپنے مسلکِ ذاتی کے علاوہ اتالیق مہترِ چترال کے عہدہ جلیلہ پر بھی فائز رہے اور آپ نے دین کی عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ آپ کا وصال بلخ میں ہوا اور وہیں آرامگاہِ دائمی اختیار فرمائی۔ آپ کا مزارِ مقدس آج بھی مرجع خلائق ہے۔

شاہ عین الدین المعروف آئین دان شاہؒ

شاہ شکر الدینؒ — شاہ ابدال الدینؒ — شاہ صلاح الدینؒ — طاہرہ بی بی

حضرت قبلہ شاہ صلاح الدینؒ نے حیاتِ پدری میں تحصیل علم دین خانہ زاد طور پر کیا اور زعفران کی کاشت پر جو ور اثتاً آپ کے لئے ذریعہ معاش تھی کچھ عرصہ تک مامور رہے۔ بعدہٗ اپنے دونوں بڑے بھائیوں شاہ شکر الدینؒ اور شاہ ابدال الدینؒ اور اپنی چھوٹی بہن طاہرہ بی بی کے سپرد کر کے حصول تعلیم کی غرض سے اسلامیہ اسکول پشاور میں داخل ہو گئے۔ جہاں سے سند امتیازی میٹرک کی حاصل کی تو منجانب حکومت چترال آپ کو علیگڑھ حصول تعلیم کے لئے بھیجدیا گیا۔ جہاں آپ نے بی۔اے تک تعلیم حاصل کی۔ مگر سوئے اتفاق کہ ایک انقلابی حادثہ پیش آگیا اور تعلیم منقطع کرنی پڑی۔ کیونکہ قدرت کو کچھ یہ ہی منظور تھا۔ اس واقعہ کا بزبانِ خود مختصراً اظہار فرمایا تھا جو مندرجہ ذیل ہے۔
"ایک محفلِ مذاکرہ قائم ہوئی جس میں طلباء کو اظہار خیالات کی دعوت دی گئی۔ جس کا موضوع تھا **"حصول علم دین کے بعد حصول علمِ دنیا ضروری نہیں"** اور انعقاد بھیکم پور ہال مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

میں ہوا۔"

یہاں یہی مناسب ہوگا کہ اُن گہر ہائے بیش بہا کو بجنسہٖ پیش کر دیا جائے۔ جن کو قبلہ شاہ صاحب نے مختصراً خود بیان فرمایا تھا۔

"آہ علیگڑھ کا ماحول وہ زندہ اور روح پرور ماحول تھا کہ ہر مقرّر خود کو ایک چوٹی کا ممتاز مقرّر خیال کر کے آتا۔ اظہار خیالات کرتا۔ نوادرات و جواہراتِ علم و فکر بکھیر جاتا۔ داد و دہش لیتا۔ سامعین و حاضرین کو گوش بر آواز بنا کر محوِ حیرت بناتا۔ اساتذہ میں فخر و مباہات کا احساس پیدا کرتا۔ ساتھیوں کی طرف سے چشمکیں برداشت کرتا اور حوصلہ شکن و حوصلہ افزا فقرے بازیاں بھی خندہ پیشانی سے آغوشِ تحمل میں لیکر چلا جاتا۔ غرضیکہ

"فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست"

یہی سلسلہ یکے بعد دیگرے جاری رہا تا آنکہ صلاح الدّین کا نام بھی پکارا گیا۔ قبل اسٹیج یا ڈائس پر پہنچنے کے یہ محسوس ہوا کہ ایک غیر معمولی علمی و فکری بہاؤ ذہن میں اُبل رہا ہے۔ حالانکہ یہ کچھ ارادتاً نہیں تھا۔ جس کا مظاہرہ بعد میں ہوا۔ فہم و تدبّر کی وہ راہیں جن کا احساس و شعور تک نہ تھا۔ کیونکہ دورانِ تقریر اظہار ہوتا رہا اور جن جن خیالات کو بحث و مباحثہ کی شکلیں دیکر سامعین کے سامنے پیش کیا گیا حیرت ہے کہ میں از خود رفتہ ہو گیا۔ اور سامعین و حاضرین تھے کہ وجد آفریں عالم میں دادِ تحسین کی صدائیں بلند کرتے رہے۔ بالآخر تاثرات نے وہ فضا پیدا کر دی کہ یہی عالم ماحصل مذاکرہ قرار دیا گیا۔ مگر واللہ ثمّ باللہ کہ ایک ساتھی نے برجستہ عجب انداز سے داد دی کہ وہی لمحہ لمحۂ انقلابی بن گیا۔ جلسہ ختم ہو گیا مگر صدائے بازگشت اس انداز سے جسم کے رگ و پے میں دوڑ گئی کہ متواتر کئی روز تک غور کرتا رہا کہ

"جس کا اظہار و اقرار خود کیا ہو تو عمل سے گریز **توہین** اظہار ہے
قول و عمل میں تضاد نامناسب ہی نہیں بلکہ غیر فطری بھی ہے۔"

"لہٰذا کسی سے بغیر مشورے کئے ہوئے خود فیصلہ کیا کہ حصولِ علمِ دین کے لئے کیوں نہ آغاز کیا جائے۔ پس ایک انقلابِ زندگی کو ہم آغوش کئے ہوئے دیو بند پہنچا۔ جہاں دار العلوم میں طالب علم بن گیا۔ مگر آغاز تو ہو گیا۔ لیکن اپنا مطمع نظر انتہائی عروجِ علم

علمِ دین حاصل کرنا قرار پایا اور شیخ الہند جناب علامہ حسین احمد مدنی فیوضہم وبرکاتہم کی شاگردی اور والہانہ وابستگی کو اپنے لئے سعادت خصوصی گردانا۔ لہٰذا مولانا موصوف کی نگاہ ملتفتانہ اور توجہ خاص نے پتھر کو ہیرا بنا دیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ مولانا نے بارہا درس وتدریس کے لئے قائدِ وفد کے فرائض کی ادائیگی پر مامور فرمایا۔ یہ ہی سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا کہ قدرت کو مزید انقلاب منظور تھا جو ایک واقعہ اتفاقیہ طور پر روبہ کار ہوا۔ یعنی مولانا محمود حسنؒ صاحب قبلہ کے مزار پر بغرض فاتحہ خوانی جانا اپنا معمول ہو گیا تھا۔ اکثر مزار مقدس پر تعظیماً حاضری ارتقائی شکل میں آگئی کہ ایک دن مولانا حسین احمدؒ صاحب قبلہ بھی تشریف لے آئے اور مخاطب ہوے کہ

سوال: "صلاح الدین یہاں خاک کے تودہ پر کیونکر انہماک واستغراق ہے؟"

درحقیقت میں ایک کیف وسرور سے اُس وقت ہمکنار تھا کہ اس سوال نے ایک چنگاری کا اثر پیدا کر دیا۔ اور برجستہ میرے جواب نے انکشاف ہی کر دیا۔

جواب: مولانا یہاں آپ خاک کا تودہ دیکھ رہے ہیں مگر میں یہاں سے آسمان تک نور ہی نور دیکھ رہا ہوں۔"

مولانا نے جوابِ غیر متوقعانہ سنکر فوراً مشتعل انداز میں فرمایا کہ "افسوس کہ تم دیوانہ ہو گئے جو ایسی بات کہتے ہو۔"

مگر ایک شعلۂ حق آگاہی بھڑک اٹھا تھا اور میں نے مولانا موصوف سے عرض کیا کہ "بس یہ ہی ایک سند اور وہ بھی اس مرکزِ علوم دین سے حاصل ہونا باقی تھی کہ کامیاب ہو گیا۔" اللہ اللہ چشم زدن میں کیا انقلاب آیا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

"واپس اپنے حجرہ میں آیا۔ تمام اہتمام وانصرامِ مولویانہ کو الوداع کہا اور بلا پس وپیش جس طرف رُخ ہوا چل دیا۔"

فاش میگویم واز گفتۂ خود دل شادم　　بندۂ عشقم واز ہر دو جہاں آزادم　حافظ

"اب میں دنیا سے بے نیاز۔ تمام قیودِ من وتو سے آزاد صحرا۔ صحرا۔ جنگل جنگل مناظرِ قدرت الٰہی کا مطالعہ کرنے میں مصروف رہا۔ مگر ایک آتشِ عشق بانیٔ علمِ دین ہر لمحہ اور ہر لحظہ بھڑکتی رہی اور میں تھا کہ سفر در وطن میں ہمہ وقت مصروف رہا۔"

یہاں اپنی رائے یا اظہارِ عقیدت اپنے مرشد سے مقصود ہر گز ہر گز نہیں اگر اس تاریخی

احقر نے بھی کچھ

درد جب دلنواز ہوتا ہے
بت پرستی خدا پرستی ہے

اس مقام پر ایک نکتہ مزید واضح کر دیا جا

علم تصوّف کو علم النفس سے اور علم النفس کو علم تصوّف سے قریبی ربط ہے فی الحقیقت "صورت" ہی "حقیقت" کا حجاب ہے ہماری نظر صورت پر پڑتی ہے کیونکہ وہی ہماری حدِ نظر بھی ہے اور تابِ نظر بھی۔ مگر حقیقت کو محسوس نہیں کرتے۔ جب صورت سے قطع نظر کی جائے تو حقیقت کا خود بخود انکشاف ہونے لگتا ہے یعنی جب تک صورت کے گرویدہ رہے حجاب میں رہے۔ مگر جب صورت کو نظر انداز کر کے باطن کی طرف رجوع ہوئے تو انکشاف حقیقت ہونے لگا اور مشاہدۂ حقیقی سے بہرہ ور ہو گئے۔

بقولِ رومیؒ

علم را بر تن زنی مارے بُود　　علم را بر دل زنی یارے بُود

یہاں تک مولانا قبلہؒ کی حالت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یعنی ولادت۔ تربیت اور تعلیم۔ ولادت ایک مخزنِ علم میں ہوئی۔ تربیت خانہ زاد اور تعلیم لیتیا ور اسکول۔ علیگڑھ کالج۔ اور دار العلوم دیو بند میں حاصل کی۔ بالفاظ دیگر علم وراثتاً۔ علم دور جدید اور علم دین سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ مگر علم دین سے جو شغفِ خاص حاصل تھا ایک ذریعہ بن گیا کہ روحِ علم دین حاصل کر کے مولانا کی رسائی عروج و کمال کے آخری نقطہ تک ہو گئی

بس اسی مقام سے آغازِ عشق ہوا اور آپ قولاً۔ عملاً۔ حالاً ایک پیکرِ علم و حقیقت بنکر بحر حقائق و معرفت میں غوطہ زن رہے۔ چنانچہ وہ دور جو نصابِ ولایت کی اصطلاح میں مجذوب یا مغلوب الحال کہلاتا ہے مولانا کے لئے مقدر ہو گیا جس پر نہایت ثابت قدمی سے گامزن رہے اور آپ کا روزانہ مشغلہ سیر و سیاحت۔ زیاراتِ مقاماتِ مقدسہ۔ چلہ کشی۔ ریاضتِ شاقہ اور مجاہدات بن گیا۔

جمالِ یار بنادے جمالِ یار مجھے　　خود آشکار نہ ہو کر دے آشکار مجھے

شفیق

چنانچہ عرصہ تک کلیر شریف میں بارگاہ مخدوم علاء الدین صابر کلیریؒ میں قیام کیا۔ بعدہٗ اجمیر شریف خواجہ معین الدینؒ غریب نواز کے آستانہ پر کافی عرصہ تک مقیم رہے۔ جہاں آپ نے بقول غلام حسین صاحب ایڈوکیٹ اجمیری چلۂ موسوی اور چلۂ محمدی ختم کئے مگر آپ مغلوب الحال ہونے کے ساتھ ساتھ منقلب الحال بھی پائے گئے۔ اور خلق اللہ کی خدمت طرح طرح سے ہونے لگی۔ خصوصاً آپ کا معمول پیسہ، ریز گاری اور روپیہ وغیرہ تقسیم کرنا اس قدر عام بن گیا کہ عوام و خواص نے آپ سے پیسہ روپیہ اعتقاداً حاصل کرنا اپنے لئے مبارک اور فالِ نیک قرار دیا۔ اجمیر شریف میں ہی

شہرت ہوگئی کہ آپ قائم اللیل اور صائم الدھر ہوتے ہوئے مخلوق کی خدمت کرتے ہیں۔ بس اس شہرت نے آپ کو آمادہ کیا کہ کسی دوسری جگہ منتقل ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چنانچہ مولانا قبلہ نے اجمیر سے رختِ سفر باندھا۔ دہلی اور لاہور، ملتان، سرہند اور دیگر اہم مقاماتِ مقدسہ و مزاراتِ اولیاء اللہ پر حاضری دینا اور خدمتِ خلق اپنا معمول بنا لیا۔ مگر زہد فی الدنیا (دنیا سے محبت نہ کرنا) میں شدت سے ثابت قدم رہے اور دنیاوی جاہ و جلال یا عارضی شان و شوکت کبھی آپ کے تجلیاتِ جبروتی کے مشاہدات میں کسی لمحہ حائل نہ ہو سکے بلکہ آپ کا انہاک و استغراق فی الالوہیت روز افزوں ترقی ہی کرتا رہا اور کسی عقیدتمند کو تا دمِ آخر نہ مُرید کیا اور نہ کوئی توجہ خاص کی۔ کیونکہ مولانا خود مغلوب الحال اس درجہ رہے کہ دوسروں کی طرف توجہ محال تھی۔ اور آپ شیخ الکمل کی اس منزل پر جو خال خال بتوفیق الٰہی حاصل ہوتی ہے ہمیشہ گامزن نظر آتے رہے۔ بقول

شوق از روئے زرد خالی نیست　　　نالۂ نے زِ درد خالی نیست

رومی

علومِ ظاہری و باطنی آپ کو خداداد نعمت کی شکل میں تفویض ہوئے تھے۔ جس کا ادنیٰ کرشمہ اور روزانہ کا مشاہدہ اس طرح ہوتا تھا کہ تبحرِ علمی اور نکتہ رسیٔ آیاتِ کلامِ الٰہی سے تفاسیر سے۔ احادیثِ مقدسہ سے اور اقوال متحققین مجتہدین سے نہایت آسان الفاظ میں نہیں بلکہ روزمرہ کی گفتگو میں ہر عام فہم کے دل و دماغ میں اس طرح اتارتے تھے کہ حاضرین پر وجد طاری ہوتا۔ رقت ہوتی اور منقلب الحال بنکر آپ کی مجلس سے فیضیاب ہوتے۔

سلوک مولانا کا سلوک کیا تھا اور کس دائرہ یا گروہ سے منتعلق تھا ناظرین کو بعمیق نظری چشم عقیدت سے مطالعہ کرنا ہے۔ اس سے قبل نصابِ تصوف کے عنوان میں توضیح و تشریح کی جا چکی ہے۔ مزید برآں بعنوان **اوصافِ شیخ** اشارتاً شیخ الکمل کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ مگر ان جملہ اوصاف و آثار کو مجموعی اعتبار سے عالم سلوک میں لایا جائے تو آپ کو سلسلہ **اویسیہ** رضی اللہ عنہ کی ایک جیتی جاگتی تصویر پائیں گے۔ مثلاً آپ کا ایک رخ جو زندگی کا سب سے بڑا کہا جا سکتا ہے بھٹ بھونجہ کی معاشی زندگی کے ساتھ ساتھ ہی گذارا۔ مگر عالم استغراق میں فرائض شرعیہ کے سوا ہر ایک شے کا احساس معدوم و مفقود اس طرح سے پایا گیا کہ آپ حسب و قت جو حالت اپنے اوپر طاری فرمانا چاہتے طاری کر لیتے۔ مثلاً بھٹ بھونجہ کے بھاڑ سے جس میں شدتِ تمازت عین موسم گرما

میں قریب نہیں آنے دیتی مگر آپ پر کوئی خاص اثر نہ محسوس ہوتا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ حضرت قبلہ مسلسل نفلی روزے مئی۔ جون۔ جولائی کی گرمیوں میں رکھتے۔ دن بھر ڈامر یا پتھر کی سڑکوں پر ننگے پیر میلوں سفر کر کے تنہائی کی خانقاہوں اور مزاروں پر مصروفِ مجاہدات رہتے لیکن شدتِ تپش یا موسم کی سختیاں آپ پر کبھی اثر انداز نہیں ہوتیں۔

مولانا قبلہ کے ارشاد گرامی کے مطابق کہ" دورانِ سیر و سیاحت علیٰ قدر مراتب یا بتوفیق ایزدی صرف کلیر شریف۔ اجمیر شریف۔ لاہور۔ ملتان۔ سرہند۔ دہلی اور آگرہ حاضری و قیام حسب المطلب رہا۔ مگر ۱۹۳۵ء سے اکتوبر ۱۹۵۱ء تک آگرہ ہی مقامِ مانوس و مالوف رہا بلکہ آپ نے اکثر و بیشتر آگرہ کو جنت فرمایا ہے جس کا خلاصہ تذکرہ آئندہ محوّلہ و مصدّقہ انداز میں پیش کیا جائے گا۔ اکثر فرماتے کہ" مجدد الف ثانی امام ربانی نے رجوع فرمایا۔ خواجہ باقی باللہ کی جانب مگر ہر دو خواجگان نے عالم مثالی میں رجوع بجانب قاضی سید نعمانؒ کر دیا تو میرے لئے آگرہ مقام و مرکزِ سلوک بن گیا۔

بے زباں گوش را خبر کردہ ‏ ‏ ‏ بے بیاں ہوش را خبر کردہ

رومی

تجدید و استمداد

تقریباً ۳۵ء میں مولانا قبلہ ابتداء میں جامع مسجد آگرہ میں قیام پذیر رہے اور شرفِ استمدادِ علمی قبلہ و کعبہ مولانا مولوی سعادت اللہ صاحبؒ سنبھلی و مولانا مولوی حبیب اللہ صاحبؒ کابلی سے حاصل کیا۔ مگر آپ کو قیود و بند اس ادارہ کی راس نہ آئیں تو بطور امام مسجد چھیپی ٹولہ آگرہ میں قیام کیا اور وہاں سے بھی جلد ہی رخصت ہو کر امام مسجد کچہری گھاٹ آگرہ اور سنّوں بھڑبھونجے کے پڑوسی بن گئے۔ بس یہ وہ مسجد تھی کہ جہاں سے آفتابِ ولایت کی کرنیں پھوٹیں چشمۂ فیضان سے آبیاری ہوئی۔ اور مختلف النوع انہارِ جود و کرم چمنستانِ محمدیہ میں بہنے لگے۔ یعنی صلاح الدینؒ کی دینی اور روحانی صلاحیتیں آئینۂ تخلّقو باخلاق اللہ میں نظر آنے لگیں۔

اب مجاہدات کا عالم شدید تر ہونے لگا اور آپ نے فرائضِ مشروع کے ساتھ ساتھ **"مخلوق کی خدمت خالق کی عبادت"** کو بھی اپنا نظریۂ حیات بنا لیا اور بیشتر اوقات رقت گریہ وزاری میں گذارنے لگے اور آپ کی حالتِ جذب بسا اوقات حلقہ بگوش اور حاضر باش حضرات کے لئے تکلیف دہ اور پریشان کن ہو جاتی۔ کیونکہ آپ کسی معالج یا طبیب سے رجوع ہونا پسند

نہ فرماتے۔ دیکھا گیا ہے کہ آنکھیں متورم ہو کر پُر آشوب ہوگئیں ہیں۔ پیروں کے تلوے پھٹ کر خون آلود ہوگئے اور ہزاروں روپیہ خلق اللہ پر نثار کر رہے ہیں مگر خود کیلئے فرماتے ہیں کہ "یہ سب تکلیفیں تو بیر اعلاج ہیں"۔ اس عالم میں بھی کثرت صلوٰۃ و صیام اور شدت مجاہدات معمولاتِ روزمرہ بنگئے تھے ساتھ ہی کتب بینی اور مشاہدات الٰہی میں روز افزوں ترقی ہوتی رہی جتنی کا اتباعِ شریعت۔ مجاہدات و ریاضت کی بدولت نقاہتِ جسمانی غالب ہونے لگی کیونکہ ایک نانِ جویں سلوں بھڑ ہو تجہ کی اپنے لئے خوراک بنالی مگر اللہ رے قوتِ روحانی کی۔ دنیا شاہد ہے کہ صلاح الدینؒ کی زبان و تحریر معجز نمائے کلکِ قدرت بن گئی اور حاجتمندوں کی ضرورتیں پورا کرنا۔ مریضوں کی شفایابی ہونا ایک جزوِ زندگی بن گیا۔

عبادات۔ مجاہدات۔ ریاضات اس طرح دائم و قائم تھے کہ مسجدیں خود ہی مؤذن۔ خود ہی جاروب کش اور خود ہی امام کے فرائض بحسن و خوبی پابندی کے ساتھ انجام دیتے۔ کثرتِ نوافل معمول۔ نفلی اور وصلی روزے عادتِ ثانیہ۔ دوازدہ تسبیح بالجہر روزانہ۔ تقسیم زکوٰۃ خفیہ و علانیہ ہمہ وقت کی خصوصیاتِ شاہ صاحب قبلہ تھیں۔ سیر اسمائی جو واردات علمیہ کی بنیاد ہے اور بہت مشکل منزل ہے اس کو آپ نے بتوفیقِ ایزدی حاصل کر لی تھی۔ ملاء اعلیٰ کے ساتھ نسبت خاص حاصل تھی حقیقت محمدیہؐ سے کماحقہٗ براہ راست تعلق حاصل تھا۔ اور آواز غیبی کا نزول، اجلال بحالتِ مشاہدہ اور بحالتِ مسامرہ آپ پر اکثر و بیشتر ہوا کرتا تھا۔ جس کا اظہار اشارتاً یا کنایتاً ہو جاتا تو لوگوں کو حیرت و استعجاب میں ڈالنے کے لئے کافی ہوتا۔

توجہ اصلاحی۔ توجہ اتحادی اور **توجہ القائی** کے ماہر بے بدل شمار کئے جانے لگے۔ بسا اوقات اپنے نیازمندان پر اس خوبی اور قوتِ باطنی کے تحت انکشاف فرمایا کرتے کہ اگر اصلاح منظور ہے تو چند لمحوں میں اصلاحِ ظاہری و اصلاحِ باطنی فرد واحد کی یا جماعت کی ہوگئی۔ اگر اتحادی مقصود ہے تو توجہ اتحادی کے مظاہرے ہو جاتے اور اگر القائی کا انکشاف چاہا تو توجہ القائی کے ذریعہ ایسا مظاہرہ ہوا کہ دنیا انگشت بدندان ہوگئی۔

ایک عرصہ تک تو معمول خدمت خلق کے لئے تعویذوں پر محمول رہا۔ بعدہٗ دعاؤں اور شغل اذکار الٰہی کو اپنایا اور عوام کو بھی بتدریج اس نہج پر لا کر عادی بنا دیا۔ مگر ایک وقت ایسا بھی آتا کہ بحالِ مشاہدہؒ و مسامرہ بڑے بڑے معرکۃ الآرا واقعات روبہ کار ہوتے مگر خال خال۔ کیونکہ **مسامرہ** ہی آپ کا ایک مقام خصوصی دمِ آخر تک قائم رہا اول الذکر دو معمولات تو آگرہ میں قائم رہے مگر حیدرآباد و کراچی میں ارتقائی منزل، منزل مسامرہ حاصل ہوگئی تھی جس کا انکشاف خود مولانا کے ارشادِ گرامی

کے مطابق بیشتر بجواب سائل ہوا کرتا تھا کہ **"اچھا تو آج رات کو دیکھیں گے"** یہ فقرہ رات کو دیکھیں گے مخصوص ہے مقام مسامرہ کے لئے جس کا ذکر خلاصہ طریقہ سے اوپر آچکا ہے مگر قند مکرر ہوگا اگر یہاں مختصراً اظہار کر دیا جائے اور جب ہی تو مولانا قبلہ کا مقام بھی بخوبی سمجھ میں آسکے گا۔

مسامرہ ایک وہ مقامِ حال صاحبِ کمال کا ہوتا ہے جس کو عوام سے پوشیدہ رکھنا اُس کے لئے از بس ضروری ہے۔ چنانچہ خفیہ رکھنے کے لئے لازم ہے کہ وہ خاموشی اختیار کرے اور جو کچھ انہماک واستغراق مابینِ بندہ و مولا ہو تو بوقتِ شب ہی عمل میں لایا جائے تاکہ ہر دو حالتوں میں بندہ نے اپنے مولا سے ہمکلام ہو کر جو انکشافات ظاہری و باطنی حاصل کئے ہیں رازِ سربستہ رہیں۔ پس اسی کمال کو عروجِ روحانی و نگو الفِ باطنی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ ہی برزخِ کبریٰ یا حقیقتِ محمدیہ ہے جس کا خلاصہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

چنانچہ حضرت قبلہ کو حق آگاہی اور ہمہ آگاہی عموماً اور خصوصاً بحالِ مسامرہ بوقتِ شب اور وہ بھی خلوت میں اس درجہ تیر بہدف ہوا کرتی تھی کہ لوگ حیرت زدہ ہو کر دم بخود ہو جاتے یا مجذوبانہ ومجنونانہ انداز میں گریہ وزاری میں مصروف ہو جاتے مگر اللہ رے خصلتِ اخفائے راز کہ خود زنہار عمداً کوئی اظہار نہ فرماتے تاہم ہمہ وقت ساتھ رہنے والے پیر بھائی۔ بقول شخصے

"تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں"

اگر اسی حالِ مسامرہ میں شاہ صاحب قبلہ نے کسی آیۂ مقدسہ یا حدیثِ نبویؐ کا حوالہ دیتے ہوئے تدریسی و تعلیمی انداز میں ارشاداتِ گرامی سے نواز دیا تو بمصداق۔

"خط کا مضمون بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھکر"

حاضرینِ خدمت ضرور وہ جواہر پارے اپنے دامنوں میں بھر لیتے کہ جو وسیلۂ خیر اور سببِ نجاتِ اخروی بنکر محفوظ رہ جاتے۔ مگر واللہ ثم باللہ وہ کیف وسرور قائم ہوتا کہ لوگ وجد آفریں حالتوں میں نظر آنے لگتے۔ یہ ہی مقامِ مسامرہ شاہ صاحب قبلہ کا عجیب عجیب انداز میں لوگوں پر ظاہر ہوتا رہا گو حاضرینِ خدمت بڑی کاوش و کوشش سے انکشاف کا استفادہ حاصل کرتے تاہم آپ اپنی حالت کو اپنے نفس پر بھی ظاہر نہ ہونے دیتے اس لئے کہ آپ جانتے تھے اور لبسا اوقات فرما دیتے کہ "خالق نے مجھ کو خلق کے لئے نہیں پیدا کیا ہے اور نہ خود کیلئے بلکہ اُس نے تو اپنے کام کے لئے بنایا ہے تو جس کے لئے بنایا گیا ہوں اُسی کا کام کرتا ہوں" "میں کون تم کون" "مجھے تم سے کیا کام۔ تمہیں مجھ سے کیا کام" ہاں یہ ضرور ہے کہ بلا قصد اگر خود منجانب اللہ

کسی کرامت یا حیرت انگیز فعل و قول سے آپ کے مقام و مرتبہ کی شہرت ہو جاتی تو اُس میں موصوف مجبور و بے کس ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے اکابرِ اہل اللہ سے منسوب فرما دیتے کیونکہ آپ کی نظر مخلوق پر نہیں رہتی بلکہ خالق پہ رہتی تھی۔ اس لئے عوام کی طرح عامل بہ شریعت رہ کر اعمالِ ظاہری کی پابندی کرتے اور جس شہر یا مقام میں جہاں شہرتِ خوارقِ عادات ہوئی ترک کر دیتے کیونکہ آپ کا مقصود و محبوب مع الخلق ہونا نہیں تھا بلکہ مع اللہ ہونا تھا کہ غیر اللہ سے کوئی تعلق ہی نہ پیدا ہو سکے۔ چونکہ یہاں وضاحت و صراحت اس دورِ حیات کی ضروری ہے تاکہ عام فہم ہو کر عقل قبول کر سکے۔

کرامات و معجزات

اگر اس موضوع کو پورے بسط و تفصیل سے بیان کیا جائے تو بمصداق "ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا" ہو کر بحث کا طول ہو جانا قرینِ ممکنات سے ہوگا جو مقصود فی الحال نہیں ہے البتہ اس کے اہم نکات کو اختصار مگر جامعیت کے ساتھ بطور ہدیۂ ناظرین پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

معجزہ و کرامت کو قرآن و حدیث یا اسلامی نقطۂ نظر سے جو بنیاز مند سمجھا ہے یا حضرت قبلہ شاہ صاحبؒ نے سمجھایا ہے وہ ہر دو مسائل میں کچھ بنیادی اہمیت رکھتی ہیں:۔

معجزہ صرف نبیؑ سے منسوب ہے اور اس کا اظہار ثبوتِ نبوت کے لئے لازمی شرط ہے تاکہ کفار پر نبیؑ کی جانب سے اتمامِ حجت مقصود ہو۔ اور نبیؑ اظہارِ معجزہ پر ایسا یقین کامل رکھتا ہو کہ یہ فعل دراصل ایک اُس کا آلۂ کارِ تبلیغ دین کے لئے مخصوص ہے۔ جو اس کی نبوّت کی تائید کرتا ہے مگر نبیؑ کا اعلیٰ مقام اُس کا صاحبِ کتاب و شریعت ہونا ہے نہ کہ محض معجزات کا اظہار ہونا۔

کرامت عقلی طور پر بھی واجب التسلیم ہے کیونکہ یہ فعل اپنی روحانی قوتوں کی بنیاد پر مافوق العادت کا مظہر ہوتی ہے مگر اُسے خدا کی امداد و اعانت حاصل ہوتی ہے۔ دراصل کرامت کے لغوی معنی بزرگی کے ہیں۔ لیکن اصطلاحاً اُس فضیلت کو کہتے ہیں جو اولیاء اللہ کو خدا کی طرف سے عطا کی جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ

معجزہ دلیلِ نبوت ہے اور کرامت دلیلِ ولایت ہے۔

مگر ہر دو مظاہر مذکورہ بالا خرقِ عادت کے بنیادی اصول سے ضرور وابستہ ہیں جیسا

فتوحات باب ۱۸۶ میں اسی عنوان کے تحت حضرت شیخ اکبر محی الدینؒ عربی نے تجزیہ فرمایا ہے۔ یعنی خرقِ عادت مختلف طرح پر پائے جاتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ خرقِ عادت ہمیشہ اُن لوگوں سے ظاہر ہوتا ہے جو اپنے نفس کو اُن قیود سے آزاد کر لیتے ہیں جو مادیت نے اُن پر عاید کر دیئے ہیں۔

۲۔ خوارقِ عادات کا اظہار نبیؑ کے لئے ضروری ہے۔ اسلئے وہ اپنے دعویٰ نبوّت کی صداقت میں دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے۔ مگر ولی کو نہ مجاز ہے کہ دعویٰ ولایت کرے اور نہ اُس کی صداقت وتائید کے لئے دلیل یا کرامت پیش کر سکے۔ بلکہ اخفائے ولایت وکرامت ہی ولی کے لئے معراجِ کمال قرار دی گئی ہے۔ کیونکہ نبیؑ کو یقین واثق ہوتا ہے کہ معجزہ اُسی کی ذات سے وابستہ ہے اور اُس کے اظہار پر اُس کو قدرت حاصل ہے مگر ولی کو یقین اپنی کرامت پر اُسی قدر نہیں ہوتا جو وثوق سے **کہہ سکے** کہ یہ فعل خود اُسی کی ذات سے منسوب ہے۔

بقول شیخ اکبرؒ کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک **حسّی** اور دوسری **معنوی**

کرامتِ حسّی کو عوام سمجھتے ہیں اور قائل ہو کر تسلیم بھی کرتے ہیں جیسے۔ دل کی باتیں بتا دینا۔ موجودہ۔ گذشتہ اور آئندہ غیر معلوم حالات کی اطلاع دینا۔ پانی پر چلنا۔ آنکھوں سے پوشیدہ ہو جانا وغیرہ۔

کرامت معنوی یہ وہ افعال واخلاقِ حمیدہ کے مظاہر ہوتے ہیں جو عوام کی فہم وادراک سے دور مگر خواصِ برگزیدہ بندے بخوبی سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔ مثلاً حقوق اللہ و حقوق العباد کی شدّت سے نگرانی کرنا۔ اللہ کی تجلّیات سے بہرہ ور ہو کر مزید جدوجہد جاری رکھنا وغیرہ وغیرہ۔

المختصر کہنا پڑے گا کہ کرامت منجانب اللہ ایک فضیلت ہے جو اُس کے نیک بندوں کو عطا کی جاتی ہے اور اگر یہ نبیؑ سے صادر ہو تو معجزہ کہلائے گی اور اگر ولی سے صادر ہو تو کرامت۔ مگر اس کا ظہور کسی شخص کے ذریعہ اُسی وقت ہوتا ہے جب خدا اس شخص کی تائید کرنا چاہتا ہے۔ لیکن خدا اس غرض سے کراتا ہے کہ لوگوں کو اُس ولی اللہ سے گرویدگی پیدا ہو اور وہ راہ راست پر لانے کا وسیلہ بنے۔

وہ اہل اللہ جو مجاہداتِ نفس کرتے کرتے شدّت اختیار کر جاتے ہیں۔ اُن میں خوارقِ عادات کے اظہار کی نوبت بے پناہ پیدا ہو جاتی ہے مگر ان کرامات کا اظہار ان کے لئے باعث فضیلت

نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن کا چھپانا اُن کے لئے ضروری ہوتا ہے جس سے ما فوق الفضیلت ہو کر جلد اپنے معراجِ کمال کو پہنچیں پس یہ ہی عالم مقام مسامرہ[1] تک رسائی کرتا ہے جو مخصوص ہو گیا تھا بابا صلاح الدین صاحبؒ کے لئے اور جو تا دمِ آخر عقیدت مندوں کو نظر آتا رہا اور بہر نوع فیضیاب ہوتے رہے۔

خوارق عادات

خوارقِ عادات یا کرامات حضرت قبلہؒ کی تین مختلف دور میں تقسیم کیجا سکتی ہیں۔

اول۔ اول کچہری گھاٹ والی مسجد آگرہ میں جہاں تعویذوں۔ دعاؤں اور اذکار و اشغال کی محویتوں میں رہتے ہوئے ظہور میں آئیں۔

دوسرا دور قیامِ پاکستان کے بعد حضرت قبلہ کا قیام عارضی کالا ئیل کراچی و ٹھٹھہ میں جہاں احتیاج لسانی یا زبانی دعاؤں اور تعویذوں کا سلسلہ قدرے کم ہو گیا لیکن جو چاہا صرف سر نیاز جھکا کر استغراقی کیفیات کے ذریعہ حاصل کیا اور فیضانِ عام کا اظہار بکثرت ہونے لگا۔

تیسرا دور آپ کا عجیب و غریب عالم کا ہوا ہے جو دنیا والوں کو حیرت و استعجاب کی دنیا میں ڈال کر دیوانہ وار اپنی طرف مائل و گرویدہ کرنے کا ہے بس یہ ہی وہ منزلِ عروج مجذوبیا لک کی تھی جہاں آپ مغلوب الحال دن میں اور صاحب مسامرہ رات میں اپنی حیاتِ ظاہری اور حیات باطنی کے ذریعہ کرامتِ فی اللہ (جو[1] اللہ اور بندہ کے درمیان تعلقات سے پیدا ہو) اور کرامت فی الخلق (جو صرف[2] بندوں سے متعلق ہو) کا ظہور فرماتے رہے۔

یوں تو حضرت قبلہ کی ہر سانس۔ ہر حرکت اور ہر صحبت اپنی جگہ خود ایک جامع الکرامات ہی نہیں تھی بلکہ اظہر من الشمس ہوتی تھی۔ جس کا مجموعہ اگر دائرۂ تحریر میں لایا جائے تو بلا مبالغہ ایک ضخیم صحیفۂ کمالات ہو جائے گا جو بخیال طوالت ترک کیا جاتا ہے اور خصوصی واقعات و مشاہدات جن کا ذکر اشد ضروری ہے اختصار کے ساتھ پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ میرے برادرِ طریقت محبی و مکرمی جناب قاری الحاج سید عبد الحکیم شاہ صاحب سجادہ نشین

ملا[1] اس کا علم کسی غیر کو نہیں ہو سکتا ملا[2] بندگانِ خدا کے قلوب، طبائع، افعال، حرکات اور اخلاق کی اصلاح ہوتی ہے

ومتولی خانقاہ کالاپل ومزار مقدس بابا صاحب قبلہؒ واقعہ کوٹھری کا بھی ایک عجیب ولولہ انگیز استغنابی کیفیت آفریں واقعہ ہے۔ خود فرماتے ہیں

"ممتاز خاندانِ طریقت گلگت سرحدی علاقہ کا فرد ہونے کی حیثیت سے بابا صلاح الدینؒ کے رفیع الدرجات خاندان سے تقربِ خاص تھا اور ہر دو خاندان علاقہ سرحد میں ممتاز اہل اللہ میں شمار کئے جاتے تھے تحصیلِ علم کی خاطر ہندوستان میں مختلف مکاتبِ نظامیہ سے شغف و تعلق حاصل کر چکا تھا۔ مگر علومِ باطنی کا ذوق وشوق ہوتے ہوئے ایک رہبرِ خاص کی جستجو میں تھا کہ ۱۹۳۵ء میں پہلی ملاقات حضرت قبلہ سے اتفاقیہ اجمیر شریف میں ہوئی لیکن چند ہی ماہ بعد خصوصی طور پر ملاقات آگرہ میں ہوئی تو آپ نے سیدنا حضرت امیر ابوالعلاؒ محبوبِ جلّ عُلا کے مزارِ مقدس پر حاضری کے لئے خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ وہاں پہنچکر بعدِ فاتحہ خوانی مراقب ہونے کی ہدایت فرمائی۔ میں نے تعمیلِ حکم کی تو مجھ پر **توجہ اصلاحی** کے تاثرات طاری ہونے لگے۔ مگر میں نے باباؒ سے درخواست کی کہ کمالاتِ توجہِ باطنی کا ہی اگر مظاہرہ مقصود ہے تو مجھے عرش الہٰی کے مشاہدہ سے سرافراز فرمایئے۔ چنانچہ مکرر مراقبہ میں داخل ہوا تو فوری مکاشفہ کے وہ آثار نمایاں ہونے لگے جس میں ایک کیف ناقابلِ بیان اور وجدانی حالت قلب وذہن ناقابلِ اظہار پیدا ہوگئی جس کا اثر آج تک کسی لمحہ کم نہ ہوا بلکہ رقّت۔ گریہ وزاری میں روز افزوں ترقی ہوتی گئی۔ الحمد للہ الحمد للہ

"چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"

مجھے فخر ہے کہ میرے مرشد نے نہ صرف مجھے فیضیاب کیا بلکہ اپنے کمالِ استغراق فی الالوہیت کا مظاہرہ مجھ جیسے حقیر پر کر کے نجاتِ اخروی سے سرفراز فرمادیا"

علاوہ ازیں احقر نے خود بارہا دیکھا اور سنا ہے کہ حضرت قبلہ پا پیادہ سفر وزیاراتِ مزاراتِ مقدسہ کے بعد ازرہِ اُنسیت خصوصی فرمایا کرتے۔

"چلو تھوڑے وقفہ آرام وقیام کر کے قاری سے چائے بنوا کر پئیں گے اور قاری کے حجرے میں تنہائی بھی ہوگی۔" احقر لبسا اوقات ہمسفر وہمرکاب حضرت قبلہؒ رہا ہے۔ اور قدم شریف دبنی صاحب واقعہ بودلہ آگرہ) بھول سیدؒ مال روڈ آگرہ وغیرہ سے واپسی کے بعد ضرور تکیہ ہینگ منڈی آگرہ والی مسجد میں جہاں قاری صاحب موصوف امامت کرتے تھے قدرے قیام فرماتے اور حجرہ میں مختلف موضوعات پر گہر افشانی فرما کر دل ودماغ کو روشن کر دیتے۔ اسی دوران گفتگو اگر قاری صاحب موصوف اپنی کوئی خواہش

ظاہر فرماتے تو بڑے پیارے انداز میں اور محبت بھرے لہجہ میں جواب دیتے کہ "تو تو قاری بھی ہے امام بھی ہے اور پیر زادہ بھی ہے۔ تجھے اور کیا چاہیئے؟" مگر توجہ خاص استمداد باطنی علی الخصوص حاجی صاحب کی فرماتے رہے۔ اکثر درس وتدریس میں مجاہدات و ریاضات شاقہ کے لئے تاکید فرمایا کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود بدولت حاجی صاحب قائم اللیل اور صائم الدہر ایسے ہو گئے کہ نحیف و زار ہو کر بھی خلق اللہ کی خدمت کو اپنی سعادت قرار دی۔ پس یہی سلسلہ قیام پاکستان سے قبل اپنے مشاہدہ و تجربہ میں آیا ہے مگر حضرت قبلہ کی پاکستان میں تشریف آوری کے بعد آگرہ میں جملہ امورات متعلقہ باباجی صاحب حاجی صاحب اس انہماک سے انجام دیتے رہے کہ عوام الناس نے مانوس و محبوب بنا لیا۔ چنانچہ ۱۹۵۴ء میں حج بیت اللہ کے بعد کراچی حیدرآباد میں قیام کیا اور اکتساب روحانی حضرت قبلہ سے کر کے پاکستان سے واپس آگرہ تشریف لے گئے۔ اب آپ کا عالم ہی دوسرا تھا کہ آگرہ کے مسلمان عقیدتمندوں نے عموماً اور نو واردان ہندو سندھی اور سکھ حضرات خصوصاً آپ کو خوش اعتقادی سے نوازتے ہوئے حد سے تجاوز کر گئے۔ جس کا علم ہم لوگوں کو نہیں تھا۔ مگر وقتاً فوقتاً حضرت قبلہ اشارتاً و کنایتاً ضرور اظہار فرماتے رہتے جس کی بناء پر حضرت قبلہ سے یکایک ایک عجیب واقعہ کا اظہار ہوا جو درج ذیل ہے۔

۲۔ بتاریخ ۱۰ نومبر ۱۹۵۹ء بہ ہمراہی حضرت قبلہ حیدرآباد سے کوٹری ریلوے اسٹیشن پر آیا اور ہم پلیٹ فارم پر آپس میں مصروف گفتگو تھے کہ یکایک فرمانے لگے "ڈاک خانہ سے لفافہ لاکر عبدالحکیم کو فوراً آگرہ چھوڑنے اور مستقل قیام یہاں کرنے کے لئے لکھ دو" میں نے بڑی ہمت کر کے مؤدبانہ استفسار کیا کہ یکایک اس درجہ عجلت کا سبب کیا ہے؟ فرمانے لگے "حاجی خطرہ میں ہے فوراً بلاؤ" چنانچہ بہ تعمیل ارشاد فوراً لفافہ لاکر وہیں حاجی صاحب کو مراسلہ تحریر کر دیا کہ حسب الارشاد حضرت قبلہ فوراً پاکستان میں مستقل قیام کے لئے آجائیے۔ مگر دل میں طرح طرح کے اوہام و وساوس نے بیچین کر دیا کہ مبادا کوئی فرقہ وارانہ بلوہ ہو گیا یا ہونیوالا ہے اور موقعہ محل کا منتظر رہا کہ کوئی تسلی بخش معلومات ہو سکے چنانچہ کوٹری سے جنگشاہی تک حضرت قبلہ کا ہمسفر رہا اور دوبارہ اسی خطرہ کی بابت سوال کر ہی دیا کیونکہ آپ کے چہرۂ انور پر اضمحلال کے آثار ضرور نمایاں تھے۔ آپ نے بڑے پس و پیش کے بعد فرمایا کہ "حاجی صاحب دنیا والوں میں پھنس گیا ہے اور آخرت کی کمائی سے قدرے غافل ہے لہذا اب اس کا آگرہ میں مزید قیام ترقی کے لئے سدِ راہ بن جائے گا" اور تو اور مزید انکشاف بھی کر ہی دیا۔ کہ

"**بھلا فقیر کو کٹھم تالاب پر تفریح سے کیا واسطہ**"۔ میں نے دن تاریخ اور وقت بطور یادداشت نوٹ کر لیا کہ حاجی صاحب سے تصدیق کی جائے۔ حاجی صاحب کچھ عرصہ کے بعد ہی مستقل قیام کے لیے کراچی آ گئے۔

چنانچہ حاجی صاحب کا بیان بجنسہٖ درج ذیل ہے:۔

"وہی دن تاریخ اور وقت تھا جبکہ میں ہمراہی چند عقیدتمند حضرات کٹھم تالاب کے کنارہ خوش گپیوں میں مصروف تھا کہ یکایک اس مقام سے نفرت پیدا ہوئی۔ دل اچاٹ ہوا اور فوراً واپس اپنی مسجد کے حجرہ میں آ کر زار و قطار رونا شروع کر دیا معلوم ایسا ہوتا تھا کہ[2] **حضرتِ قبلہ نے یہ سب کچھ دیکھ لیا ہے اور تادیبی اقدام فرما رہے ہیں**۔ تین چار دن تک یہی کیفیت طاری رہی کسی پہلو چین نہیں بلکہ اب تو یہ عالم ہو گیا کہ آگرہ سے جسکو میں اپنا وطن ثانی کہا کرتا تھا غیر معمولی مفارقت محسوس کرنے لگا کہ ایک ہفتہ بعد پیغام حضرت قبلہ موصول ہو گیا اور میں نے فوراً روانگی کے انتظام شروع کر دیئے۔ بحمد اللہ ایک ماہ بعد ہی پاکستان آ کر قدمبوس ہو گیا۔ بابا نے حکم دیا کہ "جس خانقاہ کا لاپل کراچی کو میں چھوڑ آیا ہوں سنبھالو اور عبادات و مجاہدات میں وہاں مصروف ہو جاؤ۔ لیکن گاہے گاہے مشرف بہ تقرب ہونے کی بھی ہدایت فرمائی"۔ بہرحال اُدھر سے آج تک فیض جاری ہے۔ تو بندہ بھی اسی یادگار کو روز افزوں ترقی دینے میں مصروف ہے۔

یہ وہ خانقاہ مقدسہ ہے جہاں حضرت قبلہ نے بہ نفسِ نفیس پہاڑی کے دامن میں اوائل ۱۹۵۲ء میں کوہ کنی کرتے ہوئے پتھر نکالے۔ حدود قائم کیں۔ بنیادیں کھودیں اور دیواریں بنائیں اور میرے برادرِ طریقت سیٹھ رحمت اللہ آگرہ یا مرحوم نے سائبان بنا دیا بعدہٗ باقاعدہ شکل میں ایک خانقاہ تعمیر ہو گئی۔ بالائی حصہ پہاڑی کو حضرت قبلہ کے ایک خادم نے ہموار کیا اور جو پتھر برآمد کئے تو بابا صاحب قبلہ نے مسجد کے قبلہ رو لیشتہ میں ترتیب دیدیئے۔ اس کارِ خیر میں بڑے بڑے سیٹھوں اور حاکموں نے بذاتہٖ حضرت قبلہ کے اشارے پر پتھروں کو اٹھا اٹھا کر ترتیب میں ہاتھ بٹایا۔ آج وہی مسجد ایک عیدگاہ کی شکل میں قائم ہے۔ مزید ذکر آئندہ

---

[1] اسی کو توجہ القائی کہتے ہیں [2] یہ ہی توجہ اصلاحی ہے

برمحل اس خانقاہ کا کیا جائے گا۔ مگر فی الحال دونوں مقامات زیرِ نگرانی حاجی عبدالحکیم شاہ صاحب ہیں جو برابر ان کو رونق دینے میں مصروف کار رہتے ہیں۔ اور جو مرجع خلائق وزیارت بن گئے ہیں۔

۳۔ دوسرے مقرب خاص حضرت قبلہ کے مخدومی و مکرمی الحاج مولانا سید یوسف علی صاحب ہیں جو نجیب الطرفین سادات اکبرآباد کے ایک متحقق بمیسر مبلغ دین اور مئے حبِ رسول ﷺ سے سرشار۔ احقر کے بچپن کے ساتھی ہیں ان کے والد صاحب قبلہ الحاج مولوی سید کرامت علی مرحوم ایک ذہین، علم دوست، سیدھے، سچے معصوم صفت بزرگ تھے جن سے مولانا موصوف نے دولت علوم ظاہری وراثتاً پائی۔ مگر ذوق و شوق بچپن سے بزرگوں کی صحبت سے فیض حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ اپنی دوکانِ خیاطی واقعہ کچہری گھاٹ آگرہ میں لوگوں سے ۱۹۳۶ء میں حضرت قبلہ کی تعریف و توصیف سنکر شوق ملاقات پیدا ہوا تو بہ حسن اتفاق نماز مغرب کی ادائیگی کے خیال سے وضو کر کے مسجد میں داخل ہوئے کہ حضرت قبلہ کے دیدار فیض آثار سے مشرف ہو کر مصافحہ کیا۔ آپ کا بیان ہے کہ

"یکایک حسّ[1] و ادراک خوابیدہ میں ایک ہیجان پیدا ہوا۔ نگاہیں چار ہوئیں تو قلب و ذہن میں بھی انقلاب آگیا۔ واللہ ثم باللہ جس کا ذوق اشتیاق ایک عرصہ دراز سے تھا وہی سب کچھ حاصل ہو گیا۔ کیا بتاؤں اور کیا نہ بتاؤں بس یوں سمجھ لیجئے۔

"ایسا دیکھا ہے کہ معلوم نہیں کیا دیکھا"

"الغرض نماز مغرب حضرت قبلہ نے پڑھائی اور فرض نماز میں قرأت کا عالم یہ تھا کہ سارے مقتدی رقت و کیف سے ہم آغوش بے خودی[2] طاری اور اپنی کیفیت اللہ اکبر اللہ اکبر یہ تھی کہ بس لب منہ سے نکلنے والا ہی تھا کہ نماز ختم ہو گئی۔ دعا مانگی گئی۔ یقین کیجئے کہ اس نماز سے قبل نہ ایسی نماز پڑھی تھی اور نہ ایسی دعا مانگی تھی جس میں ساجد و مسجود، عابد و معبود اور سائل و مسئول آمنے سامنے ہوں۔ بس قلب و ذہن ایک ناقابلِ بیان عالم سے مسخر ہو چکے تھے تو روزانہ کا معمول حاضر بخدمت رہنا ہو گیا۔"

"چونکہ بسا اوقات حاضر خدمت رہتا تھا تو علم دین و تصوف کے عجیب عجیب محاکات و مقامات کو حضرتِ قبلہ سے معلوم کرنے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی۔ مثلاً تفسیر قرآن کو

---

[1] یہ فیض توجہ اصلاحی کہلاتا ہے [2] اس کو فیض توجہ اتحادی کہتے ہیں

احادیث کی روشنی میں اور احادیث کو قرآن کی روشنی میں ذہن نشین کرنے کا جو کمال حضرت
قبلہ میں پایا وہ آج تک کبھی اور کسی سے نہ حاصل کر سکا۔ مگر جو حاصل ہوا تو بحمد اللہ حضرت قبلہ
کا فیض ہے کہ آج بھی قائم ہے "کہ خطیب مسجد ناظم آباد اور ذاکر رسولؐ کے خطابات سے حضرت
قبلہ نے سرفراز فرما کر خدمت خلق پر مامور کر دیا۔

"حضرت قبلہ کے علوم ظاہری و علوم باطنی کے کمالات و مشاہدات سے تو وہی خوش نصیب حضرات
بہرہ ور ہوتے رہے ہیں جن کو حصولِ علم دین میں شغف حاصل تھا۔ اور علم تصوف کے حصول کیلئے
ذوق و شوق ہمہ وقت مصروف صحبت حضرت قبلہ رہتے تھے کیونکہ آپ ہی کا ارشاد گرامی
بسا اوقات ہوتا رہتا "کہ جاہل ولی نہیں بن سکتا" تو بھلا ولی کی ولایت ہی کا انحصار وہبی اور
کسبی پر رہا ہو تو ہم لوگ جو محض سطحی یا تو ریشتی علم حاصل کئے ہوئے ہوں تو کس شمار میں ہیں؟
بہرحال یہ میں نہایت ذمہ دارانہ طور پر کہہ سکتا ہوں کہ حضرت قبلہ کے اُن نوادرات کو جو ملفوظات
و کرامات پر محمول کئے جا سکتے ہیں سمجھنے اور سمجھانے کے لئے ذہنِ رسا اور قلبِ باذوق کا ہونا
نہایت ضروری ہے۔ یہ تو اُن ہی حضرات کے لئے فخر کا مقام ہے کہ جو چمنستانِ صلاح الدینؒ
سے خوشہ چینی کر کے محفوظ بہ تحریر کرنے میں کامیاب ہو سکے اور انہی میں سے میرے برادر عزیز
جناب شفیق احمد صاحب مصنف کتاب ہذا ہیں جو اس کارِ عظیم کو اپنا وسیلۂ نجات قرار
دے چکے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ"

ایک واقعہ خصوصی جو حاجی صاحب کا مشاہدہ ذاتی ہے ذیل میں درج ہے۔

۴۔ دوران حکومت ہندو کانگریس آگرہ میں ہندو مسلم بلوہ ہوا۔ قتل و غارتگری کا بازار گرم
کرفیو نافذ اور فوج کا گشت شہر میں قائم مگر حضرت قبلہ حسب معمول سیدنا حضرت جلال
بخاریؒ کے مزار پر حاضری کے لئے مسجد سے جمنا کنارے کی سڑک پر روانہ ہو گئے۔ پرانے پُل تک
جمنا کنارہ والی سڑک پر ہندو غنڈوں کا راج تھا اکا دکا مسلمان کو قتل کرتے اور جمنا میں بہا
دیتے۔ مگر حضرت قبلہ انہی غنڈوں کے بیچ میں سے ہو کر گذرے کہ سب نے آپ کو قتل کرنیکا منصوبہ
تیار کیا اور مشورہ کر کے ملائم سنگھ سرغنہ کو معہ چھُرے کے آگے بڑھا دیا۔ جوں ہی اس نے اپنا چھُرا
آپ کے پیچھے سے مارنا چاہا۔ آپ نے فوراً مڑ کر دیکھا۔ بس آپ کا دیکھنا تھا کہ چھُرا اس کے ہاتھوں
سے گر گیا۔ اور ملائم سنگھ حواس باختہ ہو کر بھاگنے لگا تو آپ نے اس کا چھُرا اٹھا کر بڑی کرخت
آواز میں فرمایا "مرد ہے تو مارتا کیوں نہیں۔ مار مار بھاگتا کیوں ہے؟" دراصل واقعہ کچھ اور ہی

ہو گیا تھا۔ اب تک جو نا ملائم سنگھ تھا بالکل ملائم سنگھ اسم با مسمیٰ ہو گیا تھا۔ اس کا حملہ نہ کرنا اور حواس باختہ ہو کر واپس بھاگنا بڑا ہی معنی خیز معمہ تھا۔ جس کی تشہیر خود ملائم سنگھ نے تمام شہر میں جگہ جگہ کر دی۔ اس کا بیان ہے کہ " جیسے ہی اُس نے حضرت قبلہ کی پیٹھ میں چھرا گھونپنا چاہا تو آپ نے فوراً مڑ کر دیکھا ان کا دیکھنا تھا کہ **اسکی[1] جانب چاروں طرف بہت سے آدمی حضرت قبلہ کی شکل کے نظر آئے** تو اپنی جان بچا کر بھاگنا ہی مناسب خیال کیا" اور ملائم سنگھ اس درجہ خوفزدہ نظر آتا تھا کہ ہفتوں اس نے ہندو مسلمانوں میں عجیب عجیب انداز سے اس واقعہ کو بیان کر کے اپنی پست ہمتی کا اعتراف اور حضرت قبلہ کی کرامت کا اظہار کیا۔

چنانچہ سیٹھ حیدر بخش صاحب ایم۔ ایل۔ اے کی سرکردگی میں مقتدر حضراتِ شہر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ملتمس ہوئے کہ جب تک شہر کی حالت اعتدال پر نہ آجائے آپ مسجد سے باہر آنا جانا بند کر دیں تو جواباً فرمایا۔

" موت مخلوق کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ خالق کے قبضہ میں ہے وہی محافظ حقیقی ہے جاؤ جاؤ اپنا کام دیکھو۔ خدا کو جو منظور ہو گا وہی ہو گا۔"

الحاج سیٹھ حیدر بخش صاحب صدر جمعیت القریش آگرہ کے ممتاز متموّل تاجر بقیدِ حیات ہیں۔ آپ تقرب خاص کے ذریعہ حضرت قبلہ کی تعلیمات وہدایت پر عمل پیرا ہو کر اکتساب روحانی کے حامل رہے ہیں۔ آپ کا ملک گیر کاروبار چونا قلعی قصبہ گوٹن ریاست جودھپور میں قائم ہے جہاں سے آپ کا عروج وکمال تموّل عالم وجود میں آیا۔ گوٹن ریاست جودھپور میں چونے کے پتھر کے مختلف پہاڑوں کے۔ درآمدہ سائنسی بھٹے ممالک چین وجاپان کے اور ایک عظیم الشان محلسرا عمارت موسومہ حیدر بلڈنگ واقعہ سوجتی گیٹ جودھپور کے تنہا مالک ہیں۔ علاوہ ازیں فلک بوس عمارتیں آگرہ۔ دہلی۔ بمبئی۔ جے پور وغیرہ میں بھی آپ کی ذاتی ملکیت ہیں۔ الغرض یہ سب کچھ عروجِ ملکیت چند سالوں میں ترقی پذیر ہوا اور سنہ ۱۹۴۶ء میں صوبہ یوپی کی اسمبلی کے منتخب ممبر ہو کر صوبہ کی جنگلات کمیٹی کے چیرمین مقرر ہوئے۔ حکومتِ وقت نے آپ کی صلاحیت وکارکردگی پر اعزاز واکرام سے نوازا

حضرت قبلہ کی نیازمندی میں داخل ہونے سے قبل آپ کی معمولی دوکان خوردہ فروشی چونے کی کچہری گھاٹ میں تھی مگر حضرت قبلہ سے والہانہ عقیدت اور حاضر باشی نے حوصلہ افزائی

---

[1] کتب سیر میں اس کمال کو اہل اللہ کا عالم مثالی میں آجانا قرار پایا گیا ہے۔

کرتے ہوئے اظہارِ عسرت وغیرہ وقتاً فوقتاً کرنا معمول بنا دیا۔ چنانچہ تہجد کے وقت ایک دن یکایک حضرت قبلہ نے فرمایا، "تھوک فروشی شروع کردو اللہ برکت دے گا"

بس یہاں سے آغازِ انقلاب ہوا اور حید رنجش صاحب نے مختلف ذرائع سے پونجی فراہم کرکے گوٹن سے ایک ویگن چونے کا آگرہ کے لئے درآمد کیا کہ سوئے اتفاق یہ دیوالی تہوار کا قرب تھا اور چونے کی کم یابی نے ویگن کا سودا اسٹیشن پر ہی کرا دیا اور بمعہ منافع رقم وصول کرکے حضرت قبلہ کے قدموں میں ڈال دی۔ یہ حُسنِ عقیدت تھا۔ مگر آپ کو ہدایت ہوئی کہ فوراً جاکر جس قدر جلد ممکن ہو مزید ویگن درآمد کرو۔ چنانچہ آپ واپس گوٹن گئے اور متواتر دو ہفتہ تک یہ ہی سلسلہ قائم رکھتے ہوئے کافی مال درآمد کیا۔ جس کا نتیجہ کاروباری حیثیت میں امید افزا اور ترقی پذیر ہوتا چلا گیا۔

اب یہ ہی کاروبار چند ماہ میں دیگر مقامات میں پھلتا اور پھولتا رہا اور حید رنجش صاحب سیٹھ حید رنجش کہلانے لگے۔ ممکن ہے کہ مارواڑ کی تہذیب کے اثر میں سیٹھ کا لقب اضافہ کر گیا ہو۔ مگر یہ شہرت عالم گیر ہوتی گئی اور نوبت باینجا رسید کہ صرف چار پانچ سال کے مختصر عرصہ میں آپ کو ریاست کی طرف سے ترغیب دی گئی کہ پہاڑوں کو نیلام میں خرید کرلیں۔ چنانچہ بقول حضرت قبلہ کے "سیٹھ حید رنجش پر غیب کے خزائن کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں" اب وہ چونے کے پتھروں کے پہاڑ نہیں ہیں بلکہ سونے کے پہاڑ ہیں۔ مگر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے سختی سے تاکید فرماتے رہے الحمدللہ الحمدللہ کہ صلاح الدین قبلہ کے نام سے آج بھی مساکین و محتاجوں میں مختلف مقامات پر روزانہ لنگر جاری ہے۔

دوسرا عروج دینی سیٹھ حید رنجش صاحب کو سعادت حج بیت اللہ کے ذریعہ سے حاصل ہوا الغرض الحاج سیٹھ حید رنجش صاحب کا شمار اُن مخصوص عمائدین شہر میں سے ہے جو کسی وقت بھی دامے۔ درمے۔ قدمے۔ سخنے خلق اللہ کی خدمت سے غافل نہیں ہیں۔

۵۔ آپ ہی کی زندگی کا ایک نہایت روشن پہلو وہ ہے جبکہ آپ ایک مرض موذی میں مبتلا ہوئے اور سترہ دن تک نہ بول و براز خارج ہوا اور نہ ایک دانہ یا قطرہ حلق سے نیچے اُترا۔ تمام قریش برادری اور شہر آگرہ کے عوام سخت پریشان تھے۔ ڈاکٹروں۔ حکیموں اور ویدوں کی تمام کوششیں رائیگاں ہو چکی تھیں اور چھنگا چودھری صاحب کی رائے سے آپ کو داخل ہسپتال بغرض آپریشن کرا دیا گیا تھا کہ حاجی صاحب نے مجھے فرمایا اگر حضرت قبلہ کی اجازت ہو جائے تو آپریشن کراؤں گا۔

چنانچہ راقم نے فوراً حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر معروضہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ

"مرض تو عدم ادائیگی زکوٰۃ کا ہے۔ ڈاکٹر حکیم بیچارے کیا کر سکتے ہیں۔" ہدایت فرمائی کہ "حاجی کو گھر پر لے آؤ۔" میں نے بجنسہٖ حاجی صاحب سے جب کہا تو آپریشن تھیٹر سے واپس چلنے کو کہا۔ تمام اعزا و اقارب سخت ناراض ہوگئے۔ مگر حاجی صاحب نے ایک نہ سُنی اور واپس گھر آگئے۔ اب آپ نے کمرہ میں سخت کرب کے عالم میں ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے اور حضرت قبلہ کی خدمت میں سب گھر والوں کو دہائی دینے اور حالِ زار بیان کرنے کے لئے بھیجدیا۔ حضرت قبلہ کے چہرہ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سخت ناراض ہیں۔ مگر بڑی جد و جہد اور خوشامد کے بعد تشریف لائے۔ بہرحال راقم ساتھ تھا فرمانے لگے کہ "عدمِ ادائیگی زکوٰۃ کا جرم سنگین نوعیت اختیار کر گیا ہے۔ عرض معروض کرنا ہمارا کام ہے۔ ماننا یا نہ ماننا اُس مالکِ حقیقی کا کام ہے۔"

حضرت قبلہؒ حاجی صاحب کے کمرہ میں داخل ہوئے اور مجھے ہدایت فرمائی کہ حاجی کے سامنے تکیوں کا انبار لگا دو تاکہ سہارا لیکر بیٹھ سکیں۔ اور خود ایک کرسی پر بالکل سامنے تشریف فرما ہو کر خاموش نگر بغور ملاحظہ کرتے رہے۔ پھر کچھ آیاتِ مقدسہ پڑھنا شروع کیا مگر رقّت و کیف طاری ہوتا گیا یہاں تک کہ آپ نے اپنی آنکھیں بند کرلیں مگر بند آنکھوں سے دو چشمے اشک ریزی کرتے ہوئے اس شدت سے پھوٹے کہ حضرت قبلہ کی ہچکی بندھ گئی۔ یہ معمول اندازاً آدھے گھنٹے تک جاری رہا کہ یکایک آپ نے ایک نہایت دردانگیز آواز میں ارشاد فرمایا "حاجی اللہ سے دست بدعا ہو کر عرض کرو کہ اپنی مخلوق کی خدمت کے لئے مجھے زندہ رکھ۔" باربار آپ بھی اسی التماس کو بارگاہ ایزدی میں دہراتے رہے۔ حاجی صاحب نے ایک بڑی بلند آواز میں ڈکار لی تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ "الٰہی فضل الٰہی فضل" بس فوراً ہی آپ نے ہدایت فرمائی کہ "دو رکعت نماز نفل شکرانہ ادا کرو۔ یہ تم نے عدم ادائیگی زکوٰۃ کی پاداش میں سزا بھگتی ہے۔ آئندہ احتیاط کرنا۔"

حاجی صاحب نے بعد ادائیگی نفلِ نماز فوراً سیف کی کنجیاں میرے حوالے کرتے ہوئے عرض کیا کہ جس قدر نوٹوں کی انبار ہیں نکال کر حضرت قبلہ کے قدموں میں ڈال دو۔ چنانچہ میں نے سارا کیش حضرت قبلہ کے رومالوں میں باندھا اور حاجی صاحب کی موٹر میں سوار ہو کر حضرت قبلہ کے ساتھ ہو لیا۔ اب حضرت قبلہ نے راوت پاڑہ میں خصوصاً ہندوؤں کے اجتماعات میں اور بلا لحاظِ مذہب و ملت محتاجوں اور مساکین میں رقم تقسیم کرنی شروع کردی۔ بعدہٗ آپ نے نوٹوں کی گڈیوں کو توڑا اور لٹا دیا۔ عوام تھے کہ حیران و ششدر کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

مگر زبان سے گاہے گاہے فرماتے "لوٹو صدقاتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ" تھوڑے سے وقت میں شہرت عام ہوگئی۔ مگر جب واپس مسجد میں ہم لوگ آئے تو حاجی حیدر بخش صاحب پاپیادہ گھر سے چل کر مسجد میں آ چکے تھے۔ یہ ایک درس تھا۔ ایک تبلیغ تھی۔ ایک کرامت تھی یا تجدیدِ حیات کا مظاہرہ تھا۔ اللہ علیم ہے کہ آج تک یہ راز راز ہے۔ مگر اقبال نے یوں واضح کر دیا۔

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے   خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

الحمد للہ الحمد للہ ہم پاکستان میں ہیں۔ مگر حاجی حیدر بخش صاحب کا عروجِ دین و دنیا روز افزوں ترقی پذیر آج بھی ہندوستان میں ہے۔ اور حضرت قبلہ کی ہدایات پر برابر عمل جاری ہے۔

میرے برادرِ طریقت محبی و مکرمی جناب مولوی سمیع الرحمٰن صاحب اسسٹنٹ انجنیئر پاک پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کراچی زون اکبر آباد یوپی (بھارت) میں مشہور و معروف خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے والد مرحوم حضرت خلیل الرحمٰن صاحب پیرزادگان ضلع مین پوری (یوپی) میں سے ایک متمول زمیندار طبقہ کے سربراہ شمار کئے جاتے تھے جو بمعہ اہلِ خانداں بالخصوص صاحبزادگان مولوی ولی الرحمٰن شفیع الرحمٰن حلقہ بگوشِ ارادت و طریقت حضرت قبلہ شاہ صلاح الدین صاحبؒ ہو کر عقیدتمندی میں ممتاز گردانے گئے ہیں۔ تینوں صاحبزادگان مذکور بھی عقیدت و طریقت میں بمصداق حدیث شریف "اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ" روزِ روشن کی طرح تابناک ہیں۔

۶۔ عزیزی سمیع الرحمٰن صاحب نے حصول تعلیم مروجہ وقت کے بعد محکمہ نہر یوپی میں ملازمت اختیار کر لی اور ۱۹۳۷ء میں مراد آباد (یوپی) میں تعینات ہوگئے۔ اتفاقیہ امر ہے کہ دورانِ انجام دہی کار سرکار آپ کو ایک مرضِ موذی کے حملہ نے آ دبا لیا۔ ڈاکٹروں کے علاج سے کوئی افاقہ نہ ہو سکا۔ سول سرجن مراد آباد نے تشخیص سے APPENDICITICE کیا اور مشورہ دیا کہ فوراً تھامسن ہسپتال آگرہ میں جا کر آپریشن کرایا جائے۔ چنانچہ سرکاری طریقہ سے آپ کو اپنے وطن ہی میں آنا پڑا۔ آپ کا بیان ہے کہ دل میں خیال آیا اپنے والدین۔ اعزا و اقارب کی موجودگی میں ہی آخری منزل طے کرنا قسمت میں لکھا ہے۔ کیونکہ درد کی شدت کا یہ عالم تھا کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے غشی طاری ہو جاتی تھی اور دم نکلنا باقی رہ جاتا تھا۔ آگرہ اپنے گھر پہنچکر مختلف اطباء سے رجوع کیا گیا مگر کوئی افاقہ نظر نہ آیا۔ ڈاکٹروں کی متفقہ رائے آپریشن کی تھی کہ برادرم محمد عظیم خاں چیف گڈس کلرک کراچی آپ کے اخی معظم نے اصرار کیا کہ حضرت قبلہ سے بھی رجوع کیا جائے۔ برائے کچھ ایسی عام پسند اور موزوں ثابت ہوئی کہ والدین اور بھائیوں نے سمیع الرحمٰن صاحب کو آمادہ

کر لیا کہ حضرت قبلہ سے عرض کیا جائے مگر جواباً آپ نے فرمایا کہ اس کو مسجد میں ہی لے آؤ۔
چنانچہ یہ قافلہ عزیز و اقارب کا بمعہ سمیع الرحمٰن صاحب مسجد میں حاضر ہو کر رو رو کر عرض کرنے لگا کہ اس جوان العمر حور شمائل پر رحم فرمایا جائے۔ اب مریض کا عالم یہ تھا کہ کروٹیں بدلنا۔ چیخنا اور درد و کرب سے زار و قطار رونا معمول تھا کہ حضرت قبلہ نے مسجد کے دالان میں آرام سے لیٹنے کو فرمایا اور جس مقام سے درد اُٹھ کر تمام اعضائے رئیسہ پر اثر انداز ہوتا تھا دریافت کیا۔ چاروں طرف تیمار داران کا مجمع تھا اور حضرت قبلہ نے اُس مقام درد کو بغور دیکھنا شروع کیا۔ کچھ آیاتِ مقدسہ تلاوت فرمائیں کہ رفتہ رفتہ درد میں تخفیف کا آغاز ہوا۔ گذشتہ کئی راتوں سے نیند حرام ہو گئی تھی تو غنودگی طاری ہوئی اب مریضِ بے حس و حرکت زمین پر اس طرح سے گہری نیند میں مصروف ہوا کہ آپ نے سب کو خاموشی سے ہٹ جانے کی تاکید فرمائی کہ "اس کو سونے دو" اب یہاں دیکھنے والوں کا یہ عالم کہ طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا ہونے لگیں۔ کچھ رونے لگے۔ کچھ خاموش تصویرِ حیرت۔ مگر حضرت قبلہ نے ہنستے ہوئے فرمایا۔

"دل کو ہے چین تو نیند آگئی انگاروں پر"

اور آپ چائے تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ سمیع الرحمٰن صاحب جس کروٹ سے لیٹے تھے اسی طرح اب خراٹے لینے لگے۔ چائے تیار ہو گئی تو آپ نے خود ہی ازراہ تمسخر فرمایا کہ "مسجد ہے گھر نہیں ہے۔ یہ سونے کی جگہ نہیں ہے۔ اٹھو، اٹھو چائے پی لو اور اپنے گھر جاؤ" بس اب کیا تھا کہ سمیع الرحمٰن آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھے اور حضرت قبلہ نے ہدایت کی کہ وضو کر کے نمازِ شکرانہ ادا کرو۔ جس قدر حاضرین تھے جوشِ مسرت میں زار و قطار رو دیئے۔ والدین خوشی خوشی نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔

۷۔ انہی حضرت کا ایک واقعہ ۱۹۴۲ء کا ہے جس میں آپ کو پبلک سروس کمیشن نے نان گزٹیڈ سے گزٹیڈ درجہ پر ترقی دینے کے لئے طلب کیا اور اڑتالیس اضلاع سے دیگر امیدوار مقابلتاً حاضر تھے۔ امتحان الٰہ آباد میں تھا۔ بورڈ کے سامنے جانے سے قبل آپ کی رائے تھی کہ دیگر حضرات کے مقابلہ میں شرکت ہی غیر موزوں ہے تو کامیابی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مگر آپ نے حضرت قبلہ کو تحریر کر دیا تھا اور والدین سے التماس کر دی کہ حاضری دیکر بذاتہ، حضرت قبلہ سے سفارش کی جائے تو "کام بنے"
آپ نے تاریخ معینہ پر الٰہ آباد پبلک سروس کمیشن کے دفتر میں حاضری دی اور پوری بورڈ نے

آپ کا امتحان لیا مگر آپ نے اپنی رائے کیمطابق پانچ فیصدی کی کامیابی کے متوقع تھے - دو روز تک قیام کیا ۔ مگر نتیجہ نہ معلوم ہوسکا اور ایک ہفتہ بعد نوٹیفکیشن کی توقع کی گئی - ادھر حضرت قبلہ نے بہراہی دیگرہ عقیدتمندان بموجودگی حضرت خلیل الرحمن صاحب تہجد کے وقت بڑے وثوق کے ساتھ عین امتحان کے دن ارشاد فرمادیا کہ " سمیع تو اول نمبر منتخب ہوگیا ۔ مبارک ہو " تیسرے دن سمیع الرحمن صاحب کچھ بجھی بجھی سی شکل بنائے دل برداشتہ آگرہ اپنے والدین کی خدمت میں آئے کہ والد صاحب نے برجستہ کامیابی کی خوشخبری سنائی ۔ مگر شگفتگی چہرہ سے پھر بھی ظاہر نہ ہوئی تو دریافت پر کہنے لگے کہ " مجھے تو پانچ فیصد بھی امید نہیں ہے " - اس پر گذشتہ چار دن قبل کا تہجد کے وقت کا واقعہ سنایا گیا تو دیوانہ وار بھاگے بھاگے حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ نے برجستہ " انجنیر " صاحب کے لقب سے پکارتے ہوئے مبارکباد کہا - اب چار دن بعد ہی گزٹ آگیا اور اس میں جیسا کہ حضرت قبلہ نے فرمایا تھا موجود پایا تو اب سمیع الرحمن صاحب کا یہ عالم ہوا کہ شدت رقت معمول - الفت شیخ مستقل اور عبادت و ریاضت شغل خاص بن گئے ۔ لیکن آج بھی اگر اس واقعہ کو یاد دلا کر پوچھ گچھ کی جائے تو آپ ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہی فیض و کرم آج بھی جاری ہے -

۸ — سید آصف علی صاحب ہیڈ مولوی میرے برادر طریقت ہیں اور ایک عالی مرتبت خاندان سادات اکبر آباد سے متعلق ہیں جو کم سخن منکسر المزاج ۔ معصوم صفت اور محقق ارکانِ شریعت و تصوف ہیں - آپ کو علمائے کرام و صوفیائے عظام کی محبت سے استفادہ حاصل کرنے کا شوق ابتدا سے تھا - اور اکثر اظہار یوں فرمایا کرتے کہ " جس طرح مشائخ کو بحالت سماع ایک کیف و سرور حاصل ہوتا ہے کاش کہ وہی مجھے بحالت نماز حاصل ہو " چنانچہ لیسا اوقات یہ ہی موضوعِ بحث ہوجاتا کہ ایک مجلس میں شیخ العصر عالیجناب علامہ سید محمد علی شاہ میکش صاحب دام برکاتہم نے بڑے حوصلہ افزا انداز میں آپ کی تمنا مذکور کے حق میں فیصلہ کن اعلان فرمایا " آصف بھائی آپ اپنے ارادہ میں مستقل و مستحکم رہیئے آپ کو ضرور کسی اہل اللہ سے وابستگی کے بعد آپ کی آرزو پوری ہوگی " بس یہ فیصلہ نوشتہ تقدیر ہوگیا ۔ جس کا اظہار اس طرح ہوا کہ ۱۹۴۳ء میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ حضرت قبلہ کی مسجد میں پہنچے اور اس دن آپ کی صحبت میں مختلف موضوعات پر ارشاداتِ گرامی حضرت قبلہ کے سننے کے بعد خیال پیدا ہوا کہ نمازِ باجماعت ادا کر کے رخصت ہوں ۔ پس عشاء کی نماز حضرت قبلہ نے

پڑھائی اور فرض نمازیں وہ کیف وسرور پیدا ہوگیا جس کی تمنا ایک عرصہ سے تھی معلوم ہوتا تھا کہ یہ نماز بالکل اُن نمازوں سے مختلف تھی جواب تک پڑھی گئیں۔ فرماتے ہیں کہ شدتِ رقت اس درجہ پیدا ہوگئی تھی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔ مگر نہ کچھ اس کی وجہ معلوم ہوسکی اور نہ راز کھل سکا جو سمجھ میں آتا بہرحال اُس دن سے یہ عزم بالجزم کرلیا کہ نمازیں پابندی اور کوشش کے ساتھ حضرت قبلہ کی امامت میں ہی ادا کی جائیں۔ پس یہ ہی آغازِ انقلاب اس درجہ اثر انداز ہوتا گیا کہ سعادتِ تقرب روز افزوں حاصل کرنا اپنی عادت ثانیہ بن گئی۔

آپ کی بیگم مرحومہ نے حضرت قبلہ کی بطورِ خاص خدمت کرنے کا شرف حاصل کیا اور جب مختلف النوع کھانے پکا کر ارسال خدمت کرتیں تو بڑی محبت آمیز لہجہ میں فرماتے کہ سیدانی کے کھانے نہیں ہیں بلکہ منّ وسلویٰ ہیں جن کو بشوق دوسروں کو کھلا کر دا دو دعا دیتے رہتے۔

مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دلنوازی کا مروّت حسنِ عالمگیر ہے مردانِ غازی کا

اقبال

احقر کا شمار اُن چند خوش قسمتوں سے ہے جن کی دنیا و آخرت چند لمحوں میں بطفیل حضرت قبلہ سنبھل گئی بقول اقبالؒ "نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"

۹۔ معرکۂ اوّل

میرے والد مرحوم حضرت حافظ امیر بخش قاری خوش الحان حلقہ بگوشِ طریقت بہ سلسلہ ابوالعلائیہ شیخ المشائخ عارف باللہ الحاج شاہ سید محمد اکبرؒ داناپوری ابوالعلائی کے مریدِ خاص تھے خود والد صاحب نے مجھے دینی وادبی علوم سے کماحقہٗ بہرہ ور کرکے حصولِ تعلیم اسکول وکالج کے واسطے انتظام کردیا۔ مگر کالج کی تعلیم جاری رکھنا مالی مشکلات کا سامنا کرنا تھا تو ۱۹۲۷ء میں کلکٹری کچہری میں ملازم ہوگیا جہاں بائیس سال تک ملازمت کے بعد ہجرت کرنی پڑی اس دورِ ملازمت میں بیشتر حصّہ بعہدۂ پیشکاری رہا اور عموماً لفظ پیشکار سے متعارف کیا جاتا رہا۔

۱۹۴۲ء میں جبکہ کانگریس نے تحریک (ہند چھوڑدو) بڑے شدومد سے چلا کر ملک گیر بنانے میں کامیابی حاصل کرلی تو حکومتِ برطانیہ نے شدید ترین قوانین سے کچلنے کے اقدامات کئے۔ جبکہ سرکاری دفاتر میں آتشزدگی۔ ریل گاڑیوں کی تباہی وغیرہ عام ہوگئی تھی

جلوسوں کی پابندیوں پر خلاف ورزی کرنا اور تزہیکِ حکومت معمول ہوگئے تھے تو مجسٹریٹوں اور پولیس کو خصوصی اختیارات کے ذریعہ اس تحریک کو ناکام بنانا بھی فرائضِ منصبی میں قرار دیا جاچکا تھا۔ میری تعیناتی بھی بہمراہی سٹی مجسٹریٹ پولیس گاڑی میں گشت کرنا ہی تھی۔

معرکۂ دوئم

شہر آگرہ میں ایک دن درلیسی ۲ء سے کانگریس کا جلوس نکل رہا تھا۔ پولیس اور مجسٹریٹ منتشر کرنے کے اقدام میں مصروف تھے اور پولیس کی گاڑی میں مولا بخش پتھر والے کی دوکان کے سامنے کھڑا ہوا تھا کہ حضرت قبلہ کو مولا بخش مرحوم سے مصروف گفتگو پاکر دوکان تک پہنچا۔ علیک سلیک کی اور واپس گاڑی میں آگیا۔ کوئی خاص نہ تعارف ہوا اور نہ کوئی گفتگو۔ لیکن چند ہی دنوں بعد بوقت عصر الحاج سیٹھ حیدر بخش صاحب کے ساتھ مسجد میں حضرت قبلہ سے لطور خاص متعارف ہوا تو معاملہ ہی دگرگوں ہوگیا اُس وقت میرے ہاتھ میں اسٹیٹمین اخبار انگریزی کا تھا اور برابر اسی کے مطالعہ میں مصروف رہا کہ حاجی حیدر بخش صاحب نے میرا تعارف اس طرح کرایا کہ "یہ شفیق صاحب پتنیکار سٹی مجسٹریٹ آگرہ میرے دوست وہم مکتب حافظ امیر بخش مرحوم کے بڑے صاحبزادہ ہیں۔ شاعر بھی ہیں اور تمام کچہری اور پولیس حلقوں میں بڑی عزت و توقیر کے حامل کہے جاتے ہیں مگر **نماز نہیں پڑھتے ہیں**" حضرت قبلہ نے میری جانب دیکھا تو حقیقی اور فطری طور پر ندامت محسوس ہوئی اور سر جھکا لیا۔ مجھے یہ انداز تعارف حاجی صاحب کا نہایت گراں گذرا۔ محض اس وجہ سے کہ ایک اجنبی کے سامنے نہ تعریف اس قدر کرنا تھی اور نہ اس قدر شرمندہ کرنا تھا۔ مگر حاجی صاحب نے اس واقعہ کے چند ہفتوں کے بعد فرمایا کہ "مجھے تو تمہاری اصلاح مقصود تھی کیونکہ تم نماز نہ پڑھنے کی طرح طرح کی تاویلیں بیان کرتے تھے۔"

اس وقت تو حضرت قبلہ نے مجھ سے اخبار لیکر پڑھنا شروع کر دیا اور ہدایت فرمانے لگے کہ اس اخبار کا لیڈنگ آرٹیکل (اداریہ) LEADING ARTICLE ضرور پڑھا کرو۔ مجھے حیرت ہوئی اس معمولی سی مسجد میں ایک مسجد کا مولوی اس قدر جامع اور معقول رائے کیونکر دے سکتا ہے۔؟ پھر حضرت قبلہ نے حاجی صاحب سے مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ "نماز یہ کیوں نہیں پڑھتے ہیں۔؟"

حاجی صاحب نے بڑے سخت لہجہ میں فرمایا کہ ان کا کہنا ہے

"جس کی نماز پڑھی جائے وہی سامنے نہ ہو تو نماز پڑھ کر کیا کریں ؟"

بس میری غصہ کی حالت ناقابلِ بیان تھی یہ توہین اور تزہیک ناقابلِ برداشت تھی اور وہاں سے اٹھ کر جانے ہی والا تھا کہ حضرت قبلہ نے اپنی جھکی ہوئی گردن قدرے اٹھا کر نہایت اطمینان سے حاجی صاحب کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا

"حاجی یہ کہتا تو ٹھیک ہے"

"بظاہر گر نباشد در عبادت
چہ شد در سر عبادت کردعادت"

معرکہ سویم

اللہ اکبر۔ اس قسم کی تائید میرے لئے زندگی میں ایک انقلاب انگیز اور ہیجان آفریں ہوکر رہ گئی میں غور کرنے لگا کہ اس سے قبل ہر شخص مجھ پر لعن طعن کرتا تھا اور طرح طرح سے مشتعل کرنے کے اسباب توہیا کرتا تھا مگر اس انداز سے سکون و تائید نصیب نہ ہوئی تھی اور حاجی صاحب تو چیں بہ جبیں ہوکر خاموش ہوگئے۔ الغرض حاجی صاحب کے چہرہ پر آثارِ شکست نمایاں تھے تو نیازمند غایت درجہ مسرور و مطمئن تھا کہ شاید میرا تیقن یا خام خیالی کسی حد تک صحیح ہے۔ چنانچہ حضرت قبلہ چائے تیار کرنے میں مصروف ہوگئے۔ بازار سے گرم گرم جلیبی لائے اور ہم دونوں کے سامنے پیش کردی میں نے اخلاقاً چائے حضرت قبلہ کے سامنے رکھ دی تو حاجی صاحب نے نادیباً فرمایا کہ "آپ کا روزہ ہے" میں حیران ہوگیا کہ جو شخص مسجد کا امام ہوکر۔ روزہ دار ہوکر چائے تیار کرے۔ بازار سے جلیبی لائے اور ہماری تواضع کرے تو کس نوعیت کا انسان ہوسکتا ہے؟ بہرحال چائے پی۔ جلیبی کھائی اور میں برابر اس ذہنی خلفشار میں مبتلا رہا کہ آخر یہ ہیں کس قسم کے صاحب جو آج تک دیکھنے میں نہیں آئے اور نہ کسی سے کوئی تعریف و توصیف سنی۔

بالآخر نمازِ مغرب کا وقت آگیا اور اب حضرت قبلہ نے مجھ سے خطاب کیا کہ "آپ تو حافظ صاحب کے فرزند ہیں اور اذان پڑھنا تو جانتے ہی ہوں گے" میں نے جواباً نگہ بالکل مردہ دلی سے اقرار کیا تو فرمانے لگے کہ "وضو کرکے اذان تو پڑھئے" وضو کرتے وقت سوچ رہا تھا کہ جس شخص نے مسجد کے مُلّا کی حیثیت میں

"لیڈنگ آرٹیکل پڑھنے کی ہدایت کی ہو"

معرکۂ چہارم

جس نے سب سے پہلے نماز نہ پڑھنے کی تائید میں برجستہ میری حمایت کی ہو۔ جس نے روزہ داری کی حالت میں تواضع کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہو۔ اگر وہ اذان یا نماز میں خواہش کرتا ہے تو اخلاقاً بھی

انکار ایک جرم ہوگا۔ بہر حال اذان پڑھی مگر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ
"لو میاں آج تم ہی تکبیر پڑھو اور ہم نماز پڑھائیں گے۔"

معرکۂ پنجم

چنانچہ تعمیلِ ارشاد میں تکبیر پڑھی گئی اور حضرت قبلہ نے امامت فرماتے ہوئے قرأت میں سورۂ فاتحہ تلاوت کی اور قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ پڑھنا شروع کیا۔ بس اب کیا ہوا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہاں قیام، کہاں رکوع اور کہاں سجدہ وغیرہ ادا کئے گئے۔ بس ایک کیفِ بے خودی ضرور کہا جا سکتا ہے جو بعد میں محسوس ہوا۔ میں جہاں نیت باندھے پہلی رکعت کی کھڑا تھا اُسی طرح سے تینوں رکعت کے بعد بھی کھڑا رہ گیا تھا۔ حضرت قبلہ دعا مانگ کر حجرہ میں فوراً چلے گئے جہاں سے حاجی صاحب کو ہدایت فرمائی کہ "اس کا ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑو اور نماز دہرانے کے لئے تاکید کرو" چنانچہ حاجی صاحب نے اس طرح مجھے مخاطب کیا جیسے کسی سوتے ہوئے آدمی کو جگایا جاتا ہے۔ میں نے اب خود کو دیکھا تو واقعی ایک پتھر کا بت بنا ہوا کھڑا تھا۔ کچھ خبر نہیں تھی کہ کہاں نماز ادا ہوئی۔ کیسی گذری۔ واللہ ثم باللہ آج تک یہ راز ہی راز ہے مگر آج تک الحمد للہ، الحمد للہ نماز ترک نہیں ہوئی۔

آج اس عرصہ دراز کے گذر جانے کے بعد یوں عقدہ کُشائی ہوتی ہے کہ بوقت تصنیفِ واقعہ مذکورہ مولانا رومؒ نے تائیدِ غیبی کرتے ہوئے سمجھا دیا۔

بخدا خبر ندارم چو نماز می گذارم ۔۔۔ کہ تمام شُد رکوعی کہ امام شُد فلانے

رومیؒ

اب کچہری سے فرصت پاتے ہی گھر اور فوراً گھر سے کچہری گھاٹ کی مسجد اپنے لئے وہ منزلِ خاص بن گئی تھی جہاں دل کو سکون، دماغ کو فکر اور زبان کو ذکر میں مشغول پانا ہی ماحصلِ زندگی بنا لیا تو حضرت قبلہ نے بھی حسن انعام و اکرام سے نواز ادر حقیقت سرمایۂ دنیوی و اخروی بن گیا۔

دراصل مسلک اہل اللہ میں مندرجہ بالا واقعہ **توجہ اصلاحی و توجہ اتحادی** کا مظہرِ خاص تھا جس کا ذکر خلاصہ اوپر کیا جا چکا ہے۔ اللہ یہ دولتِ ایمان سب کو نصیب کرے۔ آمین، ثم آمین۔

بس اک نظر نے دل کو میرے دل بنا دیا ۔۔۔ عکسِ جمالِ مُرشد کامل بنا دیا

شفیقؔ

میں اپنا بیشتر وقت حضوری حضرت قبلہ میں گذارتا تھا تو روزانہ کے مشاہدات میں آپ کی کرامات معمول بن گئی تھیں نمونہ مشتے از خروارے مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۰۔ نمازِ عصر کے بعد مسجد میں چائے کا دور تھا کہ ایک بڑھیا عورت روتی پیٹتی آئی اور حضرت قبلہ سے اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے جو قتل کے مقدمہ میں ماخوذ تھا تعویذ طلب کرنے لگی ہر چند حضرت قبلہ نے اس کو سمجھایا مگر بضد رہی کہ تعویذ ہی سے کام بنے گا۔ تعویذ دیا جائے۔ بدرجۂ مجبوری حضرت قبلہ نے ایک بڑے کاغذ پر اس طرح تحریر کرنا شروع کیا جیسے کوئی خط کسی کو لکھا جاتا ہے۔ حسنِ اتفاق کہ میں نے آتے جاتے ہوئے دیکھ لیا تو حرف غیر مربوط اور ناقابلِ فہم جملے تحریر تھے مگر اس قدر ضرور پڑھنے میں آتا تھا کہ "تو مولا ہے تجھ سے یہ فریاد نہیں کرتی ہے تو نے میرے سر پہ بلا ڈال دی ہے اور نہ معلوم کب تک یہ بلا مجھ پہ نازل رہے گی کیونکہ یہ تو زین خانہ کی رہنے والی ہے جب چاہے گی آجائے گی الٰہی فضل الٰہی فضل"

اللہ بہتر جانے یہ کیا راز تھا اور کس قسم کا تعویذ تھا۔ میں نے تو اپنی عمر میں اس نوعیت کا پہلا تعویذ دیکھا تھا۔ وہ تعویذ کی شکل میں بنا کر اس کو دیدیا تو بڑھیا نے بڑے زعم اور فخر سے کہا کہ "بس اس تعویذ کو موم جامہ کر کے کپڑے میں سیکر اپنے بچہ کے گلے میں کل ہی تاریخ پیشی پر اپنے ہاتھ سے باندھوں گی" بڑی بی خوشی خوشی مسجد سے چلی گئیں اور میں سر جھکائے ہوئے مسکراتا رہا تو حضرت قبلہ تاڑ گئے اور فرمانے لگے "من آنم کہ من دانم" بھلا میں اور قتل کے مجرم کی رہائی کا تعویذ لکھنے کے قابل خیال کیا جاتا ہوں یہاں تک ہی نہیں بلکہ راسخ العقیدہ ہو کر مجھ سے فرمائش کی جاتی ہے۔ اللہ جانے اور اس کی مخلوق۔ میں کون کھیت کی مولی ہے۔ بس یہ کہتے کہتے آپ کی ہچکی بندھ گئی رقت تھی کہ کم ہوتی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ یہ ہی عالم ہر نمازمیں۔ ہر ذکر میں اور مراقبہ میں برابر کئی دن تک قائم رہا اور جب خیال آتا تو اس بڑھیا کا اور بڑے پیارے انداز میں یکایک فرماتے کہ "مولا یہ کون بلا میرے پاس بھیجدی تھی۔؟"

ڈیڑھ دو ماہ کے بعد وہی بڑھیا ایک نوجوان کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئی اور سینہ پر بار بار بڑے فخریہ انداز میں ہاتھ مار کر کہتی کہ "دیکھو مولوی صاحب کہ آپ تو بس تعویذ دیدیجئے میرا بچہ اللہ کے حکم سے ضرور چھوٹ جائے گا۔ دیکھو ہوا نہ وہی۔ دیکھو یہ رہا میرا لڑکا جس کو سارے پولیس والے اور سب ہمسائے کہتے تھے کہ پھانسی کی سزا ہوگی۔ کیسا چھوٹا کہ سب کے دانت کھٹے کر دیئے۔ واہ مولوی صاحب ایسا آپ نے تعویذ دیا کہ میں نے بھی انگریز جج سے اور سرکاری

وکیل سے خوب حجت کر کے اپنے بچہ کے گلے میں تعویذ باندھ ہی دیا اور اسی دن سے حاکم اور پولیس سب موافق ہوتے چلے گئے اور آخر میں آج میرے بچہ کو صاف بری کر دیا۔ دیکھو یہ ہے میرا بچہ۔ مولوی صاحب" اب حضرت قبلہ پر ایک سکتہ۔ حیرت اور ناقابلِ بیان کیفیت طاری تھی۔ میں خاموش سر جھکائے بیٹھا سب سن بھی رہا تھا اور محسوس بھی کر رہا تھا کہ اس بڑھیا کے دل و دماغ پر محض تعویذ ہی تعویذ چھایا ہوا ہے۔ حضرت قبلہ نے چائے پلائی اور دونوں کو کچھ پیسے دیکر رخصت کر دیا۔ حضرت قبلہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا " دیکھو! مسبّب یوں اسباب پیدا کرتا ہے۔ کیوں اس بڑھیا کو کس راسخ العقیدہ حیثیت میں میرے پاس بھیجا اور پھر نام تو تعویذ لعویذ کا ہوا۔ مگر کام اسی مسبّب نے اس بڑھیا کا بنا دیا۔ واہ مولا! تو تو بس تو ہی ہے کہ سب کچھ تو نے کیا مگر اپنی شہرت کے بجائے بندہ کی شہرت کیوں؟" بس یہ کہہ کر جو رقت طاری ہوئی وہ تقریباً ایک ہفتہ تک مسلسل جاری رہی۔ بیٹھتے اٹھتے۔ چلتے پھرتے یہی کلمہ زبان پر تھا کہ اپنی کارگذاریوں کی شہرت اپنے لئے ہونی چاہیئے نہ کہ بندۂ ناچیز سے منسوب۔ یعنی

چو خود کردند راز خویشتن فاش   عراقی را چرا بد نام کردند

۱۱۔ ایسا ہی ایک واقعہ نہایت کٹر سناڈھ برہمن پنڈت دھرم دت ہاتھرس ضلع علیگڈھ والے کا ہے۔ ان پنڈت جی کی ایک ہی لڑکی کرشنا دتی باکرہ و بالغہ تھی جس پر عجیب عجیب دورے پڑتے تھے کہ رسیاں توڑ دیتی چار چار مردوں کو ڈھکیل دیتی اور اپنے ہوش میں گھنٹوں نہیں آتی جس کی وجہ سے والدین اور رشتہ دار بڑے مالدار ہونے کے بعد بھی کوئی علاج نہ کر سکے اور اس غریب لڑکی کی حالت دورہ پڑتے وقت نہایت قابلِ رحم ہوتی تھی۔ یہ پنڈت جی کسی سے سنکر آئے مگر ایسے پڑھکر آئے کہ اپنی مراد ہی لیکر رہے۔ اب ذرا پورا واقعہ مِن و عَن ملاحظہ ہو۔ میں اندازاً گیارہ بجے دن کے وقت مسجد میں جاروب کشی کر رہا تھا اور حضرت قبلہ کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے کہ پنڈت جی نے جو تلک دھاری ہوتے ہوئے مسجد کے اندر داخل ہو کر دریافت کیا" یہاں مولوی صلاح الدین صاحب رہتے ہیں؟" قبل اس کے کہ میں جواب دیتا حضرت قبلہ نے فرمایا" ان کا تو مدت ہوئی انتقال ہو گیا" بس اسقدر سنکر پنڈت جی بجائے لٹے پیر لوٹنے کے جوتے دروازہ پر اتار کر اندر صحن میں داخل ہو گئے تو حضرت قبلہ نے بڑی ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرمایا" یہ مسجد ہے مسلمانوں کی عبادت کی جگہ ہے۔ تو ہندو ہے کیوں اندر چلا آ رہا ہے"۔ مگر اس غریب کے چہرہ سے ایسی بے بسی اور بیکسی

ٹیک رہی تھی کہ دل میں بار بار خیال آیا کہ اسکے بچہ کا کچھ حال یا مصیبت تو معلوم ہو مگر آپ کے رعب کے آگے کیا مجال تھی جو دخل دیا جائے تاہم اُس غریب نے از خود کہا کہ "میری بپتا تو سُن لو مہاراج پھر چاہے مار کر یہاں سے نکال دینا۔" آپ نے فرمایا "میری مصیبت بھی تو سُن لے" الغرض اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی اور اُس نے تو قصہ شروع ہی کر دیا کہ "میری جوان العمر اکلوتی لڑکی پر کسی آسیب کا ایسا اثر ہے کہ تمام ہندوستان کے کونہ کونہ میں علاج کے لئے مارا مارا پھر رہا ہوں اور چار سال میں چار گھنٹے بھی سکون نہیں ملا ہے بس اب پرماتما سے موت مانگتا ہوں تو موت بھی نہیں آتی ہے۔"

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد
اقبالؔ

ادھر میرا تو بُرا حال ہو گیا کیونکہ وہ ڈینگ مار مار کر رونے لگا۔ دروازہ پر آس پاس کے پڑوسی مرد و عورت تماشا بنے ہوئے دیکھ رہے تھے کہ ایک تلک دھاری برہمن مولوی صاحب کے پاس مسجد میں بیٹھا رو رو کر فریاد کر رہا ہے۔ اس مسجد کا محل وقوع کچھ عجیب ہے کہ ہر چار طرف ہندوؤں کی گنجان آبادی ہے مسلمانوں کے مکان بہت فاصلہ سے بازار کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ الغرض ان پنڈت جی کا حال بالخصوص ہندو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ مگر حضرت قبلہ اُس کو جس قدر ٹالنے کی کوشش کرتے اسی قدر وہ جم کر اور پالتی مار کر بیٹھتا رہا اور برابر خوشامد کرتا رہا کہ میں تو بس آپ ہی سے دیا چاہتا ہوں کیونکہ آپ بڑے دیالو ہیں۔ اب نہ معلوم کیا ہوا کہ حضرت قبلہ نے اُس کو چائے پینے کی تو اس نے ذرا جھجک نہ کی اور دیکھنے والوں کے سامنے ہی چائے پی لی۔ پھر کچھ سوچ کر آپ نے فرمایا کہ "جاؤ اُس لڑکی کو یہاں لے آؤ۔" بس اتنا سُننا تھا کہ پنڈت جی فوراً اپنی گاڑی میں گئے اور پندرہ بیس منٹ بعد ہی معہ لڑکی اُس کی ماں اور ماموں کے مسجد کے دروازہ پر آ کھڑے ہوئے۔ سبھوں نے دروازہ پر جوتے اتارے اور حضرت قبلہ کی اجازت سے اندر داخل ہوئے۔ لڑکی جو نہایت حسینہ و جمیلہ ساڑھی میں ملبوس تھی چیخنے چلانے لگی کہ "مجھے یہاں مت لے جاؤ۔ مجھے یہاں مت مارو **میں مر جاؤں گا**۔ نہیں نہیں کیوں مجھے مارتے ہو" وغیرہ وغیرہ۔ مگر حضرت قبلہ نے ان چاروں کو مسجد کے اندر لیکر دروازہ بند کر دیا تو مسجد کے چاروں طرف مکانوں کی چھتوں پر سینکڑوں ہندو عورت، مرد دیکھنے لگے۔ آپ نے پنڈت جی اور ان کے ساتھیوں کو حکم دیا کہ "سنو بھر بھونجہ

کی دوکان کی طرف منہ کر کے بیٹھیں"۔ مجھے حکم دیا کہ صحن کی طرف پشت کر کے چولھا جلاؤ اور چائے کا پانی رکھ دو"۔ مگر یہ لڑکی دھوپ میں بیچ صحن مسجد میں برابر اول فول بکنے لگی اور اپنے تن بدن کا اُسے مطلق ہوش نہ رہا۔ حضرت قبلہ حجرہ میں تشریف لے گئے اور چند ہی منٹ بعد ایک تحریر شدہ کاغذ کا پُرزہ بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں دبائے ہوئے باہر تشریف لائے اور میں نے قدرتاً حضرت قبلہ کی طرف دیکھا تو چہرہ سرخ جیسے انتہائی غصہ میں ہیں اور اس لڑکی کی فرش پر پرچھائیں کو دیکھتے دیکھتے سیدھے ہاتھ سے اس کی گردن گرفت میں لے لی اور اُسکی آنکھوں کے سامنے وہ پُرزۂ کاغذ کا جو نقش معلوم ہوتا تھا کر دیا۔ چونکہ اُس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں مگر نقش کو دیکھتے ہی بند ہونی شروع ہوئیں۔ گردن ڈھیلی ہونے لگی وہ زور اور وہ جوش ختم ہو رہا تھا کہ حضرت قبلہ نے اُسی حالت میں سیدھے ہاتھ سے اُس نقش کی فوراً بتی بنا لی۔ جیسے ہی کاغذ کا پُرزہ گول بتی بن گیا تو وہ لڑکی دھڑام سے فرش پر گر گئی اور آپ نے اپنے سر کی لُنگی جھکی جھکی نگاہوں سے لڑکی کے ستر پر ڈال دی اور بڑی پھرتی سے آپ مسجد کی چھت پر چڑھ گئے۔ مجھ سے بکس دیا سلائی کا مانگا اور فوراً چائے تیار کرنے کے لئے حکم دیا۔ یہ سارا حال تمام دیکھنے والوں نے دیکھا اور دیکھنے والے یکایک چیخنے لگے۔ "مولانا صاحب کیا بھینس جلا رہے ہو یا کتا جلا رہے ہو۔ ہمارا دم گھٹتا جا رہا ہے"۔ حضرت قبلہ نے وہیں کھڑے سب کو دکھایا کہ" اندھے ہو میں تو کاغذ جلا رہا ہوں"۔ پھر آپ نیچے تشریف لائے اور لڑکی کی ماں سے کہا کہ اس کو اٹھاؤ۔ مگر وہ تو بے ہوش تھی یا گہری نیند سو رہی تھی۔ آپ نے اُس لڑکی کا نام لیکر کہا کہ" اٹھ منہ ہاتھ دھو"۔ یکایک لڑکی انگڑائی لیتی ہوئی اٹھی اور اب خود کو نئی جگہ دیکھ کر حیا و شرم محسوس کرنے لگی۔ ماں باپ نے منہ ہاتھ دھلائے اور اب وہ لڑکی ہوش و حواس میں ہو کر سر نیچا کئے بیٹھی رہی۔ چاروں کو حضرت قبلہ نے چائے دو دو مرتبہ پلائی۔ کیا ہوا کیا گذری کچھ پتہ نہیں۔ مگر پنڈت جی کا بُرا حال تھا کہ ہنستے تو ہنستے ہی رہتے اور روتے تو روتے ہوئے نہ تھکتے۔ پنڈت جی کے پاس جس قدر نقدی موجود تھی وہ صحن مسجد میں بکھری پڑی تھی اور سب کو گھر پہنچا کر واپسی میں پنڈت جی کس قدر نوٹوں کی گڈیاں انگوچھ میں لائے کچھ پتہ نہیں۔ بہرحال حضرت قبلہ پنڈت جی کی گاڑی میں بیٹھے تمام شہر میں تقسیم کر کے پنڈت جی کی دولت ختم کر دی۔ بظاہر غم کا کانٹا نکال کر پنڈت جی کو پر سکون ضرور کر دیا تھا۔ لیکن قابل رشک معتقد بنا دیا۔ یعنی ہاتھرس سے روزانہ یا کم از کم دوسرے تیسرے ضرور آنا۔ حضرت قبلہ

کا چھوڑا ہوا پانی۔ دسترخوان کا باقیماندہ کھانا اپنے سونے چاندی کے برتنوں میں محفوظ کر کے لیجانا۔ اور یہ کہتے ہوئے استعمال کرنا کہ "یہ تو بھگوان جی کا پرشاد ہے" پنڈت جی عقیدہ میں اس درجہ تجاوز کر گئے تھے کہ حضرت قبلہ سختی سے منع فرماتے اور لیسا اوقات تو صاف کہتے کہ "اب میرے پاس مت آؤ دور جاؤ خَسِرَ الدُّنیاءِ وَالْآخِرَۃ"

اِک فقر ہے شبیریؓ اور فقر میں ہے میری ۔۔۔ میراثِ مسلمانی سرمایۂ شبیریؓ

اقبال

بخیالِ طوالت مزید واقعاتِ کرامات کے اظہار سے گریز مناسب ہے۔ جب میں نے ہجرت کے لئے آمادگی کا اظہار کیا تو بخوشی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے ہدایت کی کہ اگر خواجہ غریب نواز کے عرس میں شرکت کر کے خواجہ صاحب کی حمایت میں آکر پاکستان گئے تو نہایت موزوں ہوگا۔ چونکہ ایک سال قبل اہل وعیال پاکستان آچکے تھے مگر پاسپورٹ کا نفاذ نہ ہوا تھا۔ چنانچہ بعد حصول پنشن یکم مارچ ۱۹۴۹ء تک روانگی کے لئے مصروف بانتظام ہوگیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ نے اپنی ہمراہی میں اجمیر شریف تک مجھ کو گوارا فرمایا اور جن جن انواع و اقسام کے الطاف کریمانہ سے نوازا وہ ناقابلِ تحریر و اظہار ہیں۔ اب چھ روز تک حضوریٔ غریب نواز سے فیضیاب ہو کر بارہ میر کھوکھرا پار کے لئے مرخص کر دیا۔ لذتِ ہجرت بآغوشِ مفارقت دیکھ کر دل نہ چاہتا تھا کہ حضرت قبلہ کے قدموں سے جدا ہو جاؤں۔ مگر مشیّت ایزدی یونہی تھی اور میں نے رختِ سفر باندھا اور اکبر آباد وطنِ عزیز کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیرباد کہتا ہوا داخلِ حدودِ پاکستان ہوا۔ اور اپنے وطنِ جدید میں آکر اوراقِ کتاب زندگی کا مطالعہ ازسرِ نو شروع کر دیا۔ یہاں وطنِ عزیز سے زیادہ سکون و اطمینان نصیب تھا مگر ایک کسک دل میں اور کھٹک جگر میں برابر ہوتی رہتی تھی کیونکہ مہاجرین کا مسئلہ آبادکاری گویا TRANS — PLANTATION یعنی اکھاڑے ہوئے درختوں کو جمانا تھا اور یہ کوئی آسان کام نہ تھا اس وجہ سے کہ مہاجرین کے قافلے لٹے پٹے بکثرت ہندوستان کے اطراف وجوانب سے پاکستان میں داخل ہو رہے تھے اور حکومت و عوام انتہائی جدوجہد کے ساتھ گوناگوں مسائل کو حل کرنے میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے تاہم ہزارہا مشکلات عوامی زندگی کے لئے خود ایک مسئلہ بن گئی تھیں۔ ایسے پُرآشوب دور میں استقلال و اطمینان کی سانس حقیقتاً ایک نعمتِ غیر مترقبہ متصوّر کی جا سکتی تھی اور وہ گاہے گاہے بذریعہ تقریر و تحریر رہنمایانِ قوم کے توسل سے نصیب ہوا کرتی تھی کہ دفعتاً ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو حادثۂ جانکاہ قائدِ ملت نواب زادہ لیاقت علی خانصاحب

کی شہادت کا قوم وملک کو درپیش آیا اور اب یہ انقلاب متعدد انقلابوں کا پیش خیمہ بن کر آیا جس سے قوم کی کمر ٹوٹ گئی۔

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

اقبالؔ

چنانچہ اب یہ دور پاکستان نوزائیدہ مملکت میں تھا کہ ایک طرف قائداعظم کی مفارقت دوسری طرف قائد ملت کی شہادت وہ سانحۂ عظیم تھے کہ قوم یتیم بنکر رہ گئی تھی بالخصوص مہاجرین جو آماجگاہ مصائب و آلام پہلے ہی سے بنے ہوئے تھے تو مزید کس مپرسی اور بیکسی کے عالم میں پڑ گئے خصوصًا کراچی میں ان غریبوں کے لئے مداوا ضرور تھا تاہم سکون قلبی وذہنی مفقود ہو چکا تھا۔ پس ایسے حالات میں مُسبّب الاسباب نے بغیر کسی اطلاع کے فرشتہ صفت حضرت قبلہ کو بھی بماہ دسمبر ۱۹۵۱ء کراچی پہنچا دیا اور آپ نے عارضی قیام کے لئے ریلوے کوارٹر کالاپل والی مسجد کے حجرہ میں مخصوص فرمایا مگر بیشتر اپنا وقت پیر بخارتی مابین جناح ہسپتال و ریلوے لائن کالاپل میں گذارنا پسند فرمایا۔ مگر جوں جوں عوام آپ کی تشریف آوری سے آگاہ ہوکر بکثیر تعداد ہمہ وقت اکتسابِ فیض کے لئے حاضر ہوتے رہے حسبِ دستور آپ چائے سے اور نقدی سے سب کو نوازتے رہے اور حاجتمندوں کی دادرسی کماحقہٗ فرماتے رہے لیکن بعض اوقات تنگیٔ جگہ کی وجہ سے اور حاضرین ومعتقدین کے خلوصِ نیت کے احترام میں ریلوے کوارٹر کی مسجد۔ اُس کے حجرہ اور اپنی قیام گاہ ریلوے کوارٹر کو ناکافی خیال فرما کر ایک گونہ غیر معمولی احساس سے مغلوب ہوکر قریب کی پہاڑی جس پر عیدگاہ اور خانقاہ قائم ہے چلے جاتے اور لوگوں کو ہدایت فرما دیتے کہ آپ تک آنے کی زحمت گوارہ نہ کریں کیونکہ اُس وقت یہ پہاڑی اور اس کے آس پاس کے علاقہ میں ایک غیر آباد سنسان اور بھیانک منظر تھا یہ وہی پہاڑی اور اس کا دامن ہے جہاں آج اس برگزیدہ ہستی کے قدم رنجہ فرمانے سے تقریبًا چار پانچ ہزار بندگانِ خدا کی آبادی ہے جس کو آج ہزارہ کالونی کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے مومن کا مقام ہر کہیں ہے

اقبال

اس پہاڑی کے دامن میں صرف ریلوے واٹر پمپ ریلوے ملازمین کے لئے قائم تھا ورنہ دامن کوہ یا دامن صحرا ہر چار جانب پھیلا ہوا تھا۔ بہ فیضِ بزرگ موصوف پہاڑی کا نشیبی حصہ

ہموار کیا گیا اور چند عقیدتمندوں نے اپنے ہاتھوں سے پتھر نکالے۔ زمین ہموار کی۔ چار دیواری قائم کی اور سیٹھ رحمت اللہ بھائی مرحوم نے اس پر چادریں آہنی ڈلوا دیں۔ بس یہ ایک شکل خانقاہ کی قائم ہو گئی اور بصد عجز و نیاز و البندگان نے بابا صاحب قبلہ سے معروض پیش کی کہ بجائے حجرہ اور کوارٹر کے اسی کو اپنی قیام گاہ بنائیں۔ بڑی مشکل اور خوشامدوں کے بعد الحمدللہ آپ راضی ہو گئے۔ پھر کیا تھا کسی نے غسل خانہ۔ کسی نے استنجا خانہ اور کسی نے باقاعدہ مسجد کی نمود کو قائم کر دیا۔ چنانچہ چٹائیاں۔ صفیں اور ضروری اشیاء سے اس خانقاہ کو آراستہ کر دیا گیا۔ اب چوبیس گھنٹے آنے والوں کے لئے کوئی دقت یا تکلیف نہیں رہی۔ پانی ریلوے پمپ سے مہیا ہو جاتا تو اس بزرگ موصوف کے درس و تدریس۔ ذکر و فکر کے مشاغل ہمہ وقت قائم رہنے لگے جس کا اثر زیادہ تر فیوض و برکاتِ روحانی پر محمول رہنے لگا اور مخلوق خدا کو فیضیاب ہونے کا ہر لحظہ اور ہر لمحہ بیشتر ہونے لگا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہر سائل و ہر حاجتمند اس دریائے فیض آثار سے بہرہ ور ہونے لگا اور شہرت عام ہو گئی کہ کچہری گھاٹ والے بابا جو آگرہ میں پیسے بانٹتے تھے یہاں روپیہ بانٹنے لگے ہیں۔ الغرض دنیا وہی دنیا ہے جہاں تاریکی اور روشنی ساتھ ساتھ ہو۔ مختلف الخیال گمراہوں نے بھی اپنی تاریک زندگیوں کو منور اور روشن کر لیا۔ یہی زمانہ ملک غلام محمد مرحوم گورنر جنرل کا تھا کہ جس نے جمہوریت کی قتل گاہ اسی کراچی میں قائم کی جبکہ فتنہ پردازیاں اپنے عروج و کمال پر پہنچ چکی تھیں اور عوام کی بے چینی اور اضطراب عرش پر دازی پر مائل نظر آتے تھے کہ شاہ صاحب قبلہ نے ہفتوں اس کورنگی اور لانڈھی کے لق و دق صحراؤں میں بھوک اور پیاس میں شب و روز گذار دیئے۔ عوام تھے کہ تلاش کرتے تھے مگر ناکام واپس آ کر خانقاہ میں دعاؤں اور عبادتوں کے ذریعہ بابا صاحب کے قدمبوس ہونے کی آرزو میں مضطرب الحال رہنے لگے تھے۔ بہر حال کچھ نہ معلوم تھا کہ یہ کیا راز ہے اور کیونکر بابا صاحب اس طرح غائب ہو جاتے ہیں۔ مگر آج معلوم ہوا کہ وہی جنگل آج منگل بنا ہوا ہے۔ وہ ہی بیابان ایک گلستان ہے جہاں توحید کے پرستار اس وحدہٗ لاشریک کی عبادتوں کے لیے خنداں و شاداں نظر آتے ہیں جہاں لاکھوں مسلمان اپنی اپنی بستیاں بسائے ہوئے خوش و خرم ہیں بالفاظِ دگر وہ کیڑوں مکوڑوں کی طرح کراچی شہر کے گلی کوچوں میں ایڑیاں رگڑنے والے آج انسانوں کی طرح شاد و آباد نظر آتے ہیں۔

علی العموم تو حاضرین کو ہدایت تھی کہ ایسی خانقاہ میں باوضو ہو کر ذکر میں مشغول رہیں۔

مگر علی الخصوص محفلِ ذکر و فکر عصر و مغرب کے درمیان اور بعد نماز تہجد منعقد ہوا کرتی جس میں قبلہ موصوف بہ نفسِ نفیس شرکت فرما کر شرکائے محفل کو ضروری درس دیکر قرآن و حدیث کیمطابق عمل کرنے کی تاکید فرمایا کرتے خصوصاً بعد نماز تہجد ایک کیف و سرور اور وجدانی کیفیت سب پر طاری ہوجاتی اور آپ بحالتِ رقّت رو رو کر درگاہِ رب العزّت میں سب کے لئے دعا فرماتے نتیجتاً حاضرین اپنے اپنے دامنوں میں گوہر مُراد بھر کر دینی اور دنیوی مقاصد میں کامران و کامیاب ہوجاتے ۔ یہ ہی سلسلہ ایک عرصہ دراز تک جاری رہا اور صاحبانِ استطاعت مختلف طریقوں سے حسب توفیق الٰہی حاضرین کی خدمات انجام دیتے رہے ۔ یعنی کسی نے چائے کا کسی نے کھانے پینے کا اور کسی نے قیام و آرام کا معتقدین کے لئے انتظام کرنا اپنی سعادتِ دارین خیال کیا اور اب انہماک و استغراق سے عبادت و ریاضت باقاعدہ اور باضابطہ اسی خانقاہ میں ہونے لگی ۔ اکثر حضرات بیرونِ کراچی سے آتے یا مقامی حضرات بلا کسی جبر و اکراہ کے سکونِ ذہنی اور سکونِ قلبی سے ہم آغوش ہوتے اور بابا صاحب قبلہ سے تقرّب و فیض حاصل کرنے میں کامیاب رہتے ظاہر ہے کہ اس حالت میں وہ کون بدنصیب ہوگا جو اس نعمتِ غیر مترقبہ سے محروم ہو کر مصائب و آلام میں مبتلا رہے ۔ چنانچہ اب کالاپُل عوام کے لئے ایک چشمۂ فیض بن چکا تھا اور ہمہ وقت عورتوں اور مردوں کا وہ ہجوم رہتا کہ اکثر قبلہ موصوف کسی نہ کسی طرح اس خانقاہ سے روپوش ہوجاتے مگر شب کو پابندی کے ساتھ ذکر میں شرکت فرماتے اور حاجتمندوں کی ضرورتوں کو پورا کرتے ۔ الغرض اب یہ محفل ذکر و عبادت بھی کچھ ایسی کیف آور اور سرور آگیں ہوگئی کہ مستقل شرکت کرنے والے بارہ بجے رات سے آکر نوافل کی ادائیگی میں مصروف ہوجاتے ۔ اور چائے و تبرک کے مختلف دور نمازِ فجر تک ہوجاتے ۔ اللہ اللہ کیا دن اور کیا راتیں تھیں کہ ایک مجدّدِ وقت کی ہمراہی میں عبادتیں اور ریاضتیں ہوتی رہیں اور ہر آنے والا جو روتا ہوا آیا و اللہ ثم باللہ ہنستا ہوا اپنے گھر پر گیا ۔ کیا کیا فیوض و برکات کی بارشیں ہوئیں بخیال طوالت نظر انداز کرنا ہی مناسب ہے ۔ بقول شخصے ۔

" ایسا دیکھا ہے کہ معلوم نہیں کیا دیکھا "

الغرض اس چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کے لئے ہر طبقۂ خیال ۔ ہر عقیدہ اور ہر فرقہ کا انسان خواہ مزدور ہو یا سیٹھ ۔ لکھ پتی ہو حتیٰ کہ مرکزی اور صوبائی دفاتر کے چوٹی کے حکام سے لیکر ادنیٰ حیثیت کا ملازم اس بزرگ کے دیدارِ فیض آثار سے مشرف ہونے کیلئے چوبیس گھنٹے مضطرب الحال

نظر آتا تھا۔ اسی آستانۂ عالیہ پر خواجہ ناظم الدین مرحوم گورنر جنرل اور عدالت العالیہ کے ممتاز ججوں کو بھی دیکھا اور اپنے دامنِ مراد کو بھر کر لیجاتے ہوئے بھی دیکھا ساتھ ہی ظہور کرامات بھی ہوتا رہا کہ جس سے دنیا والوں کو نہ صرف حیرت ہوتی تھی بلکہ شانِ قدوسی وجبروتی کے سینکڑوں مظاہرے بھی منصۂ شہود پر آتے رہے جن کو فرداً فرداً دائرۂ تحریر میں لانا محال ہے۔ مگر نمونہ از خروارے پیش کئے جاتے ہیں۔

شبابِ خوارقِ عادات

قبلہ موصوف کو قرأت قرآن شریف اور مولانا رومیؒ کی مثنوی شریف سے خاصی دلچسپی تھی۔ اکثر وبیشتر فرمائش کر کے سماعت فرماتے مگر ادائیگی وصحتِ بیان بطورِ خاص ملحوظِ خاطر ہوتا تھا کہ حسنِ اتفاق نیاز مند احقر کے ہمراہ حافظ عبدالغفار جو تنے والے خانقاہ میں موجود تھے مگر قبلہ موصوف سے متعارف نہیں تھے کہ نمازِ مغرب کا وقت قریب تھا لوگ وضو وغیرہ میں مصروف تھے کہ میں نے بطورِ خاص "حافظ صاحب" کہہ کر وضو کے لئے عجلت سے تاکید کی قبلہ موصوف نے بھی ان صاحب کو ایک نگاہ سے دیکھا اور مجھے اذان پڑھنے کی فرمائش کی۔ میں نے تعمیل کی۔ صفیں تیار ہوگئیں مگر بجائے خود امامت کرنے کے حافظ صاحب کو امامت کے لئے حکم دیا۔ غریب حافظ صاحب دم بخود تھے کہ میں نے تکبیر پڑھی اور نمازِ مغرب شروع ہوگئی۔ یہ بھی حُسنِ اتفاق کہئے یا بزرگِ موصوف کا کمال کہ سورۂ فاتحہ کے بعد امام نے رکوع قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ قرأت کیا۔ بس یہ ہی وہ مخصوص کلامِ الٰہی تھا جو بارہا دیکھا گیا تھا کہ قبلہ موصوف کو بیخود اور از خود رفتہ کرنے کے لئے ایک نشتر کا کام کر دیتا تھا۔ چنانچہ آپ کی رقت کا عالم یہ ہوا کہ آنسوؤں کا ایک سیلاب امنڈ پڑا۔ بیدِ لرزاں کی مانند کپکی بندھ گئی اور تقریباً یہ ہی کیفیت سارے نمازیوں کی ہوگئی حتیٰ کہ کچھ لوگ تو اثنائے نماز میں چیخ اٹھے اور حالت غیر ہوگئی۔ مگر ختم نماز کے بعد ہی آپ نے ہچکیوں کے عالم میں خلق اللہ کے لئے دعائیں مانگیں اور حافظ صاحب کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ حافظ صاحب صحتِ الفاظ اور ادائیگی جس انداز سے قرأتِ تلاوت قرآن میں کرتے ہیں بہت کم نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ سامع کو تفسیر اور روحِ کلام کا سمجھنا اسی حالت میں ہو سکتا ہے اور اسی دن آپ نے اپنا اظہارِ خیال بھی فرمایا کہ اگر پیر بخاری کے مزار پر رمضان میں تراویح حافظ صاحب پڑھیں تو وہ خود بھی شریک ہوا کریں گے۔

اوّل چنانچہ ماہ رمضان بھی چار یوم بعد ہی شروع ہو گیا اور آپ نے حسبِ وعدہ تراویح کا انتظام پیر بخاری کے مزار واقعہ شاہراہ جناح ہسپتال کرادیا اور نماز تراویح ہونے لگی۔ ادھر حافظ صاحب موصوف اپنی عید کی دوکانداری کی فکر میں جلد ختم قرآن کرنا چاہتے تھے کہ قبلہ موصوف نے چودھویں روزہ پر ختم قرآن تجویز فرما کر بطورِ تالیفِ قلب و ذہن حافظ صاحب سے خطاب فرمایا کہ اگر ان ایام میں آپ کا خسارہ بھی دوکانداری میں ہوگا تو دینے والا تو وعدہ کرتا ہے کہ

(الف) **"میں رزقِ بے حساب و کتاب دیتا ہوں"** آپ تردّد نہ فرمائیں۔ اللہ اللہ کیا ارشاد ہوا کہ دلوں کی گہرائیوں میں اس طرح اتر گیا کہ حافظ صاحب اور ان کے والد حاجی عبدالرب صاحب مرحوم نے دوکانداری اور بکری کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔

(ب) ادھر چودھویں روزہ پر ختم قرآن ہوا اور ہم سب لوگ حسب الارشاد قبلہ کالاپل خانقاہ پر جانے کے لئے ہمرکاب تھے کہ راستے میں ایک جگہ قبلہ موصوف رکتے ہیں اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ" **وہ تو آج اس قدر خوش ہے کہ میں اس حافظ کے گھر میں چراغ جلانے والا یعنی بیٹا دوں گا"** اور تو اور پیر بخاری بھی بڑا خوش ہے کہتا ہے کہ" **صلاح الدین تو نے چھ سو برس بعد آج ایسا اچھی طرح قرآن سنوایا ہے"** کچھ لوگ تو تصویرِ حیرت بنکر رہ گئے مگر حافظ صاحب کے والد مرحوم ایک دم چیخ مار کر مجھ سے تصدیق فرمانے لگے تو قبلہ موصوف نے مکرر فرمایا کہ" دینے والے کی مرضی ہے کہ وہ آپ کو ایک پوتا عنایت کرے گا"

یہاں اس کا انکشاف ضروری ہے کہ تقریباً سولہ سترہ سال حافظ صاحب کی شادی کو ہو گئے تھے مگر تا ہنوز کوئی آثار اولاد نہیں تھے" لیکن تمام رشتہ دار خواہاں تھے" کہ یہ صاحب اولاد ہو جائیں اللہ کی مرضی کہ کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی کہ یہ پہلا مبارک دن تھا جس پر یہ انکشاف ہوا۔

(ج) بس اس کے بعد اب تجارت کی طرف رجوع ہو جائیے۔ میں نے خود ان کی دوکان پر بیٹھ کر دیکھا ہے کہ گذشتہ چودہ روز کی بکری صرف ایک ہفتہ میں ہو گئی اور دوکان میں مال باقی نہ رہا جس پر مختلف ذرائع سے مال خرید کر دوکان بھر لی گئی مگر عید کے دن تک وہ بھی خالی ہو گئی۔ حافظ صاحب کے والد مرحوم کا بیان ہے کہ اس شان کی دوکانداری اس سے قبل کبھی نہیں ہوئی تھی۔ دیگر ہم پیشہ تاجر خود حیرت زدہ تھے کہ ہر گاہک انہی کی دوکان سے مال خرید کر لے جاتا ہے اور ہم لوگ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

المختصر حافظ صاحب اور ان کے والد اب مستقل حاضر باش نیازمندوں میں شمار ہونے لگے۔
بلکہ حاجی صاحب تو روزانہ ہی بیشتر وقت خانقاہ میں گذارنے لگے کہ آثار حمل بھی ہوئے اور نوماہ
بعد وضع حمل کے بعد ایک چاند کا سا ٹکڑا صاحبزادہ پیدا ہوا جس کا نام قبلہ موصوف نے عبدالستار
تجویز فرمایا۔ آج الحمدُ للہ الحمد للہ وہی بچہ حافظ عبدالستار کے نام نامی سے عمری سولہ سال اسی
خانقاہ کی مسجد میں ہر سال رمضان شریف میں ختم قرآن کرتا ہے اور ماشاء اللہ ہو بہو اپنے باپ
کی تقلید میں کامل و اکمل ہے۔ خدا عمر دراز عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

دویم دوسرا واقعہ خود احقر کی اہلیہ کا ہے جو نہ صرف لفظِ کرامت سے ہی معنون کیا جا سکتا ہے بلکہ
میری ناقص رائے میں خوارقِ عادات اور فضائلِ اخلاق وغیرہ کا عطر کہا جائے تو مناسب ہوگا
کیونکہ اس واقعہ کے کئی پہلو ایسے روشن اور منور ثابت ہوتے ہیں کہ نہ اس کو کرامتِ اضطراری
کہہ سکتے ہیں اور نہ کرامتِ اختیاری۔ اس وجہ سے کہ ہر دونوں رُخ قبلہ موصوف کے مسلک سے
بالکل مختلف تھے۔ ہاں اگر ہو سکتا ہے تو یہ کرامت بہ لباسِ فضیلتِ خداوندی جو اس عروج
و کمال حاصل کرنے پر حاصل ہوتی ہے ضرور تھی اور اس فضیلتِ خداوندی کو جو قبلہ پیر و مرشد
صاحب نے مجاہدات و نصابِ تصوّف کے ذریعہ حاصل کر لی تھی اس واقعہ میں رو بکار ہوئی۔
جس کا نتیجہ اور مظاہرہ خاطرخواہ ہوا ورنہ بجز موت اور وہ بھی کس پرسی میں واقع ہوتی۔
کوئی چارہ کار نہ تھا۔ ملاحظہ ہو۔

میری اہلیہ کو قبلہ موصوف کی ادنیٰ ترین وابستگان میں شمار کیجئے۔ مگر راسخ العقیدہ ہونے میں
اپنا جواب آپ ہیں۔ سوئے اتفاق کہ غریب پر INTESTINE OBSTRUCTION ACUTE
کا مرض غالب آگیا۔ یعنی مسلسل گیارہ روز تک نہ بول و براز ہوا نہ دانہ پانی حلق سے نیچے اتر سکا۔
نتیجتاً نقاہت بڑھتے بڑھتے صاحب فراش ہو گئیں اور ہچکیاں الکائیاں متواتر جاری رہنے سے
تمام اعضائے رئیسہ بھی جواب دے گئے۔ مجبوراً سول ہسپتال کراچی میں داخل کر دیا۔ وہاں تشخیص
و تصدیق کے بعد بڑا آپریشن تجویز کیا گیا اور ایک فیصدی امید کامیابی کی بتائی گئی۔ میں نے
بدرجہ مجبوری رضامندی آپریشن کے دستخط کر دیئے اور سید ھا کالائل حسب معمول بچوں کو
گھر پر چھوڑ کر چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ رفیقۂ حیات و شریکِ زندگی نہیں بلکہ معصوم بچیوں کی تنہا
وارث و نگہبان اس طوفانِ مرگ و زیست کے سمندر میں غوطے کھا رہی ہو تو جو میرا حال
ہوا ہوگا وہ کسی سے چھپا نہ رہے گا۔ سب ہمدرد برادرانِ طریقت نے بار بار مجھے کہا کہ

"میاں صاحب قبلہ سے عرض کیجئے" مگر میں چونکہ از خود رفتہ ہوش و حواس باختہ ہو رہا تھا۔ ہمت نہ پڑی۔ لیکن جزاک اللہ میرے ہمدردوں نے وفد کی شکل میں حاضر ہو کر عرض کر ہی دیا۔ جس پر قبلہ نے مجھے طلب فرما کر استفسار کیا اور ساتھ ہی ساتھ مجھے ڈانٹ کر فرمانے لگے کہ "آج تک مجھ سے کیوں یہ حال نہ کہا" گو میرا جواب ایک گستاخی پر محمول کیا جا سکتا ہے لیکن آج غور کرنے پر بالکل صحیح و درست ثابت ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا "حضور! میرا یقینِ واثق ہے کہ میرے ہر حال سے آپ باخبر ہیں تو پھر اگر اظہار کرتا تو توہینِ کمالِ پیر و مرشد ہی پر نہیں محمول ہوتا بلکہ میرا ضعفِ اعتقاد بھی ثابت ہو جاتا جس کے لیئے میں ہرگز ہرگز تیار نہیں تھا۔" میں نہیں تصور کر سکتا کہ اس جواب کمترین میں کیا احساسِ روحانی مضمر تھا کہ قبلہ موصوف کو نہ صرف آبدیدہ دیکھا بلکہ نہایت درجہ اضمحلال کے آثار چہرۂ مقدس پر نمودار ہونے لگے مگر فوراً فرمانے لگے "اللہ فضل کرے گا" مغرب کی نماز پڑھی۔ بعدہٗ کھانا کھایا اور پھر بعدِ نماز عشاء قبلہ تنہا ہم سب کو خانقاہ میں چھوڑ کر پہاڑی پر تشریف لے گئے۔ تہجد کے وقت ہم سب لوگ نوافل پڑھنے میں مصروف ہو گئے اور قبلہ پہاڑی سے نیچے خانقاہ میں تشریف لائے۔ مجھے اپنے ہمراہ لیا اور ہم دونوں پیر بخاریؒ کے مزار پر پہنچے آپ نے مزار کے داہنی جانب بیٹھ کر مراقبہ فرمایا اور بائیں جانب مجھے اشارہ سے ہدایت فرمائی کہ میں بھی مراقبہ میں داخل ہو گیا۔ صرف ایک یا سوا گھنٹہ تک سکوت کا عالم طاری رہا کہ یکایک قبلہ کی ایک نہایت کرخت اور بھرائی ہوئی آواز سے میں چونک پڑا۔ یہ کیا راز تھا اور کس سے کس کا خطاب تھا کچھ سمجھ میں نہیں آیا مگر الفاظ یہ تھے "تو قادرِ مطلق ہے۔ کل کائنات پر تیری بادشاہت ہے کیا تو معصوم بچیوں کی ایک ماں کو زندگی نہیں دے سکتا؟ ہاں ہاں اگر ایسا ہی ہے تو صلاح الدین کی زندگی کا حصہ عطا فرما دے اگر میں تجھ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں؟" اللہ بہتر جانتا ہے یا قبلہ خود اس راز سے واقف ہوں گے بہرحال مجھے حکم دیا کہ "شفیق دو رکعت نفل شکرانہ ادا کرو اللہ نے فضل کر دیا۔" اور پھر جو معمول تھا اپنی آہ و زاری میں مصروف ہو گئے مجھے بعدہٗ ہدایت فرمائی کہ "جاؤ اور ہسپتال ہو کر گھر پر پہنچنا" قربان جائیے اس تلقین کے۔ فرمانے لگے "کہ وہ چاہے تو بغیر آپریشن اور بغیر سول سرجن کے مریض تندرست ہو جائے اور وہ نہ چاہے تو سول سرجن کا چاہا بالکل بے کار رہے۔"

چنانچہ میں حسب الارشاد واپس ہوا اور سیدھا وارڈ میں پہنچا تو دیکھا کہ مریضہ خلاف توقع اور خلافِ معمول

بجائے بستر پر لیٹے ہوتے کے بیٹھی ہوئی تھیں حالانکہ گذشتہ چار یوم سے نرس اٹھاتی اور بٹھاتی تھی۔
یا ہم لوگ سہارا دیکر کروٹ بدلواتے تھے۔ چنانچہ میں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا حال ہے تو یہ پہلی
مرتبہ گیارہ دن بعد منہ سے نکلا تھا کہ " اللہ کا شکر ہے اور طبیعت سکون پر ہے" میں فوراً بچیوں کے
پاس آیا اور سارا حال سنایا۔ چونکہ یہ آپس میں طے ہوگیا تھا کہ سب بچے آپریشن کے وقت ہسپتال
جائیں گے۔ میرے ساتھ تیار ہوکر چل دیئے۔ وارڈ میں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ آپریشن تھیٹر میں
اسٹریچر پر مریضہ کو لے گئے ہم سب لوگ وہاں پہنچے تو معاملہ ہی دوسرا تھا اب ذرا غور سے ملاحظہ فرمایئے۔
ڈاکٹر صدیقی معہ آپریشن ڈریس میں ہوتے ہوئے مجھے بلاتے ہیں اور جو مکالمہ ہوا اسکو بعینہٖ درج ذیل کرتا ہوں

سوال :۔ ڈاکٹر صدیقی :۔ کیا یہ ہی وہ مریضہ بیگم شفیق ہیں جن کا آپریشن ہونا ہے۔

جواب میرا :۔ جی ہاں۔ کیا آپ کو شک ہے؟

سوال :۔ میں نے ابھی نرس اور ہاؤس سرجن سے دریافت کیا تھا کہ کوئی دوسری مریضہ کو تو نہیں لے آئے ہو؟

جواب :۔ نہیں صاحب۔ یہ ہی میری اہلیہ ہیں جن کا آپکو آپریشن کرنا ہے۔

سوال :۔ مگر مریضہ تو بیان کرتی ہیں کہ اب مجھ کو کوئی تکلیف نہیں ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب :۔ یہ تو ڈاکٹر صاحب آپ ہی واقف ہوسکتے ہیں کہ معالج کے سامنے مریضہ ہے اور علاج آپ کا ہے۔

سوال مریضہ سے :۔ جس مقام پر تکلیف تھی کیا اب وہاں کوئی تکلیف نہیں ہے؟

جواب مریضہ :۔ بالکل نہیں۔

سوال :۔ کیا آپ کچھ کھانا پینا چاہتی ہیں؟

جواب :۔ جی ہاں

ڈاکٹر نے موسمی کا عرق نکلوا کر ایک گلاس بھر کر پیش کیا۔ تو مریضہ نے فوراً پی لیا۔

سوال :۔ کیا آپ کو بیت الخلاء جانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے؟

جواب :۔ جی ہاں۔

مختصراً ڈاکٹر صاحب نے بخوبی جانچ لیا اور ہر طرح سے اپنا اطمینان کیا کہ مریضہ چلنے پھرنے
کے قابل ہے۔ خلوئے معدہ ہوچکا ہے۔ خوراک بھی حلق سے اترنے لگی۔ چائے بھی پی لی
گئی اور درد شدید بھی کافور ہوگیا ہے تو آپریشن اب ممکن اور مناسب نہیں ہے۔ مگر

دن بھر وارڈ میں زیرِ تفتیش روکا گیا۔ شام کو ورنڈہ میں دوڑایا۔ چلایا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ محسوس ہوئی تو رخصت کر دیا گیا۔ لیکن بڑے استعجاب میں آکر ڈاکٹر نے کہا کہ وہ جس گانٹھ کو محض آپریشن کے ذریعہ کھولا جاتا کس طرح یہ مرض خود بخود دفع ہو گیا سمجھ میں نہیں آتا۔" بہر حال مریضہ جب گھر واپس آگئیں اور خوش و خرم نظر آئیں تو میں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہوا؟ جس پر موصوفہ نے جواباً کہا کہ" اندازاً رات کو ۱۲ بجے ایک جھٹکا مجھے محسوس ہوا اور گھبرا کر لیٹے سے بیٹھ گئی تو درد کی شدت غائب تھی اور خود بخود اٹھ کر پیشاب پاخانہ سے فارغ ہو کر بڑے اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی کہ آپ کالاپل سے آئے اور مجھ سے حال دریافت کیا میں نے جواباً جو میری حالت تھی کہ اللہ کا فضل ہے بیان کر دی تھی۔ میں نے ڈاکٹروں کے خوف و دہشت کی وجہ سے اس پورے حال کی صحتیابی کا تذکرہ نہ کیا کہ مبادا یہ لوگ آپریشن سے بچنے کا بہانہ مجھ پہ نہ لگا دیں۔ خاموش رہتے ہوئے آپریشن تھیٹر چلی گئی تھی وہاں جو حال ڈاکٹر صدیقی نے جس جس طرح دریافت کیا بتا دیا۔ اب الحمد للہ کوئی شکایت نہیں ہے۔"

مجھے ڈاکٹر صدیقی نے بعد میں بتایا کہ اس مرض کا علاج بغیر آپریشن کے ممکن نہ تھا اور ان کو اس صحتیابی نے حیرت میں ڈال دیا ہے۔ تو میں نے پچھلی رات کا کل حال مختصراً ان کو بتا دیا کہ یہ علاج شاہ صاحب قبلہ کی ایک توجہ خاص سے ہوا جس کا ہم سب لوگ دل سے اعتراف کرتے ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ آج بھی اہلیہ موصوفہ تندرست و توانا ہے اور شاہ صاحب قبلہ کی مرہونِ منت ہے۔

الغرض اسی نوعیت کے صدہا واقعات شب و روز ظہور پذیر ہوتے رہے اور عقیدت مندوں حاجت مندوں و نیز تجزیہ کنندگان کے ہجوم در ہجوم میں اضافہ ہوتا رہا مگر درس و تدریس اور ذکر و فکر کے مشاغل قبلہ موصوف کی سرپرستی میں روز افزوں قائم رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کالاپل کا چشمۂ فیض چار دانگِ عالم میں اس طرح مشہور ہو گیا کہ بیرونِ کراچی سے جوق در جوق تشنگانِ معرفت فیض یاب ہونے کے لئے حاضر ہوتے رہے۔ اسی اثنا میں وہ وہ معرکتہ الآرا مشاہدات ہوئے کہ دائرۂ تحریر میں لانا محال ہے خصوصاً ایسی حالتیں جبکہ صاحب کمال بزرگ اپنے ہر کمال و اظہار کمال کو لبسا اوقات خود سے منسوب کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ یا اللہ والوں کی رحمتوں سے منسوب کرتے اور خود کو خفیہ رکھنے میں اپنا کمال تصور کرتے۔ یہی بزرگ باکمال کی

ایک خصوصی صفت ہوا کرتی ہے ۔

سوئم :- اسی خانقاہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس درجہ منسوب و فیضیاب کیا کہ عرس خواجہ غریب نوازؒ کی ترتیب تاریخ عرس کے مطابق کرنے کی فرمائش کی اور چند برادرانِ طریقت نے باقاعدہ اسی انداز میں عرس کی جملہ تقاریب انجام دیں ۔ مگر یہاں بھی ایک اظہارِ کمال ہو ہی گیا کہ عین تہجد کے بعد ہی ذکر کا آغاز ہوا اور خانقاہ میں یکایک آپ تعظیماً کھڑے ہو گئے اور بحالتِ جذب و کیف و بحالتِ زار چیخ چیخ کر فرمانے لگے "کہ آج تو خواجہ صاحب بہ نفسِ نفیس اجمیر شریف سے یہاں تشریف لے آئے زہے نصیب ہم لوگوں کے کہ سلطان الہند اور کالا پُل کی ٹوٹی ہوئی خانقاہ میں رونق افروز ہیں ۔ مانگ لو جس کو جو کچھ مانگنا ہے" حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جملہ شرکائے محفلِ ذکر کی بھی وہ ہی حالت ہو گئی جو قبلہ موصوف کی تھی اور اس حالت میں سب نے اپنی اپنی فریادیں خواجہؒ صاحب کے حضور میں پیش کر دیں اللہ بہتر جانتا ہے کہ جو لطف و سیری اجمیر شریف میں حاضری کے بعد عرس میں ہوتی تھی بعینہٖ وہی کیف و سرور اس وقت سب کو حاصل تھا ۔ صبح لنگر کی تقسیم بالکل اسی انداز سے ہوئی جو آج تک قائم ہے ۔ لوگوں کا بیان ہے کہ وہی خواجہؒ صاحب کا دلیہ جو اجمیر میں نصیب ہوتا ہے ہر سال کراچی میں میسّر ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ باجازتِ قبلہ موصوف چھوٹے مُنّا نے درِ خانقاہ پر ایک پتھر خواجہؒ صاحب سے منسوب نصب کرا دیا ۔ جو آج بھی موجود ہے ۔

ترکِ کراچی

جوں جوں پہاڑی کے دامن میں آبادی کا اضافہ ہوتا گیا ۔ آپ بھی دل برداشتہ ہوتے گئے ایک عرصہ تک یہ معمول ہو گیا کہ کافی وقت قطب عالم شاہؒ کے مزار مقدس عید گاہ پر گذارتے یا ایک ہفتہ دو ہفتہ کے لئے ٹھٹھہ تشریف لے جاتے اور مزار مقدس عبد اللہ شاہ اصحابیؒ یا شاہ مرادؒ یا شاہ کمالؒ کے مزاراتِ مقدسہ پر قیام فرماتے مگر وابستگان کے لئے ہدایت تھی کہ خانقاہ میں معمولاتِ مجاہدات بجنسہٖ جاری و ساری رہیں مگر دوڑنے والے بھی غضب کا لگاؤ رکھتے تھے کہ جہاں حضرت قبلہ ہوتے ضرور پہنچتے اور اپنی حاضری کو سعادت سمجھتے ۔ بہر حال ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ خانقاہ کو مستقلاً خیرباد کیا اور حیدر آباد میں شنوں بھڑ بھونجہ آگرہ والے کے اہلِ خاندان کے پہاڑ کے برابر زیرِ

قلعہ اپنی نشست قائم کرلی۔ اور سفر در وطن اپنا طریقۂ کار تجویز فرماکر روبہ عمل ہوگئے۔ مگر واللہ دیکھا گیا کہ آپ ہر حالت میں چائے اور پیسوں کی تقسیم اسی انداز سے قائم کئے رہے۔ الغرض خلق اللہ کی خدمت برابر طرۂ امتیاز بنی رہی خواہ جنگل ہو یا آبادی کوئی حالت بھی اس مسلکِ خاص میں سدِ راہ نہ ہوسکی۔ بلکہ جو عقیدتمند جہاں آپ کو تلاش کے بعد مل جاتا اُس کو کسی نہ کسی طرح سے مطمئن و فیضیاب کر کے رخصت کرتے اور فرماتے کہ "مسافر ہے اس کی دل جوئی میرے لئے فرض کردی گئی ہے۔

قیامِ حیدرآباد

ایک دور ایسا بھی آیا کہ مہینوں کے لئے سفروحضر اختیار کیا۔ دور دراز علاقے۔ مقدس مزارات۔ شمالی علاقے پاکستان کے سیر و سیاحت میں دیکھے۔ استمزاج و استمدادِ روحانی کی طرف متوجہ ہوئے لیکن یہ کیا مقام تھا اور کس عروج و کمال کی جانب رُخ تھا؟ اللہ بہتر جانتا ہے۔ واپسی پر اب مستقل قیام حسینی غفوری بھڑبھونجہ کے گھر پر ہی رہا۔ مگر عبدالوہاب شاہؒ کے مزار کے احاطہ میں مختلف گوشوں میں حاضرین و معتقدین کی ضرورتوں کو پورا کرنے لگے اور شب کو مولا علیؓ کے قدم شریف کے ایک گوشہ میں قیام کرتے۔ یہاں سے کچھ عرصہ کیلئے حیدرآباد شنوز مارکیٹ میں بالائی منزل کے ایک کمرہ میں بھی قیام فرمایا اور شب و روز عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ لیکن اس جگہ پر کوئی دلچسپی قبلہ موصوف کو نہ محسوس ہوتی تھی۔ اور وقت گذاری اکثر جناب مرتضیٰ خاں صاحب ٹھیکہ دار کے مکان واقعہ شاہی بازار حیدرآباد میں اختیار فرمائی۔ مگر شب کو وہی قدم شریف مولا علیؓ کے احاطہ میں قیام فرماتے اور بعد نمازِ فجر چائے نوشی کے بعد واپس اپنی قیام گاہ بھڑبھونجہ پر آجاتے۔

یہ خوش نصیبی ساکنان حیدرآباد کی تھی کہ اس بزرگِ باکمال سے فیضیاب ہوتے رہے تاآنکہ مزارِ مقدس مکی شاہؒ کچا قلعہ پر بھی ایک عرصہ تک اوقات گذاری فرمائی اور اکثر وہیں سے لطیف آباد جو کہ نئی آبادی مہاجرین کی تھی اپنا مرکزِ توجہ بنایا اور باشندگانِ لطیف آباد پر طرح طرح سے کرم فرماتے رہے اور اکثر بحالتِ رقّت وجذبہ کہا کرتے کہ یہ وہ مہاجرین اکبرآباد میں جو جنّت چھوڑ کر اس عذاب مُسلسل میں مُبتلا ہیں جہاں کوئی سہولیت ان غریبوں کے لئے مہیّا نہ ہوسکیں ہیں۔ چنانچہ آپ نے اکثر دورانِ طوفانی بارش خود بہ نفسِ نفیس کمبل۔ کپڑا اور گڑھ چنے بکثیر مقدار تقسیم کئے جس کی تائید و تقلید میں اکثر صاحبانِ خیر نے بھی وہی کارہائے خیر انجام دیئے فرماتے تھے کہ "خدا کی شان جنہوں

نے ووٹ بھی دیئیے نوٹ بھی دیئے اور پاکستان بنوایا آج وہی پاکستان میں ہر سہولیت سے محروم ہیں۔ اللہ فضل فرمائے ۔"

یہاں طوالت سے گریز اور مقصد سے ہم آغوش ہونا مگر اختصار کے ساتھ ہی اپنا مطمع نظر ہے تو صدہا حالات و واقعات شب و روز نظر انداز کر کے ناظرینِ کرام کو رجوع کیا جاتا ہے کہ قبلہ موصوف نے بطورِ خاص سہوان شریف ضلع دادو سندھ آنا جانا اور دربارِ لعل شہباز قلندر میں حاضری اور قیام اپنا مسلکِ خاص قرار دیا۔ چنانچہ ہفتوں کے لئے آپ کو اس مقدس مقام پر وقفِ ریاضت پایا گیا۔ مگر یہ ہی وہ عالم خاص تھا کہ جس میں قریب سے قریب تر خادم کی بھی رسائی نہ ہوسکتی تھی کیونکہ جملہ امورات قبلہ موصوف کچھ اس قدر کیف آور اور بیخودی سے معمور نظر آئے تھے کہ کسی کو کچھ چون وچرا کی جرأت و ہمت نہ ہوتی تھی۔ بالفاظ دگر مشاہداتِ غیبی کے تاثرات اور آثار آپ کے چہرۂ انور سے اس درجہ ترشح ہوتے تھے کہ بجز آپ کے ارشادات و ملفوظات کے کسی کو کسی مسئلہ پر گفتگو یا اظہارِ خیال کا حوصلہ تک نہیں ہوتا تھا۔ یہ ہی وہ عالم تھا جس کے لئے شاہ صاحب قبلہ نے اپنی زندگی وقف کردی تھی اور اسرارِ غیبی کے انکشافات تو آپ کے معمولات ہی بن گئے تھے۔ مگر رازدارانِ شیخ بھی کچھ اس طرح لپٹے رہتے جیسا کہ آپ کے قدموں سے خاک اور اسی توسط سے بہت کچھ حاصل کرنے میں کامیاب ہوہی جاتے تھے۔ اللہ علیم ہے کہ اگر وابستگان نے اپنی ذاتی۔ دینی یا دنیوی کوئی ضرورت کبھی پیش خدمت نہیں کی تو زائد از توقع استفادہ حاصل کیا ہے۔ اور واقعہ یہ کمالاتِ شیخ بھی ہوئے مگر جنہے ذرا حرص وہوا کو شیخ سے ذریعہ حصول بنایا وہی خسارہ میں رہا۔ چنانچہ اس عالم میں خصوصاً دیکھا گیا کہ حضرت قبلہ دن میں عوام سے اجتناب وگریز فرمانے لگے۔ مگر شب کو آپ کے کمالات کے لاتعداد مظاہرے ہونے شروع ہوگئے یہ ہی وہ منزل ومقام **مساھرہ** ہے جس پر آپ اپنی عمر کے آخری حصہ میں فائز ہوچکے تھے کیونکہ جو کچھ حالاً۔ قالاً اور عملاً تاثرات ظہور پذیر ہوتے وہ نہ صرف محیر العقول ہوتے تھے بلکہ آثار خیر پر مبنی ہوا کرتے۔ یعنی بتدریج آپ عروج وکمال کے اس نقطۂ ولایت پر پہنچے ہوئے معلوم ہوتے تھے کہ جس میں عام انسان بھی مشاہدہ کے بعد صرف دم بخود ہونا اور لب کشائی نہ کرنا ہی مقدم مؤخر خیال کرسکتا ہے چہ جائیکہ بیان کرنے اور دائرہ تحریر میں لانے کی کوشش کرے۔ حاصل الکلام یہ ہے کہ جو کچھ مزید ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے بعد مزید احتیاط اور اختصار کے ساتھ ہے وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا الْبَلَاغ

متفرقات

شاہ صاحب قبلہ کچھ اس انداز سے اپنے وابستگان کا تجزیہ کرتے تھے کہ شاید ہی کوئی بدنصیب ہوگا

جو اپنی اصلاح کرنے کے بعد منزلِ خیر سے برگشتہ یا گم گشتہ ہو کر محروم کرمِ شیخ ہوا ہو کیونکہ اکثر بحالتِ جذب آپ بڑے وثوق سے فرمادیا کرتے کہ "تم لوگ جہاں ہو اور جس حال میں ہو میں تمہارے سروں پر مسلط رہتا ہوں" اور بارہا اس کا تجربہ لوگوں کو ہوا کہ غلط روی اختیار کرتے کرتے دفعتاً گریز کرنا پڑا اور توبہ کر کے تائب ہوتے والے کمال درجہ فیضیاب ہوئے۔ یہاں اس ضمن میں تائیداً اپنا ایک واقعہ درج کر رہا ہوں جس کا اظہار بخیال استفادہ واصلاح نہایت ضروری ہے۔

ا۔ کمترین بعہدۂ ناظر سٹی کورٹ کارِ سرکار انجام دے رہا تھا اور مالِ لاوارث ومالِ ضبط شدہ کا نیلام کرنے کا مجاز تھا مگر مال کی جانچ پڑتال قبلِ نیلام اشدِ ضروری ہوتا ہے چنانچہ میں گودام میں تنہا ہزاروں روپیہ کا مال مختلف نوعیت سے ترتیب دیا ہوا رکھا تھا کہ کچھ میلے کچیلے کپڑے جو قابلِ تلف تھے مناسب نہیں معلوم ہوتے کہ نیلام کئے جائیں تو اپنی ٹھوکر سے ایک طرف تلف کرنے کے خیال سے علیحدہ کئے کہ ایک شلوکہ جو نا قابلِ استعمال تھا علیحدہ ہو کر گرنے سے پھٹ گیا۔ اور اس میں سے پندرہ ہزار کے نوٹ انڈین کرنسی کے باہر نکل پڑے۔ میں نے اُس وقت تمام نوٹ شمار کر کے اپنی میز کی دراز میں مقفل کر دیئے اور جب ماتحت اہلکاران کھانا کھا کر واپس آئے تو رجسٹروں اور پولیس کے کاغذات کی جانچ شروع کر دی تو معلوم ہوا کہ گارڈن تھانے سے صرف ایک شلوکہ نا قابلِ استعمال داخل ہونا درج ہے چنانچہ تھانہ پہنچکر اصل کاغذات کا مطالعہ کیا اور نوٹوں کا کہیں ذکر نہ پایا تو فوراً لفافہ میں بمع نوٹوں اور اپنی رپورٹ کے بخدمتِ جناب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پیش کر دیئے جس پر موصوف نے دادِ تحسین دیتے ہوئے خصوصی انعام سے سرفراز فرمایا۔ مگر جہاں اور لوگوں نے اس فعل کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے لیکن شاہ صاحب قبلہ سے میرے ایک محسن دوست نے تذکرہ کر دیا۔ تو فرمانے لگے کہ "سرکاری خزانہ میں جمع کرنے سے کیا فائدہ ہوا مجھے لاکر دیدیتا تو میں غریبوں میں تقسیم کر دیتا" جس پر نیاز مند نے مودبانہ عرض کیا کہ حضور قیامت کے دن حساب کتاب مجھ سے ہوتا نہ کہ آپ سے۔ اس پر سب کے سامنے قبلہ موصوف نے فرمایا "جزاک اللہ۔ ماشاء اللہ۔ تم نے شفیق وہ کیا جو میں نے چاہا۔ اللہ مزید استقامت عطا فرمائے۔" دیکھا آپ نے۔ خود ہی امتحان میں ڈالا۔ اور خود ہی بچا لیا۔ یہ ہے عروج وکمالِ بزرگ۔

اُسی قسم کے صدہا تکلیم وکلام برادرانِ طریقت کے سامنے حضرت قبلہ کیا کرتے تھے۔ مگر غور طلب یہ امر تھا کہ کس طرح مسائلِ جبر واختیار کے حل کرنے میں کس قسم کی صلاحیتیں روبکار لانی چاہئیں

اور کن اموراتِ دینی و دنیوی کو اپنی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرنا چاہیئے۔ ساتھ ہی ساتھ کن کن مخزبِ اخلاق پہلوؤں سے اجتناب لازمی ہے تاکہ سالک کی منازل بآسانی طے ہو سکیں۔ اور پیرو مرشد کی تعلیم و رہنمائی کس حد تک اُس کے لئے مفید ثابت ہوتی ہے یہ ہی وہ روزمرّہ کی حالتیں ہوتی ہیں جن سے شیخ کلیتاً اپنے وابستگان سے باخبر رہتا ہے تو وابستگان کے لئے لازم اور واجب ہو جاتا ہے کہ اپنی رہگذر سے سہواً یا قصداً بھٹک نہ جائے ورنہ جانبین کی جد و جہد منزلِ مقصود کے لئے عبث و بے کار ہو کر رہ جاتی ہے۔

۲۔ اسی عنوان کے تحت ایک نہایت رقّت آفریں اور سبق آموز واقعہ درجِ ذیل ہے۔

محترمہ تحسین آرا۔ ایم۔ ایس۔ سی لیکچرار (علم ریاضی) گورنمنٹ گرلز کالج حیدرآباد اپنے والدین کے گھر پر کراچی میں بیک وقت عارضۂ نمونیہ اور ٹائیفائیڈ میں مبتلا ہو گئیں اور بقول شخصے

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

تین ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ بہ تمثیلاً "برف اور آگ نے مریضہ کو دبا لیا ہے۔ اگر ایک مرض کو قابو میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ ہی کوشش دوسرے مرض کے اضافہ کا باعث بن جاتی ہے۔ ایسی حالت میں کوئی تجربہ کوئی ہنر اور علم کارگر نہیں ہوتا ہے۔"
مگر مریضہ کی حالت دن بدن، لحظہ بہ لحظہ بدتر ہوتی گئی اور اُس کی والدہ بطورِ خاص روزانہ کی حالت بذریعۂ خطوط حضرت قبلہ میں پیش کرتی رہیں کہ جس سے حضرت قبلہ بھی ظاہراً اور باطناً واقف تھے۔ مگر مریضہ کا حال یہ تھا کہ دوا بیکار، علاج مفلوج اور مایوسی غالب نظر آنے لگی کہ دریائے کرم حضرت قبلہ کا جوش میں آیا اور تمام خطوط کا صرف ایک ہی جواب باثواب بذریعہ گرامی نامہ مرحمت فرمادیا۔ ناظرین اس والا نامہ کی عبارتِ پُر از کرامت کو خود بغور ملاحظہ فرما کر استفادہ کریں جو درج ذیل ہے۔

۷۸۶
۹۲

محترم شفیق صاحب و محترمہ بیگم صاحبہ معہ برخورداراں سلامت رہیں۔ بعد السلام علیکم و دعائے جاندرازی برخورداراں کے واضح ہو کہ۔ متواتر خطوط برخورداری تحسین سلمہا کی رنجوری کے متعلق وصول ہوئے یاد آوری کا شکریہ۔ جزاکم اللہ فی الدارین خیرا۔ آمد و رفت کی کشمکش کے لئے کوئی ضرورت نہیں میں خود بھی دعا کر رہا ہوں اور مشکل کُشا

مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ سے بھی دعا کراؤں گا اور فی الوقت میں سہوان قلندر صاحب کے پاس جا رہا ہوں۔ اس سے بھی دُعا کراؤں گا۔ مجیب الدعوات نیک عمل کے لئے علیلہ کو صحت عطا فرماویں۔ آپ صاحبان بھی دعائے عافیت کے واسطے کوشاں رہیں اور قطب عالم شاہؒ کے درگاہ بندر روڈ میں جاکر صدقہ کے طور پر قدرے پیسہ فقرا اور مساکین کو تقسیم کر کے صاحبِ مزار سے استمداد کرو انشاء اللہ تعالیٰ مریضہ کو تندرستی جلد از جلد حاصل ہوگی۔

زیادہ خیریت ہے۔ والدعا خیر الکلام فقط

دعاگو

بندہ

حقیر صلاح الدین از حیدرآباد سندھ

3/11/57

یہ الفاظ کیا ہیں جواہر پارے ہیں جن کی معنویت ایمان کو منوّر اور روشن کرتی ہے واللہ ہدایاتِ مذکورہ بالا پر عمل کرتے ہی اور فیض و کرم کی توجہٗ خصوصی نے وہ اعجاز نمائی کی کہ معالج و تیماردار سب حیران تھے کہ بغیر مزید علاج معالجہ کے صحت مریضہ کو اس قدر تیز رفتاری سے حاصل ہوئی کہ عالم سکرات و بیہوشی جو گذشتہ ہفتہ سے طاری تھی یکلخت غائب ہوا اور اب مریضہ کو توانائی اور صحتِ کلیہ نصیب ہوگئی۔ ماشاء اللہ اب بقیدِ حیات ہے (اور پروفیسر علم ریاضی گورنمنٹ گرلز کالج حیدرآباد ہے)

یہاں اپنے عقیدہ کے مطابق اگر مختصراً اظہار کر دیا جائے تو حضرت قبلہ کا وہ بلند مقام سامنے آجاتا ہے جس کا اظہار تحریر کے ذریعہ بحُسنِ اتفاق ہوگیا ہے۔ کیا کسی معمولی حیثیت والے سے ممکن ہے کہ حضرت مولا علی مرتضیٰ مشکل کشا رضی اللہ عنہ اور لعل شہباز قلندرؒ سے علیلہ کی صحت کے لئے دعائیں کرائے؟

بس اس سوال کے جواب کو تو قلب و ذہن میں ہی محفوظ رکھنا از بس ضروری ہے۔

۳ — میرے برادرِ طریقت عالیجناب محمد ابراہیم خاں صاحب اکبرآباد (بھارت) کے مایۂ ناز صنعت کار و ماہر جفت سازی اور متموّل گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ ابتدائے سنِ شعور

سے ہی قابلِ فخر۔ صاحب خیر اور ممتاز رہنمایانِ قوم میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آغاز میں آپ کی تجارت وصنعتِ جفت سازی نے بعد تقسیم ہند کراچی میں ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا مگر سوئے اتفاق کہ دنیا کی نشیب وفراز گردشوں نے ایسا چکر میں آپ کو ڈالا کہ یکایک دو حادثات پیہم سے دوچار ہوگئے۔ اور آپ کا عروج حاصل کردہ قلبی و مالی زوال سے قطعاً ہم آغوش ہوگیا جس کی وجہ سے حوصلہ اور امنگیں یک لخت ٹوٹ گئیں اور سخت پریشان خیالیوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو آپ کے اعزا واقارب نے آمادہ کیا کہ کچہری گھاٹ آگرہ والے مولوی صاحب یعنی حضرت قبلہ سے جو کالاپل کراچی میں قیام پذیر ہیں اپنی فریاد کرکے دادرسی طلب کی جائے۔ چنانچہ بحسنِ اتفاق کالاپل خدمتِ عالیہ میں پہنچے اور وہاں حسبِ معمول جو سب کے ساتھ سلوک ہوتا تھا ان کے ساتھ بھی کیا گیا۔ مگر اب ان کا خود بیان لفظ بہ لفظ ملاحظہ ہو!۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ہمراہیان کو رخصت کرکے کہا۔

"آپ لوگ جائیں میں تو شام تک یہاں رہوں گا۔ چنانچہ ظہر۔ عصر۔ مغرب کی نمازیں حضرت قبلہ کے ساتھ ادا کیں اور دل کو جو بےچینیاں۔ فکریں گھیرے ہوئے تھیں دل و دماغ سے دور ہوگئیں اور ایک عجیب قسم کا سکون واطمینان نصیب ہوا تو عشا کی نماز تک ٹھہرا اور پھر گھر واپس چلا آیا۔ مگر گھر آتے ہی وہ ہی پچھلی سی کیفیت دل و دماغ کی پھر ہوگئی تو میں علی الصبح پھر کالاپل بھاگا۔ اب وہاں پہنچتے ہی فوراً حالت بدل گئی اور سکون نصیب ہوا۔ الغرض چار پانچ روز تک یہی معمول رہا تو ایک دن میرا نصیب جاگا اور حضرت قبلہ نے خود مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کیوں یہاں آتا ہے؟ میں نے کہا کہ میں دل اور دولت سے بالکل لٹ گیا ہوں تو آپ کے پاس آتا ہوں میرے اوپر بھی اللہ کا کرم ہوجائے دعا کیجئے۔ اس پر حضرت قبلہ نے مجھے سخت سُست الفاظ میں ڈانٹتے ہوئے کہا کہ میرے پاس تو سب تجھ جیسے ہی آتے ہیں جو اللہ نے میری قسمت میں مخصوص کر دیئے ہیں اور مجھے اپنے ہمراہ لیکر مزارِ مقدس پیر بخاری جناح ہسپتال روڈ پر آئے اور فرمانے لگے کہ مزار کے ایک طرف تم بیٹھو اور دوسری طرف خود تشریف فرما ہوگئے۔ مجھے آنکھ بند کرکے درود شریف پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ میں نے تعمیل کی تو بلند آواز سے فرمانے لگے "پیر بخاری سے فریاد کر اور مانگ جو مانگنا ہے"

میں نے بالکل جاہلانہ انداز میں کہا کہ "مجھے تو ان سے کچھ نہیں مانگنا ہے مجھے تو آپ سے لینا ہے اور آپ ہی میرا سارا بگڑا ہوا مقدر بنا دیجئے"

اس پر حضرت قبلہ ایک دم کھڑے ہو گئے اور کچھ بظاہر ناراض ہوتے ہوئے فرمانے لگے کہ "چل بے چل تو کہنا نہیں مانتا ہے" پھر ہم دونوں واپس خانقاہ کالاپل میں آ گئے۔ اب میرا معمول وہی تھا کہ کچھ نہ کہنا مگر ہر وقت حاضر رہنا اور ذکر و عبادت میں پابندی سے شریک رہنا۔ مجھے اب گھر اور گھر والوں کی پرواہ نہ رہی اور نہ خیال آتا تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جو مجھے سکون و اطمینان حضوری میں نصیب ہوتا تھا وہ بس ایسا تھا کہ ایک طرح کا مزہ آنے لگا تھا۔ جس کو میں زبان سے ادا نہیں کر سکتا ہوں۔ ادھر مجھ پر یہ تصرف اور فیضِ خاص ہوا کہ میرے جتنے بگڑے ہوئے کام تھے سب سنورنے شروع ہو گئے۔ مالی حالت از سرِ نو اسی شباب پر آنے لگی۔ کاروبار خرید و فروخت اسی تیزی اور مستعدی سے فروغ پانے لگے کہ مجھے کیا دوسروں کو بھی حیرت ہوتی تھی جو آج بھی حضرت کے کرم سے جاری اور قائم ہے الغرض ساری الجھنیں۔ پریشانیاں اور دنیوی جنجال سب ہی تو ختم ہو گئے اور میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ سب کچھ صرف حضرت قبلہ کی توجہ خاص کا سبب ہے۔ اللہ سے دعا ہے۔ کہ سب کو یہ کامیابیاں عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین"

نوٹ:۔ اسی کو **توجہ اصلاحی** سے معنون کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانۂ غیب سے اور کرم لا متناہی سے حضرت قبلہ کے تصرفِ خاص کی کی بنا پر خان صاحب کو عروج و کمال دینی و دنیوی سے اس درجہ ہم آغوش کیا ہے کہ قابلِ رشک ہی نہیں ہے بلکہ قابل تقلید بھی ہے آپ آج کے دن تک اپنے پیر و مرشد قبلہ کے احکام و ہدایات کے مطابق عمل پیرا ہیں۔ اور خصوصی انتظام لنگر کا سالانہ عرس پر ہزاروں زائرین کو اپنے زر کثیر کے صرفہ سے فراہم کرتے ہیں جو نہ صرف حیران کن ہے بلکہ وہ خیر و برکت کا مظاہرہ و مشاہدہ ہوتا ہے کہ زائرین آپ کے اہتمام و التزام سے مطمئن ہو کر دعائے خیر سے یاد کرتے ہیں۔ جس کا انجام آپ کی دن دونی رات چوگنی ترقی میں رونما ہوتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِد فَزِد۔

ا۔ ایک نظر میں تارک الدنیا بنا دینا اور سلوک طے کرا کر ایک منزلِ کمال سے ہم آغوش کر دینا بھی حضرت قبلہ کے لئے ایک معمولی کام تھا۔ گو اس نوعیت کے صرف یہ تین مواقع مشاہدہ اور تجربہ میں آئے ہیں۔

اوّل **بابا اسمٰعیل شاہ**۔ دوئم **جمیلہ مائی**۔ اور سوئم **سردار خاں**۔ جو ہر سہ حضرات بقید حیات ہیں۔ اول الذکر یعنی اسمٰعیل شاہ صاحب تارک الدنیا ضرور

ہیں۔ مگر جذب الخلائق اس طرح ہیں کہ صرف خلق اللہ کی خدمت پر لیاقت آبادمیں ہمہ وقت منہمک اور مصروف رہتے ہیں۔ جوق درجوق حاجتمندوں کے گروہ درگروہ آپ کے درِدولت پر آتے رہتے ہیں اور فیضیاب ہوکر اپنی اپنی منزلِ مُراد کو پہنچتے ہیں۔ آپ کی مُجذوبی مماثلت حضرت قبلہ سے تقلیدی و قدرتی معلوم ہوتی ہے۔ آپکا خلاصۂ سلوک یہ ہے

۱۔ آپ ایک قدیمی متوطن اکبرآباد (بھارت) کے ہیں۔ تقسیم ہند سے قبل شرفِ نیازمندی حضرت قبلہ کی بارگاہ میں کچہری گھاٹ والی مسجد میں حاصل ہوچکا تھا اور اکثروبیشتر بیرونِ شہر مزاراتِ مقدسہ پر بہمراہی حضرت قبلہ حاضری دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے اکتسابِ روحانی اور ابتدائی منازلِ سلوک کے لئے کافی مواقع حاصل ہوسکے۔ بہرحال بعد تقسیم برعظیم آپ حضرت قبلہ کی اجازت سے ہی ۱۹۵۱ء کے وسط میں پاکستان ہجرت کرکے کراچی میں مقیم ہوگئے تاکہ بال بچوں کو روزگار و قیام سے مطمئن اور پُرسکون کرسکیں۔ مگر کچھ ہی عرصہ بعد حضرت قبلہ تشریف لے آئے اور پھر وہی شغلِ سابقہ یعنی تجدید حضوری اور باریابی جاری ہوگئی۔ مگر یہ خصوصی باریابی عام طور پر حدودِ شہر سے باہر مقدس مقامات پر ہی ہوتی رہتی تھی تاآنکہ حضرت قبلہ نے مستقل قیام حیدرآباد میں کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ "میرا نصیب جاگا تو مجھے اکثر حکم دیا کرتے کہ فلاں دن ٹھٹھہ پہنچو" تو میں تعمیلِ ارشاد میں جاتا رہتا اور حضرت قبلہ کی قدمبوسی اور اکتسابِ فیض میں مصروف رہتا کہ یکایک آپ مزار عبداللہ شاہؒ اصحابی واقعہ مکلی سے شکو مجھے اپنے ہمراہ بجانبِ مزار شاہ مرادؒ جنگل میں لے گئے اور مراقبہ میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ میں نے تعمیل کی جس پر جو وارداتِ انوار مشاہدہ میں آئے قابلِ بیان نہیں۔ آپ کے وہی الفاظ درج ذیل ہیں۔

"کیفیاتِ وجدانی مجھ پر طاری ہوگئیں۔ انوارِ ربّانی کا نزول آسمان سے سم تک برابر احساس وادراک میں ہی نہیں تھا بلکہ مشاہدہ عینی میں بھی تھا۔ الحمدُ للہ الحمدُ للہ اُس وقت وہ سرور و کیف پیدا تھا کہ انقلاب روحانی سے ہی دوچار ہونا پڑا۔ حضرت قبلہ نے بآوازِ بلند فرمایا "جا بچّہ جا تیرا تو کام ہوگیا۔ خدا تیرے ساتھ ہے اُس کی مخلوق کی خدمت کرکے عظمت حاصل کرو۔ اور صراط مستقیم سے ایک انچ ادھر ادھر مت جانا ورنہ خسارہ میں رہو گے۔"

دوسرا حکم دیا

"کہ آج سے تعویذ نقش لکھ کر دینا شروع کردو۔ ادویات و پانی پر سورۂ اخلاص پڑھکر

دم کر دیا کرو۔ مریضوں کو شفا ہو گی اور حاجتمندوں کی حاجت روائی انشاء اللہ ہوا کرے گی۔ مگر دنیا سے الگ ہونا پڑے گا

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

آپ فرماتے ہیں کہ پھر مجھے اپنے ہمراہ حیدر آباد لائے اور بھڑ ہو نجہ کے مکان پر آپ نے ایک اپنی صدری استعمال شدہ اور ایک رومال بطور تحفہ یادگار عنایت فرما کر سب لوگوں کو مٹھائی تقسیم کی۔ آج تک میں نہیں بھولا کہ وہ کونسی مبارک ساعت تھی جس نے مجھ میں وہ انقلاب ہمہ گیر پیدا کر دیا کہ سب گھر والوں سے الگ ایک حجرہ مخصوص اپنے گھر میں کر کے تمام عوامل و عواقب دنیوی سے کنارہ کش ہو گیا جو آج بھی جاری و ساری ہے۔ اور یہ اُسی کا صدقہ ہے کہ جو اعزاز و شرف اُس دن حضرت قبلہ نے بخشا ہے وہ دائم و قائم ہے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم چو غلامِ آفتابم ہمہ آفتاب گویم

رومی

نوٹ:۔ مندرجہ بالا انقلاب میں حضرت قبلہ کی توجہ القائی و توجہ اتحادی کارفرما رہی ہے۔ جس کا مشاہدہ آج بھی لیاقت آباد میں اسمٰعیل شاہ صاحب کے دولت کدہ پر ہوتا رہتا ہے۔ ہر سال عرس کے دنوں میں اپنا علیحدہ خیمہ قیام کر کے معقول انتظام تقسیم لنگر کا زائرین کے لئے کرتے ہیں اور آپ ہی کے ہمراہ سینکڑوں حاجتمند اور صاحبانِ خیر عرس میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

۲۔ بقیہ دو حضرات یعنی جمیلہ مائی اور سردار خاں جو ایک عرصہ دراز تک خلوت و جلوت میں منازلِ سلوک طے کرتے رہے بالآخر آپ ہی کے توجہ اصلاحی۔ توجہ القائی اور توجہ اتحادی کے مرکزِ خصوصی بنے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ہی کے حق آگاہی جذب و کرامات کا ادنیٰ تصرف منصۂ شہود پر اس طرح آنے لگا کہ یہ دونوں حضرات یکایک تارک الدنیا ہو گئے۔ صحرا صحرا جنگل جنگل دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر مغلوب الحال نظر آنے لگے۔ اور قیود و پابندیوں کا ان پر کوئی اثر نہ ہو سکا۔ ایک عرصہ تک تو یہ ہی عالم ہر دو صاحبان کا رہا بعد میں جمیلہ مائی تو لولائٹ مارکیٹ کے قریب کبھی کبھی نظر آجاتی تھیں مگر عجیب پُر کشش کیف و سرور میں ہم آغوش نظر آتی تھیں اور لیبا اوقات نیازمند کو پہچان کر خطاب بھی فرماتیں۔ جس کا ذکر میں حضرت قبلہ سے کر دیا کرتا تھا۔

۳۔ بھائی سردار خاں صاحب ایک شکیل خوبرو نوجوان کالاپُل کے قریب ایک ہوٹل کے مالک تھے

کہ آپ کی ہمہ وقت کی حضوری سے آپ پر حضرت قبلہ کا تصرف خصوصی اثر انداز ہونے لگا اور ہوتے ہوتے آپ نے اپنے اہل و عیال کو یک لخت نظر انداز کیا اور ہمہ وقت نظر بہ قدم معروف نظر آنے لگے جس کا ارتقائی مقام مغلوب الحال ہوگیا ہے اور اب آپ صرف ایک حجرہ میں کالاپل کے قریب تنہا قیام فرما رہتے ہیں یا ٹھٹھ کے جنگلوں میں ہفتوں گھومتے رہتے ہیں۔ کسی سے کچھ واسطہ یا غرض نہیں رکھتے ہیں۔ اکثر اب احقر کو پہچان لیتے ہیں مگر کچھ اظہار حال نہیں فرماتے۔ غالباً استغراق سے ترشح ہوتا ہے۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں　　　　ایں خیال است و محال است و جنوں

حافظ

۴۔ عالیجناب سید مقبول حسین صاحب ڈپٹی چیف کنٹرولر پی ڈبلیو آر ایک فرشتہ سیرت۔ معصوم صفت عرصہ دراز سے طالب راہ طریقت و معرفت تھے مگر کوئی رہبر حسب دلخواہ نہ قبل تقسیم برعظیم اور نہ بعد از تقسیم مل سکا مگر جد و جہد جاری تھی کہ قسمت نے یاوری کی اور اتفاقیہ طور پر جبکہ آپ مزار مقدس پیر بخاری واقع جناح ہسپتال روڈ کراچی پر حسب معمول حاضری دے رہے تھے کہ حضرت قبلہ سے مشرف بہ نیاز ہوئے اور مختصراً اپنا تعارف کیا مگر خصوصاً خود کو اکبرآبادی بھی ظاہر کر دیا۔ بحسن اتفاق نماز مغرب حضرت قبلہ نے پڑھائی۔ نگر نماز میں جو کیفیت اُن پر طاری ہوئی وہ دائرۂ بیان میں نہیں لائی جاسکتی کیونکہ آپ نے اصرار پر اس قدر فرمایا کہ "نمک کا مزا بیان نہیں کیا جاسکتا ہے صرف نمک کھا کر ہی معلوم ہو سکتا ہے۔" بس اس ساعت مبارکہ کے بعد ہی حضرت قبلہ نے بالخصوص فرمایا کہ خانقاہ کالاپل میں شغل ذکر و فکر میں معروف رہنا ہی باعث مقصد برآری ہو سکتا ہے۔ بس اس حال و قال سے دوچار ہونے کے بعد آپ نے عزم بالجزم کے ساتھ حاضری دینا شروع کر دیا اور جو مزید برآں کیفیات و مشاہدات آپ کے حصہ میں آئے وہ مندرجہ ذیل آپ کے بیان کے مطابق ہیں:۔

"جس قدر تقرب حضرت قبلہ سے شب و روز کی حاضری کے بعد میسّر آیا اسی قدر حضرت قبلہ نے مجھ جیسے ناچیز، نابلد اور حقیر کو مختلف دنیوی و دینی اعزازات سے نوازا۔ یعنی عروج دینی کے ساتھ ساتھ عروج حیات بشری سے برابر بہرہ ور ہوتا رہا جس کا احاطۂ بیان و تحریر میں لانا مناسب خیال نہیں کرتا ہوں مگر اعتراف قلبی و ذہنی ہے کہ محض حضرت قبلہ کے فیضان لاانتہا ہی کے طفیل میں نے وہ انقلاب خود میں پایا کہ جو زائد از طلب ہی کہا جاسکتا ہے۔ اللہ سب کو یہ

نعمتِ غیر مترقبہ عنایت فرمائے۔ حتیٰ کہ ایک روشن اور ابدی کرامت جو بعد از وصال ظہور میں آئی وہ ضرور ہدیہ ناظرینِ کرام کئے دیتا ہوں۔ یعنی قرائن و حالات کے تحت گو مجھے ریٹائر کسی کنٹرول سیکشن سے ہونا ہی مقدر ہو چکا تھا مگر حضرت قبلہ کے وصال کے فوراً بعد ہی۔ کوٹڑی جنکشن پر ایک جدید سیکشن کنٹرول کا قائم ہوا جس میں کلیتاً اختیارات احقر کو حاصل ہو کر چیف کنٹرولر کے عہدہ پر فائز کیا گیا بہر حال خادم نے غنیمت خیال کرتے ہوئے اپنی مستقل سکونت بجائے ریلوے کوارٹر کے حضرت قبلہ کے مزار مقدس پر ہی قائم کر لی اور اب شب و روز اس انہماک میں گذرتے رہے کہ مزار و مسجد وغیرہ کو زائرین کے لئے موزوں اور مناسب تشکل میں کیا جائے۔ تو الحمدللہ شفیق صاحب پیر بھائی نے تو لوحِ مزار سنگِ مرمر کی معہ تاریخ کندہ کو نصب کرا دی۔ مگر سب سے اہم مسئلہ پانی مہیا کرنے کا تھا کہ لوگوں کو وضو وغیرہ کے لئے حتیٰ کہ پینے کے پانی تک کے لئے طرح طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ لہٰذا روشنی اور آب رسانی کے مسائل اس طرح حل کئے گئے کہ حکام بالا ریلوے کو میں نے رجوع کیا۔ اور اپنی عقیدتمندی کا بھی اظہار کیا۔ بس میں نہیں سمجھتا کہ وہ کونسی طاقت کارفرما تھی جس نے تمام حکام کو بیک آواز احکام صادر کرنے پر مجبور کیا اور مجھے اختیارات اس ضمن میں کلیتاً عطا کرتے ہوئے ریلوے واٹر ورکس کوٹڑی سے براہ راست پائپ لائن مزارِ مقدس تک بلا کسی معاوضہ کے لگا دینے پر عملدرآمد ہو گیا۔ یہ کل مرحلہ صرف چند گھنٹوں میں ہی انجام پذیر ہو گیا اور آج تک الحمدللہ روز افزوں ترقی پر ہے۔ بس میں صرف اس حد تک سمجھتا ہوں کہ نیازمند کے جملہ اختیارات بعید از قیاس تعیناتی اور حکام کا تعاون محض حضرت قبلہ کے روحانی اور کمالاتِ باطنی کا بین ثبوت ہے۔ روشنی کا انتظام بھی بعدہٗ چند اکابرین کے توسل سے مستقلاً قائم ہو گیا ہے جو باعثِ رونق سالانہ عرس پر ایک اہم فریضہ محسوس کیا جاتا تھا۔

۵۔ برادر طریقت عالیجناب حمید اللہ شریف صاحب قدیمی باشندہ بنگلور (بھارت) کے ہیں۔ کراچی میں بعد ہجرت ایک ممتاز عہدہ پر سرفراز ہیں۔ آپ کے اعزا و اقارب میں ابراہیم احمد۔ اسمٰعیل۔ یعقوب۔ اقبال۔ یوسف اور نور اللہ صاحبان ہیں جو بعد ہجرت کے پٹیل پاڑہ کراچی کی افتادہ اراضی پر پختہ مکانات بنا کر نہایت اطمینان و سکون سے معہ اہل و عیال کے سکونت پذیر تھے کہ بذریعہ حمید اللہ شریف حضرت قبلہ کے وابستگانِ خاص میں شمار

ہونے لگے اور حقیقتاً دیکھا بھی گیا کہ یہ حضرات خالصتاً باللہ حضرت قبلہ کی خدمت کیا کرتے تھے اور حضرت قبلہ نے اس خاندان کو **شریف کمپنی** کے نام سے پکارنا شروع کر دیا تھا۔ دوسروں کو ان حضرات کی خدمت گذاری اور شب بیداری پر رشک ہوتا تھا کہ یہ سب کے سب جوان صالح معلوم ہوتے تھے۔ ان غریبوں پر لیکایک گردشِ لیل ونہار کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ یعنی اول مارشل لاء لگتے ہی تمام باشندگانِ پٹیل پاڑہ پر نوٹس تعمیل ہوگئے کہ تمام مکانات سرکاری طریقہ سے منہدم کئے جائیں گے اور ان سب کو کسی دوسری جگہ آباد کیا جائے گا۔ یہ غریب سخت پریشان سب گھر والے وفد کی شکل میں حضرت قبلہ کی خدمت میں فریاد کرنے حاضر ہوئے اور بیان کرتے کرتے سب کے سب رو دیئے اور حضرت قبلہ سر جھکائے سنتے رہے بانفاق کسی خاتون نے یہ بھی کہہ دیا کہ جنرل اعظم اسی ہفتہ میں اپنی موجودگی میں ہمارے مکانات کو تڑوائے گا۔ پس اس جملہ کو سنتے ہی آپ نے فرمایا کہ "تم لوگ واپس کراچی جاؤ۔ اللہ نے چاہا تو جنرل اعظم ہی کراچی میں نہیں رہے گا اور سب پٹیل پاڑہ والے دائم و قائم رہیں گے" آپ کے فرمانے میں کچھ اسقدر جمال و جلال کے پہلو نظر آتے تھے کہ اس سے قبل کبھی نہ دیکھے تھے اور نہ ایسے مؤثر الفاظ سنے تھے۔

حضرت قبلہ تو ٹھٹھہ کے جنگلوں میں کسی طرف نکل گئے اور ہم لوگ واپس آگئے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ آپ اسی علاقہ میں ایک ہفتہ تک گھومتے رہے مگر اسی ہفتہ کے اندر جنرل اعظم صاحب مشرقی پاکستان دفعتاً تبدیل ہو کر چلے گئے اور تمام حادثاتِ ممکنہ یک لخت ختم ہوگئے اور تمام اندیشے مستقلاً و حکماً حکومت کی طرف سے معدوم ہوگئے۔ بعد کو رفتہ رفتہ تمام باشندگان کو حقوقِ مالکانہ بھی مل گئے جو آج کی تاریخ تک مسئلہ آبادکاری پھر کبھی تشویش کا باعث نہ ہوا۔

ان حضرات کے راسخ العقیدہ ہونے کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ ان تمام بھائیوں میں بدرجہ اتم اخلاص و محبت و عقیدت نہ صرف اپنے شیخ سے ہی ہے بلکہ حضرت قبلہ کے ادنیٰ نیازمندوں کا نہایت محبت کے ساتھ احترام کرتے ہیں۔ اور حضرت قبلہ کے بتائے ہوئے راستوں پر آج بھی گامزن ہیں۔

۶۔ سیٹھ شوکت مرزا مٹھائی والے کورنگی کے ایریا میں نہایت شاندار دوکان موسومہ بابا صلاح الدین سویٹ مارٹ کے تنہا مالک ہیں جو عرصہ سے حضرت قبلہ کے قریب ترین نیازمندوں میں سے ہیں۔ ابتدا میں آپ کی اپنے سیٹھ سے مٹھائی بنانے پر کچھ تکرار ہوگئی اور

ملازمت ترک کر کے آپ حضرت قبلہ کی خدمت میں فریاد رس ہوئے تو حسب معمول تہجد کے وقت مزار شاہ کمالؒ واقعہ ٹھٹھہ بازار میں بیساختہ حضرت قبلہ نے فرمایا۔ "شوکت اپنی دوکان الگ قائم کر اللہ برکت دے گا۔"

یہ واقعہ راقم الحروف کے سامنے کا ہے کہ شوکت صاحب نے کراچی واپس آ کر ایک چھوٹا سا کیبن آرٹلری میدان میں مٹھائی کا قائم کیا اور اب اس برق رفتار ترقی کو ملاحظہ فرمایئے کہ چھ ماہ بعد ایک شاندار دوکان وہیں قائم کی مگر وقتاً فوقتاً حاضر ہو کر طالبِ دعائے خیر حضرت قبلہ ہوتے رہے کہ دو سال بعد ہی مکان و دوکان نہایت عالیشان حیثیت کے کورنگی میں خرید کئے مگر دوکان بڑے پیمانہ پر کھولنے کا پروگرام مرتب کیا اور حضرت قبلہ سے نہایت خوشامد کے ساتھ آپ ہی کے اسمِ مقدس سے موسوم کرنے کی اجازت طلب کی بہر حال بڑی ردّ و کد کے بعد نام کی اجازت تو دیدی مگر دوسری درخواست فوراً حضرت قبلہ سے اپنے دستِ حق پرست سے افتتاح کی بھی کر دی تو وہ بھی حضرت قبلہ نے بعد اصرار کے انشاء اللہ کہتے ہوئے وعدہ فرمایا۔ مگر جو دن دوکان کی افتتاح کا تجویز فرمایا تھا اُس دن سے چار یوم قبل ہی آپ وصال فرما گئے تو میں نے خود دیکھا ہے کہ جس والہانہ اور مجنونانہ انداز میں اپنی دوکان کا افتتاح کیا وہ ایک تاریخی یادگار ہو کر رہ گیا۔ ہوا یہ کہ تمام عمائدین۔ روٴسا اور حکام کو دعوت نامے تقسیم ہو چکے تھے تو تبدیلیٔ پروگرام مناسب نہیں تھی۔ لہٰذا قرآن خوانی کے بعد ہی آپ نے حضرت قبلہ کے نامِ نامی اسمِ گرامی کے سائن بورڈ دوکان پر پھولوں کے ہار ڈالے اور بجائے بکری یا فروختگی کا آغاز کیا جاتا سیٹھ صاحب مذکور نے مٹھائی کے تھالوں کو اٹھا اٹھا کر پچیس تیس من مٹھائی حاضرین میں تقسیم کر دی۔ لوگوں نے جب اس پر باز پرس کی تو آپ نے بے دھڑک روتے ہوئے فرمایا۔ "کہ بھائیو جس کی دوکان تھی اس نے مجھ سے یہ فعل کرا دیا ہے۔ میں بے بس ہوں" لوگ حیرت زدہ تھے مگر سیٹھ صاحب والہانہ انداز میں حضرت قبلہ کے احسانات۔ فیض و کرم بیان کرتے جاتے تھے۔ اور تمام تھالوں کو مٹھائی سے خالی کرتے رہے اُس دن سے آج تک اُس دوکان کی خیر و برکت اور شہرت ایسے عروجِ لازوال پر قائم ہے کہ حیرت ہوتی ہے اور ماشاء اللہ اب اُس سارے علاقے میں سیٹھ شوکت مرزا ایک نہایت ممتاز اور باوقار صاحبِ خیر شمار ہونے لگے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔

۷۔ عالیجناب سیٹھ اصغر علی صاحب مالکِ اصغر الیکٹرک انڈسٹریز و اصغر الیکٹرک ٹریڈنگ کمپنی

فریئر روڈ کراچی کے ایک نوجوان صالح خدا ترس مخیر ا ورحضرت قبلہؒ سے عقیدت و محبت والہانہ انداز کے حامل ہیں۔ جن کو شرفِ نیازمندی خانقاہ کالائیل کراچی میں حاصل ہو چکا تھا جو بتدریج ترقی یافتہ ہو کر حضرت قبلہ کے منظورِ نظر ہونے کا مقام حاصل ہوا اور حیدرآباد تک برابر آپ حاضر باش رہے۔

خداداد کالونی کراچی میں آپ کے پڑوسیوں سے قدیم رنجش بربنائے جائیداد روزافزوں ہوتی رہی کہ دسمبر ۱۹۵۹ء میں پانچ چھ افراد نے آپ پر جان لیوا حملہ کر دیا اور تقریباً اس منصوبہ سے آپ کو زبردستی پکڑ کر اپنے گھر میں لیجا کر قتلِ عمد کا ارتکاب کرنا چاہا۔ حتیٰ کہ اہلِ محلہ خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے تو بیچ بچاؤ کا سوال ہی نہیں رہا۔ ادھر حضرت قبلہ پر حیدرآباد میں بھڑبھونجہ کے قیام گاہ میں یکایک عین اسی وقت ایک غیر معمولی حالت جذب طاری ہوتی رہی۔ اور بھڑبھونجہ حسین بخش عرف حسینی کا بیان ہے کہ کبھی کبھی حضرت قبلہ باہر آتے کبھی اندر جاتے لیکن مضطرب الحال کیفیت میں اکثر چیخ چیخ کر فرماتے رہے کہ "کراچی میں قیامت ہو رہی ہے کیا۔ کراچی والو ں تم پر اللہ اپنا فضل کرے"

ادھر اصغر صاحب کے دشمنوں نے چھرے نکال کر قتل کرنے کی نیت سے اپنے مکان کے صحن میں اصغر صاحب کو بڑے گہرے گڈھے پر گھسیٹ کر لے آئے تاکہ ان غریب کو قتل کر کے اسی گڈھے میں ڈال دیا جائے۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ۔ اگر یہ منصوبہ رو بکار ہو جاتا تو تقریباً بچاس افراد ان کے خاندان کے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے اور ان غریبوں کا کیا حشر ہوتا۔ سیٹھ صاحب کا خود کا بیان ہے کہ "میں بے بسی کی نیم بیہوشی کی حالت میں دشمنوں کے قبضہ میں تھا اور کوئی مجھے بچانے والا نظر تک نہیں آتا تھا کہ یکایک دن میں چند پولیس والے گشت کرتے ہوئے آئے۔ اور دشمنوں کے مکان کی دیواروں کو پھاند کر اندر داخل ہو گئے۔ مجھے اس غیر معمولی و بے بسی سے نجات دلائی اور اندر سے ان دشمنوں کو گرفتار کر کے تھانہ لے گئے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس سے قبل دن تو دن رات کو بھی اس طرف کبھی پولیس کو گشت کرتے ہوئے نہیں دیکھا چہ جائیکہ اتنی تعداد میں پولیس والوں کا جائے وقوعہ پر پہنچنا اور مجھے قتل کرنے سے بچا لینا عقل و فہم سے باہر معلوم ہوتا تھا۔ بہرحال ان سب دشمنوں کو عدالت سے لمبی لمبی سزائیں اور جرمانہ ہوئے جن کو عدالت ہائی کورٹ نے بھی قائم رکھا۔ بہت غور کرنے کے بعد یہ معمہ حل نہیں ہوتا تھا۔ کہ یہ امداد غیبی کا عین میری ہلاکت کے وقت حاصل ہونا کیونکر ممکن ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد ہم سب

لوگ حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو علیک سلیک کے فوراً بعد ہی حضرت قبلہ نے نہایت جلال و غصہ کے عالم میں اشارتاً فرمایا کہ تیرے دشمنوں کو خدا کیفر و کردار تک پہنچائے گا۔ پس حسینی بھڑ بھونجہ نے موقعہ مناسب خیال کر کے حضرت قبلہ سے اس کی وضاحت اسی دن حاصل کر کے محفوظ الذہن کر لیا تھا اور بالتفصیل یہ تمام واقعہ من وعن بتا دیا تو ہم لوگوں کو مزید حیرت میں ڈال دیا۔ تو اب کوئی شک و شبہ کا سوال نہیں رہا اور ہم سب کو یقینِ واثق ہو گیا کہ یہ امداد غیبی بذریعہ پولیس یکایک میری جان بچانے کے لئے صرف حضرت قبلہ کی توجہ خاص کی بنیاد پر تھی جس کا اثر آج تک میرے دل و دماغ پر قائم ہے۔

۸ — اس تاریخی اور اہم واقعہ کو ناظرین بغور ملاحظہ فرما کر مختلف پہلوؤں پر بعمیق نظری اگر غور و فکر فرمائیں گے تو قوی امید ہے کہ حضرت قبلہ کی زندگی کے انقلابی الوالعزم حصہ پر ضرور دل و دماغ رجوع ہوں گے جس سے مقام فضیلت خود بخود سامنے آجائے گا۔ ملاحظہ ہو

حضرت قبلہ کے استادِ محترم شیخ الہند حضرت حسین احمد مدنی خلد اللہ کانگریس کے ضمنی انتخاب جھانسی سے واپس ہوتے ہوئے اپنے معتقدین کے اصرار پر آگرہ تشریف لے آئے اور شو مارکیٹ آگرہ میں قیام پذیر تھے کہ دورانِ گفتگو مختلف موضوعات پر آتے ہوئے اتفاقاً آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ہمارا ایک شاگرد مولوی صلاح الدین سنا ہے یہاں آگرہ ولی اللہ ہو گیا ہے معلوم نہیں کہاں تک یہ روایت صحیح ہے"۔ اس پر حاضرین نے جواباً عرض کیا کہ "جی ہاں وہ کچہری گھاٹ کی مسجد میں امامت کرتے ہیں اور جمعہ کے دن بعد نماز ہمارے مارکیٹ کی ہر دوکان پر اکثر آتے ہیں"۔ یہ بھی ایک اتفاقی امر تھا کہ مولانا کے ذہن میں جو آیا وہ زبان سے اس طرح ظاہر ہوا کہ "اچھا تو ایسا ولی اللہ ہو گیا ہے"۔ کچھ لوگ اس فقرہ کو تاڑ گئے اور برجستہ جواب میں واضح کر دیا کہ "نہیں حضرت اور لوگ تو فقیر فقرا کی حیثیت میں ہر دوکان پر سائل بنکر آتے ہیں۔ مگر مولوی صلاح الدین صاحب تو عام طور پر ہر دوکاندار کو کچھ پیسے دیکر جاتے ہیں اور لینے والے بڑے اعتقاد سے اُن پیسوں کو لیکر اپنے گلّہ میں برکت کے خیال سے رکھتے ہیں"۔ یہ سنکر مولانا نے فوراً اپنے شوقِ ملاقات کا اظہار کرتے ہوئے اصرار کیا کہ "ابھی اس کے پاس چلنا چاہیئے" چنانچہ کچھ حضرات شو مارکیٹ کے مولانا کے ہمراہی میں کچہری گھاٹ تانگوں میں پہنچے اور مسجد کے صدر دروازہ پر جیسے ہی مولانا حسین احمد صاحب قبلہ نے قدم رنجہ فرمایا حضرت قبلہ صحنِ مسجد میں مصروف مطالعہ تھے کہ نگاہیں چار ہوئیں

اور فوراً دروازہ کی طرف دوڑے۔ مولانا کے جوتے اٹھاکر ایک طرف رکھے اور آپ فوراً بغلگیر ہوگئے۔ میں اس وقت تک مولانا حسین احمد مدنی سے واقف بذاتہٖ نہ تھا۔ مگر میں نے اندازہ ضرور کرلیا کہ یہ حضرت کوئی نہایت واجب الاحترام بزرگ ہیں۔ حضرت قبلہ نے مجھ سے چائے تیار کرنے کا حکم بہت پہلے دیدیا تھا اور میں مصروف تعمیل تھا۔ لیکن یہ عجب منظر دیکھا اور یہ عجیب گفتگو ان دونوں بزرگوں کی سنی تو ایک تصویر حیرت بنکر رہ گیا۔

مولانا حسین احمد صاحب قبلہ سینہ سے لگائے ہوئے بار بار اوپر سے نیچے تک حضرت قبلہ کو دیکھتے تھے اور بار بار حیرت سے فرمائے جاتے کہ "میں نے صلاح الدین کو دیوبند میں جو دیکھا تھا وہ اور تھا اور اب کچھ اور ہے یہ کیا ہوگیا۔ یا اللہ یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟" مگر واہ رے پاس ادب اور اللہ رے استقلال کہ حضرت قبلہ نے فرمایا "حضور یہ آپ ہی کا توفیض ہے"۔ واللہ آپ یقین فرمائیے کہ دونوں کی آنکھیں اشک ریز تھیں اور ناقابلِ بیان مشاہدہ تھا کہ برجستہ مولانا قبلہ نے فرمایا "یہ کیسا فیض ہے کہ میں پیچھے رہ گیا اور تو آگے ہوگیا۔ بس اس عالم کو میری قلم کانپتے ہوئے اعتراف کرتی ہے کہ خدا جانے یہ اظہار کس زاویہ حیات سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ خود فیصلہ فرمائیے۔

آپ کے لئے حضرت قبلہ نے اپنی رضائی صحنِ مسجد میں بچھادی اور عرض کیا کہ تشریف رکھیے اسی اثنا میں الحاج سیٹھ حیدر بخش صاحب بھی تشریف لے آئے تو آپ نے بھی بصد احترام مولانا قبلہ موصوف سے نیاز حاصل کیا اور حضرت قبلہ نے حیدر بخش صاحب سے تعارف کرایا کہ "آپ میرے اُستاد محترم ہیں جن کی بدولت اللہ نے مجھے سب کچھ دے دیا ہے"۔ ذرا ملاحظ فرمائیے کہ کیا انداز تعارف استاد محترم کا ہے۔ میں نے اس واقعہ کو بطور خاص اپنی یادداشت میں محفوظ کیا اور موقعہ کا منتظر رہا کہ کسی مناسب وقت پر اس کا پس منظر معلوم کرسکوں چنانچہ مختلف مواقع پر جستہ جستہ پورا حال اور تاریخی انقلاب معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا جن کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔

مولانا کی خاطر و تواضع حضرت قبلہ نے بطور شاگرد سعید انجام دی اور رخصت کے وقت دس روپیہ کا نوٹ نہایت مؤدبانہ احترام کے ساتھ اُستاد کی خدمت میں شاگرد نے پیش کیا مگر یہ کہتے ہوئے کہ "حضور فقیر کا حقیر تحفہ قبول فرمائیے"۔ تقریباً یہ صحبت ایک گھنٹہ تک رہی مگر مولانا موصوف ایک عجیب سکوت کے عالم میں مستغرق دیکھے گئے نہ اپنی کچھ کہی نہ دوسرے

کی سنی۔ بہرحال یہ وہ تاریخی واقعہ سامنے آگیا جس کی تائید و سند اشد ضرورت محسوس ہوتی تھی اور بالخصوص اس وقت جبکہ حضرت قبلہ کی سوانح حیات مرتب کی جارہی ہو۔ الحمد للہ الحمد للہ کہ ہر مشکل خود بخود آسان ہوتی جارہی ہے۔ یہ بھی ایک فیضِ روحانی ہی ہوسکتا ہے احقر کو اس خاص مسئلہ میں اگر سکون نصیب ہوا ہے تو بس اس شعر سے۔

کسے کہ حُسنِ رُخِ دوست در نظر دارد　　محقق است کہ او حاصلِ بصر دارد

حافظ شیرازی

تَرْكُ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ عِبَادَةٍ وَحُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ

(دنیا سے کنارہ کش ہونا سب عبادتوں سے برتر ہے اور دنیا کی محبت (دل میں رکھنا) سب خطاؤں سے بدتر ہے)

مندرجہ بالا حدیث کی روشنی میں چند مشاہدات و تصرفاتِ حضرت قبلہ موصوف ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

ارشادات و ملفوظات

ملفوظ اُن اظہارات کو کہتے ہیں جو الفاظ کے ذریعہ بیان کئے جائیں۔ مگر ادبی و علمی اصطلاح میں وہ تمام جملے جو کسی اہم شخصیت کی زبان سے ادا ہوں جن کو وابستگان سلسلہ عملِ خیر کے لئے ذہن نشین کریں یا ضبطِ تحریر میں لاکر تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنائیں بس وہی ارشادات و ملفوظات کہلاتے ہیں۔ صوفیائے کرام متقدمین نے ملفوظات کو سالکان و وابستگان کے لئے نہ صرف عملِ خیر کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ بلکہ حقیقتاً اپنے اپنے تجربات، مشاہداتِ الٰہی سے منسوب کرتے ہوئے اکثر کتابی شکلوں میں بھی پیش کیا۔ جس کا ماحصل ایک رہنمائی بشکلِ مینارۂ نور ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ اقوال و اعمالِ اہل اللہ کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ ملفوظات کا علیحدہ حصّہ قائم کرنا ازبس ضروری ہے تاکہ مبتدی و متوسط طالبانِ حق اور وابستگان سلسلہ عالیہ اپنے اپنے مقام پر ان ملفوظات کی روشنی میں محاسبہ کرتے ہوئے اپنی اپنی منزلِ مقصود کی جانب گامزن ہو کر کامران و کامیاب ہوسکیں۔ الا ماشاء اللہ

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے　　　جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

اقبال

حضرت قبلہ نے عوامی اور خصوصی نشستوں میں جو گُہر ہائے نایاب بکھیرے تھے اپنے دامن قلب وذہن میں سمیٹ لئے جو پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ اللہ سے ڈر کسی سے نہ ڈر تجھ سے سب ڈریں گے۔

۲۔ مخلوق کی خدمت بھی خالق کی عبادت ہے۔

۳۔ راشن شاپ کو حاصل کرنے کی بجائے ڈائریکٹر راشن شاپ کو حاصل کرلو تو راشن شاپ کی محتاجی نہیں رہتی۔ یعنی رازقِ حقیقی کو حاصل کرلو تو مجازی احتیاج ختم ہوجاتا ہے۔

۴۔ اسباب پر نظر کرنا کفر، مُسبّب پر نگاہ ایمان ہے۔ یعنی اسباب وعلل فنا ہو جانے والے ہیں اور مُسبّب کے ساتھ بقا ہے لہذا فنا کے ساتھی مت بنو بلکہ باقی کو ساتھی بناؤ۔

۵۔ مخلوق کی خدمت کا معاوضہ مخلوق سے نہیں بلکہ خالق سے طلب کرو۔ کیونکہ مخلوق خود محتاج ہے اور خالق غنی بھی ہے اور غنی بنا دینے والا بھی ہے۔

۶۔ جاہل ولی وصوفی نہیں ہوتا ہے۔

۷۔ جس طرح کھلونا کمہار کی حقیقت کو نہیں جان سکتا ہے۔ کمہار کھلونے کی حقیقت کو جانتا ہے اسی طرح خالق مخلوق کی حقیقت سے واقف ہے مگر مخلوق کو حقیقتِ خالق کا ادراک محال ہے۔

۸۔ جو جس کے نصیب میں جس کے وسیلہ سے مقدر ہوچکا ہوتا ہے۔ اُس کو ضرور ملتا ہے

۹۔ جہنم کے خوف سے اور جنت کے لالچ سے اطاعت وعبادتِ الٰہی فضول اور بے معنی ہے

۱۰۔ عامل عمل کرکے انفرادی فوائد وفیوض پہنچا سکتا ہے۔ مگر جب نفس حائل ہوجائے تو خود اس کی ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

۱۱۔ عوام کی بہبودی وفلاح کے لئے ولی یا صوفی جد وجہد کرتا ہے۔ مگر معاوضہ خدا سے طلب کرتا ہے اور کمالِ ربوبیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

۱۲۔ عقل کی رسائی جہاں نہیں ہو سکتی عشق بآسانی پہنچا دیتا ہے۔

۱۳۔ ایمان عقل سے شروع ہوتا ہے مگر عشق سے مکمل کیا جاتا ہے۔

۱۴۔ عشق سے ایمان۔ عشق سے شیخ۔ عشق سے رسول اور عشق سے خدا ملتا ہے۔

۱۵۔ اللہ سے دعا کیا کرو کہ سرمایہ داری پر مائل نہ کرے۔ بلکہ سمجھداری کا حامل بنائے۔ کیونکہ دنیا کا تقرب دین سے دوری کا سبب بھی بن سکتا ہے۔
۱۶۔ آنکھوں کا نور شب بیداری سے بڑھتا ہے اور زبان کی تاثیر ذکر کی کثرت سے پھیلتی ہے۔
۱۷۔ آفتاب کی شعاعیں حقیقتاً نورانی ہوتی ہیں۔ جو نفاست و غلاظت پر یکساں پڑتی ہیں۔ مگر نفاست خوشبو دیکر دل و دماغ کو فرحت بخشتی ہے لیکن غلاظت بدبو سے اٹھتی ہے جو پراگندہ کر دیتی ہے۔ بالکل اسی طرح صاحب کمال کی بزرگی ارواح نفسیہ پر اور ارواح خبیثہ پر اثر انداز ہوا کرتی ہے۔
۱۸۔ نفس پروری دنیاداری ہے اور نفس کشی دینداری ہے۔
۱۹۔ ہر صاحبِ کمال بزرگ اپنی ہم عمر والوں کو بھائی بہن۔ بڑوں کو ماں باپ اور چھوٹوں کو اولاد کی حیثیت دیا کرتا ہے۔ نہ کہ خود احساسِ برتری کا شکار رہو کہ دوسروں کو احساس کمتری میں مبتلا کرے۔
۲۰۔ اہل اللہ کی شان۔ خود پرستی اور نفس پروری سے میلوں دور ہوتی ہے۔
۲۱۔ جس شخص کا ظاہر اچھا ہے باطن سے اُس کو اعتدال میں خسارہ ہے۔
۲۲۔ جس کا ضمیر اور نفس خطرات سے آگاہ نہ کر سکتا ہو اُس کو نصیحت فائدہ نہیں پہنچا سکتی
۲۳۔ معرفت انسان کو عمل کی طرف لیجاتی ہے مگر عمل بغیر معرفت لاحاصل ہے۔
۲۴۔ حیا اور ایمان ایک دوسرے کے جزو لاینفک ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی اگر غائب ہوا تو دوسرا خود بخود غائب ہو جاتا ہے۔ جو سببِ خسارہ بن جاتا ہے۔
۲۵۔ جو خود کو اپنے عمل و اوصاف سے فائدہ نہیں پہنچا سکتا وہ دوسرے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اسی وجہ سے صاحب کمال پر بعد از حصول کمال واجب ہو جاتا ہے۔ کہ دوسروں کی بھلائی کے لئے اقدام کرے ورنہ اُس کا ہر فعل مشیّتِ ایزدی کے خلاف ہوگا جو منتج ہوگا خسر الدنیاء و الآخرۃ پر۔
۲۶۔ دور از تصویر رہکر تصور قائم کرنے کی مشق کرو کیونکہ شیخ کی موجودگی کے علاوہ بھی شیخ کا تصوّر اور پیہم مشق تصور سالک کے لئے باعثِ ارتقا ہوا کرتا ہے۔
۲۷۔ محسن کو کسی پر احسان کر کے اپنے معاوضہ یا نعم البدل کی اگر خواہش ہو تو صرف خدا سے ہونی چاہیئے۔ نہ کہ محسن سے۔

۲۸۔ سوز، گریہ، رقّت اور استغراقی تصوّر ہی سالک کو جلد از جلد منزل سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

۲۹۔ کسی صاحبِ مزار کے کمالات الوہیت کی بنا پر حاضری دیکر اُس کو قاضی الحاجات نہیں بلکہ قاضی الحاجات کا ولی تسلیم بالیقین کرنا ہی کامیابی کی دلیل ہے۔

۳۰۔ از روئے شریعت دعائیں نماز فجر کی سنّت اور فرض کے درمیان جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان۔ افطار روزہ کے وقت۔ زیارت کعبہ کے وقت۔ طوافِ کعبہ کے وقت حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت اور اہل اللہ کی رقّت آمیز اشکباری کے وقت اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا ہے۔

۳۱۔ جس طرح باپ کا بھید بیٹا ہوتا ہے یعنی ایک بیٹا اپنے باپ کے اعمال و اقوال میں صحیح وارث و جانشین ہوا کرتا ہے بالکل اُسی طرح سجادہ نشین اور ولایت کی منزل انہی وابستگان و مریدان کا حصّہ ہے جو اپنے شیخ کی تقلید کاملہ کی جیتی جاگتی تصویر بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں

۳۲۔ اسلام سے مسلم۔ ایمان سے مومن اور احسان سے محسن بنکر ہی انسان تخلّقو باخلاق اللہ بن سکتا ہے۔

۳۳۔ جمال و جلال الٰہی کا مشاہدہ کرنے والا اس درجہ صاحبِ کمال بن جاتا ہے کہ اُس کی زیارت و صحبت دوسروں کے لئے خدا تک رسائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

۳۴۔ محض درس و تدریس اور تلقین دینی سے ہی کام نہیں بنتا بلکہ تسخیر قلب و ذہن کے ذریعہ جو اصلاح ہوتی ہے پائیدار و مستحکم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے خوارقِ عادات و کرامات ظہور میں آتے ہیں۔ کیونکہ اہل اللہ کے یہ ہی وہ اصلاحی اشارہ اور کنایہ دین کے مافی الضمیر بنکر نظر کیمیا اثر کا انجام دیا کرتے ہیں۔

۳۵۔ کثرت الوجود پر مائل اور قائل ہونے والے بھلا وحدت الوجود کیا جانیں؟

نوٹ:۔ یہ اہم نکتہ حضرت قبلہ نے خواجہ شوکت حسین مرحوم آگرہ اخبار والے سے دوران مباحثہ فرمایا تھا لیکن اُس وقت اپنی فہم و ادراک میں نہ محصور ہو سکا تھا اور نہ کبھی غور و فکر کا موقعہ ملا لیکن اب جو کچھ حسب استطاعت بہ فیضِ حضرتِ قبلہ سمجھ سکا ہوں ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

روح مجرّد اور واحد ہوتے ہوئے بھی جسم زندہ کی ہر رگ و پے اور اعضائے جسمانی پر مسلّط ہے۔ یعنی وحدت محیط کئے ہوئے ہے۔ کثرت کو اور زندہ جسم کے ہر حصّہ کی حرکت دیکھنے

اور سمجھنے میں تو آتی ہے لیکن واحد روح جو کثرت پر کار فرما ہے نظر تک نہیں آتی ہے تو بھلا اُس کو ذہن کیونکر ادراک کر سکتا ہے؟ مگر ساتھ ہی یقین واثق بھی ہے کہ روح وہ واحد مقام و قدرت کی حامل ہے کہ جس کو تابع الوجود تو نہیں کہا جا سکتا ہے مگر متبوع الوجود ضرور ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اگر اسی نکتہ کا ارتقائی خلاصہ کیا جائے تو **وحدت الوجود** ہی واجب التسلیم قرار پائے گا۔ جیسا کہ غواصانِ بحرِ معرفت حضرات شیخ اکبرؒ اور مجددالف ثانیؒ کے تیقنات و تشریحات پر مبنی ہے۔ واللہ اعلمُ بالثواب

اللہ اللہ پیرو مرشد حضرت محبوب الٰہیؒ کے جواب نے تو مسئلہ ہی حل کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔
سوال حضرت بو علی شاہ قلندرؒ

"اے شیخ درین راہ مرا راہ نما — وز مشکلے این حرف جوابے فرما
گویند خدا بود دگر ہیچ نبود — چوں ہیچ نبود خدا بود کجا"

جوابِ حضرتِ محبوب الٰہیؒ

در ند ہب و سنت خبرے نیست ترا — دانی بہ یقین کہ مکا نست خدا
کیفیتِ حق ز من چرا می پرسی — جانے بہ تنِ تست کجا دارد جا

۳۶۔ مجاہدات میں سالک کے لئے لبسا اوقات جذب و تصور کے میدان میں خوش الحانی سے کلام ربانی پڑھنا اور سننا بمصداق آتشِ ذوق و شوق کو بھڑکا دیتا ہے جو کسی حد تک ضروری ہے چنانچہ حضرت قبلہ خود بھی عامل رہتے تھے اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھ کر یا سماعت فرما کر استغراق فی الالوہیت میں جذب و ضم نظر آتے تھے۔

اے خدا سازندۂ عرشِ بریں — شام را دادی تو زلفِ عنبریں
روز را با شمع کافور اے کریم — کردۂ روشن تر از عقلِ سلیم
قادرا قدرت تو داری بر کمال — اَنتَ ربّی اَنتَ حَسبی ذوالجلال
من گنہگارم تو ستّاری کنی — جرم من آرم تو معذوری کنی
اللہ اللہ ایں چہ شیریں است نام — شیر و شکر می شود جانم تمام

رومی

نوٹ:۔ مولانا نثار اکبر آبادی کی مثنوی مذاقِ عشق کو بطورِ خاص فرمائش سے سماعت فرماتے ہوئے گریہ و زاری میں اس درجہ مصروف و مشغول نظر آنے لگتے تھے کہ حاضرین از خود رفتہ

ہو کر طرح طرح سے اظہار عقیدت کرتے۔ ملاحظہ ہو۔

چوں شریعت با طریقت در فزود　　معرفت اندر حقیقت رو نمود
عبدیت اسرارِ معبودی بوَد　　ساجدی انجامِ مسجودی بوَد
چوں بسوئے مصطفیٰؐ سائل شدم　　از در احمدؐ خدا پیش آمدم
چوں کشادم چشم سوئے مصطفیٰ　　در لباسِ احمدی دیدم خدا
چوں نظر آمد رُخِ پاکِ حضورؐ　　جلوہ گر شد معنئ اللہ نور

نوٹ:۔ مولا علیؓ کے قدم شریف پر پچھلی شب میں آپ کو اکثر پڑھتے سنا ہے مگر دلدوز آہیں بھرتے تھے کہ الامان الحفیظ کہنا پڑتا تھا۔

السّلام اے حیدرِ کرّارِ ما　　السلام اے صفدرؓ و جبّارِ ما
السّلام اے باب علم مصطفیٰ　　اے علیؓ مرتضیٰ مشکلکشا
مرحبا من کنتُ مولاشانِ تو　　مرحبا عرفانِ حق عرفانِ تو
چارہ سازی کُن مرا اے چارہ ساز　　بے نیاز اکُن مرا اہلِ نیاز　　نثار

نوٹ:۔ اور یہ شعر تو حاضر دربار لعل شاہ باز قلندرؒ ہوتے ہی پڑھتے تھے۔

مفلسانم حقیر و درماندم　　در لباسِ فقیر سلطانم
شفیق

حضرت قبلہؒ کا حُلیہ شریف اور ذاتی اثاثہ

آغازِ شباب میں سر تا پا علیگ رہے مگر دیوبند میں رسولی ڈاڑھی بھورے رنگ کی سُرخ وسفید چہرہ پہ نہایت حسین اور نورانی کا اضافہ ہو گیا تھا۔ میانہ قد۔ گٹھا ہوا جسم اور آنکھیں سرخی مائل جو ارتقائی شکل میں آکر قدرے جھکی جھکی رہتی تھیں۔ جس کا سبب خاص محض گریہ وزاری کتب بینی اور شب بیداری تھا۔ مگر واللہ وہ جادو اثر نگاہیں جس پر پڑتیں اس کے قلب و جگر کا بس اللہ حافظ ہوتا کیونکہ یہ ہی وہ آنکھیں تھیں کہ جن سے کیف و سرور کی وہ انقلابی شکلیں پیدا ہوتیں کہ دنیا وعقبیٰ سنور جاتی۔ آخر عمر میں تقریباً سب دانت الوداع کہہ گئے تھے پھر بھی چہرہ پر وہ نورانی رعب وجاہ وجلال کی علامتیں نمایاں تھیں کہ آنکھیں آج تک متجسس و متلاشی ہیں

داہنا شانہ مبارک قدرے دوسرے شانے سے اونچا تھا اور قیام کے وقت بائیں ہاتھ کو اپنی ران پر زور دیکر عجیب حسین انداز میں اپنے خضوع وخشوع کا مشاہدہ نماز میں فرماتے کہ دیکھنے والا خود تصویر حیرت بن جاتا۔

ابتدا میں تہہ بند۔ گھٹنوں تک کرتہ سر پر لنگی اور برہنہ پا مگر ہاتھ میں دستی بید جو آخر عمر تک رہا۔ مفارقت ہند سے کچھ دن قبل سلیپر پہننے لگے تھے اور ایک کمبل میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ مگر پاکستان میں شلوار کے بجائے تہہ بند کے استعمال کرنے لگے تھے۔ جو دم آخر تک لباس رہا۔ تا دم آخر شلوار اور کرتہ الحاج سید یوسف علی صاحب سے اور ایک رضائی پانچ گز عریض و پانچ گز بسیط ڈھائی سیر روئی والی اپنی خادمہ مقبول جہاں بیگم سے بطور خاص ہر سال تیار کرا کر اپنے استعمال میں لاتے تھے۔ مگر بطور خاص سابقہ رضائی استعمال شدہ اپنی خادمہ موصوفہ کو عنایت فرما کر دعائے خیر سے یاد فرماتے۔

حضرت قبلہؒ کی نمایاں ترین خصوصیات

۱۔ آپ نے مجرد زندگی کو بعد انقطاع تعلق خانہ زاد اس درجہ اپنایا کہ وہ ہی عروج و کمال میں آکر بقاء بالحق ہو گئی کیونکہ **تجرید** ایک وہ مقام ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے کہ اس مقام پر ماسوی اللہ سے تعلق منقطع کر کے مجرد کو اس راستہ پر جانا چاہیئے۔ ورنہ اس تنگ راستہ سے گذرنا محال ہے کیونکہ جو راستہ تنگ ہو وہ عام گذرگاہ نہیں ہوتا اسلئے سالک کو تعلقات جمیع موجودات و صفات سے قطع کر کے گذرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی امام ربانیؒ فرماتے ہیں کہ —

"**وحدت وجود** ایک کوچہ تنگ ہے یعنی یہ وہ شاہراہ ہے جو گذرگاہ عام نہیں۔ جہاں سے ہر ایک حیوان کا گذر ہوتا ہو۔ بلکہ یہ تو گذرگاہ خواص ہے" جس کو حضرت قبلہ نے بطریق وہبی و کسبی اپنے لئے مخصوص فرمایا اور منزل کو سر کر ہی لیا۔ بقول حافظ شیرازیؒ

از در مادر آ اگر طالب عشق سرمدی ‏ ‏ ‏ نور خدا نمایدت آئینہ مجردی

۲۔ آپ نے اثاث البیت اور ورثہ خاندانی سے اجتناب دائمی کیا۔

۳۔ آپ نے مال و متاع سے نفرت حقیقی قرار دیا۔

۴۔ آپ نے ہمیشہ تحصیل علوم دنیوی پر حصول علم دین کو ترجیح دی۔

۵۔ آپ خلوت در انجمن اور خلوت مطلقہ پر علی قدر ضرورت مائل رہے۔

۶۔ آپ غربا۔ فقرا اور مساکین کے ساتھ بخلوصِ نیت و عمل مسلوک ہوئے۔

۷۔ علم دوست۔ سیدھے سچے ایماندار اور سمجھدار حضرات سے رغبتِ خاص رکھتے اور اپنا مسلکِ درویشی خصوصًا پیش کر کے اُن کے دل و دماغ میں انقلاب و اصلاح اور ارتقائے ایمانی پیدا کرنا ایک معمول تھا۔

۸۔ آپ اویسیہؒ مسلک سے تعلقِ ظاہر و باطن رکھتے ہوئے لبسا اوقات مغلوب الحال پائے گئے بقول حضرت قبلہ علامہ حامد حسن قادریؒ

"آپ قلندرِ متشرع کہے جا سکتے ہیں"

۹۔ "آپ علم و فضل و سخا میں عروجِ فلکی کے حامل تھے"

۱۰۔ آپ غیر محدود و وسیع النظر تھے۔ ذکاوت۔ ذہانت اور علمیت نسبتًا ورثہ میں آپ کو حاصل تھی۔ یعنی وہبی اور کسبی قوتوں سے اس درجہ سرفراز تھے کہ دوسروں کے کشفِ حقائق و حالات اس خوبی اور اثر انداز لہجہ میں بھرے مجمع کی حالت میں بھی بیان کر دیا کرتے تھے کہ جس کسی سے بھی کوئی راز اگر متعلق ہو تو صرف وہ ہی سمجھ سکے اور اگر کسی کی کمزوری یا لغزش کا اظہار مقصود ہوتا تو اس حسین پیرایہ میں فرماتے کہ صرف شخص متعلقہ ہی آگاہ و متنبہ ہو کر اپنی اصلاح کرنے پر آمادہ ہو جائے مگر دوسرا کسی نہج یا طریقہ سے باخبر نہ ہو سکے۔

۱۱۔ آپ حقائق و دقائق کا اظہار برجستہ اور فی البدیہہ بر بنائے قرآن و حدیث کیا کرتے تھے۔

۱۲۔ منجملہ دیگر اوصاف حمیدہ کے صبر و تحمل۔ ضبط و نفس۔ عطا۔ جود و سخا آپ کی ذاتِ گرامی میں خصوصیات نمایاں شمار کی جا سکتی ہیں۔ یعنی خود نہیں کھایا اور دوسروں کو کھلایا۔ اور خود نہیں پہنا دوسروں کو پہنایا۔ اسی طرح خود نہیں سوتے مگر دوسروں کو سو جانے کی ترغیب دیتے۔ خود تکلیف اٹھائی اور دوسروں کو آرام پہنچایا۔

۱۳۔ صوفیانہ چائے آگرہ میں خود تیار کر کے عوام و خواص حاضرین کی تواضع کیا کرتے تھے اور رخصت کے وقت کچھ پیسے بھی تقسیم کرتے۔ مگر ارتقائی منازل میں آکر جائے دوسروں سے تیار کرا کر خود تقسیم کرتے اور یہ روزانہ کا معمول تھا کہ حاضرین کی تعداد گو زائد از تخمینہ ہو جاتی لیکن آپ کے دستِ مبارک سے اس قدر برکت ہوتی کہ قلت کا کبھی سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ بعدہٗ بجائے پیسوں کے نوٹ تقسیم ہونے لگے جو محض ایک مافوق العادت بن گئی تھی

۱۴۔ صاحب مزار سے استمدادِ غیبی بحالت مراقبہ و مکاشفہ بوقتِ شب شغلِ دیرینہ و پسندیدہ رہا

ہے۔ ہندوستان میں پیر قاضی نعمانؒ خلیفہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ۔ سید جلال بخاریؒ۔ شہید رفیعؒ اور قدم شریف آنحضرتؐ بمقام نبی صاحب لوڈلہ اور پاکستان میں پیر بخاریؒ۔ قطب عالم شاہؒ۔ کلفٹن ٹھٹھہ۔ حیدرآباد۔ بھٹ شاہ۔ اور سہوان شریف کے مزارات مقدسہ پر عموماً اور معمولاً حاضری دیتے۔ اور اسی مسلکِ خصوصی سے وابستہ رہتے ہوئے وصال بحق حضرت لعل شہباز قلندرؒ سہوان شریف کے دربار میں کچھ عجیب اندازِ خصوصی میں ہوگئے جو آج تک ایک معمہ لاینحل بنا ہوا ہے مگر

"حسن لیلیٰ بچشم مجنوں باید دید" کیلئے کوئی راز راز نہیں ہے بلکہ

"قطرہ دریا میں ملا تو عین دریا ہوگیا"

وصال بالحق

حضرت قبلہ عید الضحیٰ ۱۳۸۲ھ سے ہی کچھ اس قسم کے اظہار وقتاً فوقتاً فرماتے رہتے تھے کہ جن سے بوئے مفارقت کا احتمال ہونے لگا تھا۔ خادم سے خود آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ چالیس روز کا (EXTENSION) اضافہ ہوگیا ہے مگر کچھ واضح طور پر نہ معلوم ہوسکا کہ آخر ان اشاروں سے کیا مفہوم ہوسکتا ہے۔ رفتہ رفتہ ایام عشرہ محرم میں ہی آپ نے مسلسل سفر اختیار کرنے شروع کردیئے اور علالت نے شدت اختیار کرلی تاہم کچھ دنوں کے لئے آپ شاہ کمالؒ کے مزارِ مقدس واقعہ ٹھٹھہ میں قیام پذیر رہے۔ وابستگان اور عقیدتمندان نے یہاں بھی اسی سابقہ جاں نثاری کا ثبوت دیا اور ہمہ وقت خدمت گذاری اپنی سعادتِ دارین سمجھ کر پروانہ وار ساتھ رہے۔ گو آپ ہمیشہ مصر رہتے کہ "اب مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو" مگر لوگوں کے دل و دماغ اس درجہ قدرتی طور سے بیچین تھے کہ آپ کی نظر فیض اثر سے دور ہونا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ کچھ عرصہ کی علالت کسی حد تک روبہ صحت شکل میں نظر آنے لگی اور ہمہ وقت کے ساتھی بالخصوص پورا خاندان بھڑہو نجہ محمد ابراہیم خان الحاج عبدالرحمٰن اور مولوی عبداللہ وغیرہ رفتہ رفتہ مطمئن ہوگئے اور بیرون حیدرآباد کے وابستگان کی آمدورفت میں بھی کمی ہوگئی لیکن یہ ایک عجیب بات ہوگئی تھی کہ آپ مقتدر اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے مزاروں پر نہایت خفیہ طور سے بغیر کسی کو خبر کیئے ہوئے کراچی۔ ٹھٹھہ بھٹ شاہ۔ حیدرآباد اور سہوان شریف جلد جلد حاضری کے لیئے آنے جانے لگے۔ اسی سلسلہ میں بہت سے انکشافاتِ مفارقتِ دائمی بھی لوگوں پر ہونے لگے جس کے نتیجہ میں مخصوص حضرات ایک گونہ پریشان اور متوحش

نظر آنے لگے۔ کچھ لوگ جو بہت قریب تھے یہ تک کہہ رہے تھے کہ "حضرت قبلہ کی صحتیابی کیا ہے بلکہ یہ تو افاقۃ الموت ہے" کچھ لوگ سرحدی علاقہ سے بھی کہتے ہوئے آگئے کہ "ہم نے خواب میں بابا کو عجیب نورانی عالم میں فلک پرواز دیکھا ہے۔"

یہاں ایک نکتہ صاحبانِ طریقت کے مسلک سے متعلق واضح کر دیا جائے تو انشاء اللہ ناظرین کرام بھی محتاط رہیں گے۔ کتب سیر اور اقوال مستند بزرگان دین میں نہایت سخت الفاظ میں تاکید کی گئی ہے کہ غلو کسی بیان میں انتہائی سنگین جرم ہوتا ہے۔ اور خصوصاً کسی بزرگِ باکمال کی ذات سے مبالغہ آمیز بیان یا کلام انتہائی تکلیف دہ اُس ذات گرامی کے لئے ہوتا ہے اور خود کے لئے تو خسر الدنیا و الآخرۃ بھی مخصوص ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس نکتہ کو ذہن میں پیش رکھتے ہوئے ایک واقعہ کا اظہار کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔

حضرت قبلہ کے وصال سے ایک ہفتہ قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت قبلہ کا وصال ہو گیا ہے اور جنازۂ اطہر خانقاہ کالاپل میں موجود ہے اور پہاڑی پر قبر کی تیاری کی جا رہی ہے۔ مگر سخت زمین ہونے کی وجہ سے جملہ برادرانِ طریقت فرداً فرداً اُس حصہ کی کھدائی میں مصروف ہیں اور آہ و بکا۔ گریہ وزاری با آواز بلند ہوتی جا رہی ہے۔ ہر چار طرف سے جوق در جوق گروہ در گروہ خلقت اردگرد جمع ہوتی جا رہی ہے اور پرسہ دینے والے نہایت کرب کے عالم میں جگہ جگہ عجیب بے سروسامانی میں نظر آرہے ہیں۔ کہ حضرت قبلہ کا چہرۂ انور دیکھ کر بے ساختہ دیوانہ وار چیخ اٹھا تو گھر والے میرے کمرہ میں داخل ہو کر پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے۔ میں نے بغیر کسی تمہید کے رونا شروع کر دیا اور فوراً عزیزی اصغر میاں سلمہٗ کو اس مرحلہ میں رجوع کیا تو یہ طے پایا کہ فوراً حیدرآباد چلنا چاہیے۔ لہٰذا ہم لوگ حیدرآباد کا ٹکٹ لیکر گاڑی میں سوار ہو گئے۔ لیکن جیسے ہی کوٹڑی جنکشن پر پہنچے گمان ہوا کہ حضرت قبلہ ممکن ہے حاجی عبدالرحمن صاحب کی فیکٹری میں ہوں۔ چنانچہ گاڑی چھوڑ دی اور فیکٹری پہنچنے پر معلوم ہوا کہ حضرت قبلہ ایک گھنٹہ قبل جام شورو ہوتے ہوئے حیدرآباد روانہ ہو چکے ہیں لہٰذا کر اسٹیشن آکر حیدرآباد کے لئے روانہ ہو گئے ہم لوگ جب حسینی بھر بھونجہ کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابھی ابھی تشریف لائے ہیں۔ انتہائی سکون نصیب ہوا۔ حاضری دی۔ اور فوراً اپنا خواب اور اپنی بے چینی و اضطراب کا اظہار کر دیا۔ مگر اللہ اکبر اللہ اکبر کیا تلقین فرمائی گو ہم سب لوگ پژمردہ دل۔ فسردہ چہرہ۔ بقول شخصے "صورت بین حالت مپرس" بنے ہوئے تھے آپ فرمانے لگے "باقی کو چھوڑ کر فانی پر نہ مرو۔ بلکہ باقی پہ مرو تو باقی رہو گے ورنہ فانی"

"انسان فانی ہے میں بھی فانی ہوں۔ فنا کو نہ پکڑو بقا کو پکڑو" مزید برآں آپ خوب با آواز بلند ہنسنے لگے اور بار بار کہتے رہے کہ "میں تو کب کا مر چکا ہوں۔ تم لوگ مردہ کو زندہ خیال کرتے رہے تو یہ تو بہ لو بھئی لو سب لوگ مجھے زندہ دیکھ رہے ہیں۔ تم بھی زندہ دیکھ رہے ہو تو پھر مرنا کیسا۔ یہ تو مرنا جینا تم ہی لوگوں کو مبارک ہو۔ بس بس شفیق رونا ختم کر۔ میں دو چار دن میں لعل شاہ باز قلندرؒ کے یہاں جانے والا ہوں۔ کھانا کھاؤ۔ کھانا کھاؤ" ہم لوگوں نے حضرت قبلہ کے ساتھ کھانا کھایا آپ نے کچھ آم جو کسی صاحب نے تحفتاً خدمت میں بھیجے تھے بار بار اصرار کے ساتھ ہم سب کو کھلاتے رہے۔ ہم لوگوں کو کیا معلوم تھا کہ یہ آخری خوش نصیبی ہمارے لئے مقدر ہو چکی ہے۔ بہر حال مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی اور بار بار اپنی صحت جسمانی کی طرف سے ہم لوگوں کو برابر مطمئن کرتے رہے۔

اسی موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ "حاجی عبدالرحمٰن کا ایک اہم کام التوا میں پڑا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے بار بار اس کی فیکٹری میں جانا پڑتا ہے۔ مگر اس کا کام اس کی فیکٹری کی حدود میں ایک (انڈر گراونڈ) زیر زمین بزرگ صاحب کمال ہے جو اس کا کام نہیں چلنے دیتا ہے" چونکہ اس وقت حضرت قبلہ ایک ایسے انداز میں گفتگو کر رہے تھے کہ میں نے جسارت کر کے عرض کیا "میاں آپ سے زیادہ طاقتور وہ بزرگ تو ہو نہیں سکتا ہے" تو آپ فرمانے لگے۔ "اللہ علیم ہے" اس مختصر باریابی کے بعد حضرت قبلہ نے ہم لوگوں کو رخصت فرمایا اور ہم لوگ واپس کراچی آگئے مگر صرف چار یوم بعد ہی یہ مفارقت دائمی کی کرب و الم سے بھری ہوئی ساعت ہم بد نصیبوں پر ایک بجلی کی طرح گری جس کا خلاصہ بزبان ہمراہیان حضرت قبلہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

۱۔ تاریخ روانگی بمقام سہوان شریف:۔	بروز جمعرات بتاریخ ۱۱ جولائی ۱۹۶۳ء مطابق ۱۸ صفر المظفر ۱۳۸۳ھ
۲۔ ایام قیام دربار لعل شاہ باز قلندرؒ:۔	بروز جمعرات، جمعہ اور ہفتہ مطابق پنجشنبہ، جمعہ اور شنبہ یعنی ۱۱-۱۲- اور ۱۳ جولائی ۱۹۶۳ء مطابق ۱۸-۱۹-۲۰ صفر المظفر ۱۳۸۳ھ
۳۔ تاریخ، وقت، مقام، وصال:۔	بروز ہفتہ بوقت ۳ بجے دن یعنی ۱۳ جولائی ۱۹۶۳ء مطابق [1]۲۰ صفر المظفر ۱۳۸۳ھ بآغوش حضرت

---

[1] یعنی عشرہ محرم کے چہلم کا دن مخصوص ہے۔

۴۔ تاریخ و وقت تدفین :۔ لعل شاہ باز قلندرؒ سہوان شریف سندھ بروز اتوار بتاریخ ۱۲ ر صفر المظفر ۱۳۸۳ھ بوقت ۱۱ بجے دن بمقام احاطہ سندھ ٹیبزی کوٹڑی ضلع دادو سندھ

خلاصۂ سفرِ آخرت حضرت قبلہؒ

حضرت قبلہؒ بتاریخ ۱۱ ر جولائی ۱۹۶۳ء بروز جمعرات بھمراہی چند وابستگان بذریعہ کوئٹہ میل سہوان شریف بغرض حاضری دربار لعل شاہ باز قلندرؒ قدس سرہٗ حیدر آباد سے روانہ ہوئے۔ اور بفضلہ تعالیٰ ہشاش بشاش حاضر دربار ہو کر حسب معمول داہنی دالان کے ایک گوشہ میں اپنا سامان مختصر رکھا اور احاطۂ درگاہِ شریف سے باہر آکر حوائج ضروری سے فارغ ہوئے۔ وضو کیا اور مزار مقدس کے قریب ایک گوشہ میں قیام فرمایا اور پھر باہر تشریف لے آئے۔ کچھ دیر تک خدام درگاہ شریف سے مصروف گفتگو رہے۔ اور حیدر آباد سے ایک تھیلہ میں بھنے چنے لائے ہوئے تقسیم کرنے لگے اور ہمراہیان کو دو چار روپیہ دیکر ہدایت فرمائی کہ بازار جاکر کھانا کھائیں مگر خود چنے کھانے بیٹھ گئے

الغرض نمازیں باجماعت ادا کرتے رہے اور شب کو حجرۂ مزار میں داخل ہو کر تنہا مصروفِ مراقبہ و مکاشفہ رہے اور عین اذان فجر سے قبل اور جاروب کشی کے وقت باہر تشریف لائے۔ ہمراہیان کو تیاریٔ نمازِ فجر کے لئے تاکید فرمائی۔ نمازِ فجر باجماعت ادا کی۔ بعدہٗ حاضری کے لئے حجرۂ مزار میں داخل ہو کر نہایت استغراقی کیفیت میں مزار پر اپنے دونوں ہاتھ احتراماً رکھے ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ تک کھڑے رہے مگر زار و قطار روتے رہے اور بار بار "الٰہی فضل۔ الٰہی فضل" بآوازِ بلند فرماتے رہے۔ یہ انداز کچھ اور ہی اسرار و رموز کا حامل معلوم ہوتا تھا۔ بہر حال آپ جب باہر تشریف لائے تو مزار کے خادموں اور ملنگوں کو کثیر تعداد میں زر نقد تقسیم کیا اور اسی حالت میں بازاروں میں بندگان خدا کو بے انداز ریزگاری تقسیم کی اور بار بار فرماتے تھے کہ "لو قلندر کے صدقات۔ لو قلندر کے صدقات" ہمراہیان کو بازار سے چائے ناشتہ لانے کے لئے کچھ رقم عنایت کی۔ اور آپ واپس دالان کے گوشہ میں اپنی رضائی پر استراحت فرمانے لگے کہ تھوڑی دیر بعد ناشتہ کا سامان آگیا۔ قدرے ناشتہ میں شرکت کر کے پھر آرام فرمانے لگے۔ اب نماز جمعہ کا وقت بھی ہوتا جا رہا تھا کہ قبل از اذان آپ نے باہر جاکر غسل خانہ میں غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور حسب معمول آخری صف

میں اپنی نشست اختیار کی اور بعد نمازِ جمعہ جب حاضرین فاتحہ خوانی سے فارغ ہو کر جانے لگے تو آپ نے سب کو معمولاً روپیہ۔ ریزگاری بکثرت تقسیم کی اور بیحد خوش و خرّم، شادان و فرحان نظر آنے لگے کہ یکایک آپ تنہا حجرۂ مزار میں داخل ہو گئے اور سابقہ کیفیتِ گریہ آپ پر پھر طاری ہو گئی اور اس حالت میں اندازاً آپ چار بجے شام تک رہے۔ مگر بحالتِ جذب عادتاً فرماتے رہے۔

مفلسانم حقیر و در ماندم در لباسِ فقیر سلطانم

شفیقؔ

الغرض یہی اتار چڑھاؤ اپنے اوقاتِ معینہ کے مطابق جاری اور ساری رہے مگر جمال و جلال کے مشترکہ نظارے چہرۂ انور سے غیر معمولی عالم میں ظہور پذیر ہوتے رہے۔ اسی وجہ سے کسی کی جرأت نہ ہو سکی کہ کسی موضوع پر حضرت قبلہ سے گفتگو کی جائے۔ یعنی

نظر ملاؤں تو ان سے نظر ملا نہ سکوں شفیقؔ سر کو جھکاؤں تو سر جھکا نہ سکوں

اور نہ حضرت قبلہ نے اشارتاً یا کنایتاً کوئی اظہار کسی عالم کا اس درمیان فرمایا جس سے کوئی نتیجہ حسبِ استطاعت اخذ کیا جاتا۔ لیکن کسی قسم کا تردد یا اضطراب بھی ہمراہیان پر اثر انداز نہ ہوتا تھا جس کی وجہ سے بیشتر اوقات درگاہ شریف کے باہر بازار وغیرہ میں گذارتے رہے۔ اور حضرت قبلہ کو اس طرح ایک گونہ عزلت نشینی اور تخلیہ حاصل ہوتا رہا اور آپ لبسا اوقات نماز کے علاوہ مصروف مراقبہ حجرۂ مزار میں پائے گئے۔ چنانچہ دو راتیں اور دو دن اسی انداز و معمولات میں گذر گئے اور تیسرے دن یعنی بروز ہفتہ بعد نمازِ فجر کئی گھنٹے تک مزار مقدس سے لگے بیٹھے رہے۔ اور قبل نمازِ ظہر ہمراہیان کو بازار جا کر کھانا کھانے کے لئے ہدایت فرمائی۔ مگر خود نہ تو ناشتہ کیا اور نہ کھانا کھانے کی خواہش ظاہر کی۔

بعد ادائیگی نمازِ ظہر جب سب لوگ رخصت ہو گئے تو تین بجے دن کے وقت آپ بڑے ذوق و شوق سے حجرۂ مزار میں داخل ہوئے اور دونوں ہاتھ مزار پر دراز کر کے مصروفِ مراقبہ ہو گئے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد آپ نے کسی خاص رکوع قرآن شریف کی تلاوت کرنے کی فرمائش کی چنانچہ مولانا عبداللہ جو سرخیل ہمراہیان اور عزیز ترین نیازمندوں میں سے ہیں تلاوت کرنے لگے ادھر آپ ان آیاتِ مقدسہ کی تفسیر بیان فرمانے لگے اور ساتھ ہی گریہ و زاری میں شدت ہوتی گئی۔ بیانِ تفسیر ابھی جاری تھا کہ اس تفسیر کے حوالہ کی مزید تفصیل عام فہم دوسروں کو سمجھانے کے لئے مقصود ہوئی تو تمثیلاً آپ نے برجستہ حضرت لعل شاہ باز قلندرؒ سے ہی منسوب کر کے کچھ غیر معمولی انکشاف کر دیا جس

کا نتیجہ بظاہر تو ایک جھٹکا سا آپ کے تمام جسم اطہر میں لگتا ہوا دیکھا گیا اور آپ کے دونوں ہاتھ فوراً مزار سے غیر مربوط نظر آنے لگے اور اُسی مقام پر یکایک آپ کا جسم مبارک بھی دراز ہو گیا۔ حاضرین نے خیال کیا کہ غالباً آپ کو چکر آ گئے پنکھا جھلنا شروع ہو گیا۔ مگر جسم تھا کہ گرم و نرم ہوتے ہوئے بھی ہوش و حواس حضرت قبلہ کے قائم نہیں رہے تھے۔ خدام نے طرح طرح سے کوشش کی کہ حضرت قبلہ کچھ مزید اشارہ ہی کر دیں لیکن جملہ جد و جہد بے کار نظر آئی تو ڈاکٹروں کو بلوایا گیا مگر وہ لوگ بھی حیران تھے کہ پیشانی پر عرق ریزی تھی جسم گرم و نرم تھا مگر نبض ڈوب چکی تھی اور قلب ساکت ہو گیا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جسدِ خاکی سے روح مقدس عالم علیین کی جانب پرواز کر چکی تھی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

الغرض جس چہل سالہ کتاب زندگی کا آغاز ایک مزار مقدس دیوبند پر ہوا تھا تو اختتام بھی ایک جلیل القدر بزرگ کے مزار مقدس سہون ہی پر ہوا۔ پس یہ راز بھی اسی طرح ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

صورت گرِ نقاشم ہر لحظہ بتے سازم	میں صورت گر ہوں۔ ہر لمحہ کوئی تصویر بناتا ہوں
وانگہ ہمہ بتہا را در پیشِ تو اندازم	جب یہ بت تیار ہو جاتے ہیں تو تمہارے قدموں میں
صد نقش برانگیزم با روح در آمیزم	ڈال دیتا ہوں۔ سینکڑوں نقش بناتا ہوں ان میں
چون نقشِ ترا بینم در آتشِ اندازم	روح پھونکتا ہوں لیکن ان کے مقابلہ پر جب تمہاری
رومی	شکل پر نگاہ پڑتی ہے تو ان کو آگ میں پھینک دیتا ہوں

اسی راز کو احقر نے تاریخ وصال کی یوں ظاہر کر دیا ہے۔

محرم ذالجلالِ و الاکرام

۱۳۸۳ھ

اب یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح تمام شہر میں پھیل گئی اور تمام صحن مسجد اور احاطۂ درگاہ شریف لوگوں سے بھر گئے۔ اور اب مختلف نوعیتوں کے منصوبے روبکار لانے کے لئے تجویز ہونے لگے۔ کہ بذریعہ ٹیلیگرام کچھ حضرات کو حیدرآباد و کراچی اطلاع پہنچ گئی۔ یہاں سے لوگوں کے دیوانہ وار بذریعہ ریل وغیرہ جلد از جلد پہنچنے سے یہ ضرور فائدہ ہو گیا کہ درگاہ شریف کے منتظمین اور عقیدتمندوں کے خیال آرائیوں پر کہ لعل شاہ باز قلندر کی آغوش ہی میں تدفین کیجائے عملدر آمد نہ ہو سکا اور جنازہ اطہر کو بخیر و خوبی بذریعہ جیپ گاڑی الحاج عبدالرحمٰن صاحب لانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ بھی ایک عجیب حیرت انگیز کارنامہ تھا کہ اس قلیل عرصہ میں نہایت دشوار گذار پہاڑی اور ریگستانی

راستوں سے راتوں رات سفر کرتے ہوئے بصد احترام جنازۂ اطہر کو بخیر و خوبی کوٹڑی علی الصبح لایا گیا۔ اور حضرت قبلہ کے وابستگان کو موقعہ فراہم کیا گیا کہ کراچی، حیدر آباد و دیگر مقامات سے حاضر ہو کر ثواب دارین کی سعادت حاصل کر سکیں۔ یہاں اس قدر اظہار کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ اعلان و تشہیر کے ذرائع چند نامعلوم وجوہات کی بنا پر محدود اور ناقص تھے جن کی شکایات ہر چار طرف سے ہونے لگیں کہ "حضرت قبلہ کے سفر آخرت میں شرکت سے محروم کیا گیا"۔ غالباً اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ ہنگامی حالات سے دوچار ہونے کی ناتجربہ کاری اور نااہلی تھی کیونکہ حضرت قبلہ کے سوئم کی مشتہری اور بعد میں چہلم کی مزید مشتہری نے آنکھیں کھول دیں اور وابستگان کی لامحدود تعداد نے منتظمین خود ساختہ کو بے حد پشیمانی اور شرمندگی سے بھی دوچار ہونا پڑا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ سہوان شریف سے روانگی کے وقت ایک کہرام مچ گیا تھا اور راستہ بھر لوگوں کو معلوم ہوتا گیا کہ اس انداز سے آپ کا وصال ہوا ہے تو متعلقہ اظہار خیال اس طرح ہوتا رہا کہ "صلاح الدین بابا قلندر کا آدمی ہے اس کو اسی کے آغوش میں سپردِ خاک کیا جائے" یا "قلندر نے اس بابا کو اپنے آغوش میں لیکر وصال بالحق کے مقام تک پہنچا دیا تو اس کو بھی سہوان میں ہی رہنے دو"

الغرض مختلف النوع مہمات سے دوچار ہوتے ہوئے وابستگان و خادمانِ حضرت قبلہ کوٹڑی ہی میں تدفین کے لئے جنازۂ اطہر کو لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اب اہتمام تکفین و تدفین کا ہونے لگا تو حضرت قبلہ کی جیب سے اس قدر رقم برآمد ہو گئی کہ کسی دوسرے کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ کوئی اپنی طرف سے اقدام کرے۔ یہاں یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ اس کا انکشاف کر دیا جائے کہ بھرٹ ہونجہ اور حیدر آباد والے چاہتے تھے کہ جنازہ حضرت قبلہ کو حیدر آباد میں لے جایا جائے مگر اس تفریق نے کوئی مزید شکل اختیار نہیں کی بلکہ یہ ہی طے پایا کہ جب حاجی صاحب مسجد اور مزار کے لئے وسیع و عریض قطعہ اراضی وقف کر رہے ہیں تو دوسری جگہ کی تجویز غیر مناسب ہے۔ چنانچہ کفنانے کے بعد تھوڑی دور تک جنازہ کندھوں پر رہا۔ ضبط برداشت بقدر ظرف مجمع کا رہا لیکن بعد ادائے نمازِ جنازہ قبر میں وابستگان کے ذریعہ اتارتے ہی جو کہرام بپا ہوا ناقابلِ برداشت منظر پیش آگیا اور ایک دوسرے سے لپٹ لپٹ کر روتا پیٹنا شروع کر دیا۔ بہر حال تدفین کے بعد بھی لوگوں کا آنا جانا جاری رہا اور اعلان ہوا کہ پیر کے روز یعنی دوسرے ہی دن سوئم و قرآن خوانی بعد نمازِ ظہر ترتیب دیا گیا۔ چنانچہ اس کا اعلان اور مشتہری بذریعہ اخبارات بھی کرا دیا گیا اور دوشنبہ یعنی پیر کو حسب ذیل پروگرام پر عمل درآمد کیا گیا۔

۱۔ قرآن خوانی بعد نمازِ ظہر شروع ہو کر قبل از نمازِ عصر ختم کی گئی۔ ایصالِ ثواب و فاتحہ کی ترتیب نہایت سلیقہ سے انجام پائی۔

۲۔ بعد نماز مغرب محتاجوں اور مساکین کو کھانا کھلایا گیا۔

۳۔ بعد نماز عشاء چند لوگوں نے محفل میلاد کا انعقاد کیا جس میں مناقب حضرت قبلہؒ بیان کئے گئے۔

۴۔ بعد ازاں بوقتِ نصف شب محفلِ ذکر و فکر حسب دستور معمولاً تا نماز فجر قائم رہی۔ جس میں لوگوں میں مفارقت کے تحت رقت و گریہ برابر جاری اور ساری رہی۔

اسی ضمن میں پیش کردہ دو قطعات تاریخ وصال حاضرین کو بہت پسند آئے جو درجِ ذیل ہیں۔

قطعہ تاریخ فکر کردہ شفیق

جس کا آغاز ہو صلاحِ دین — اُس کا انجام بھی ہے نیک انجام

جس کا مخلوق پر ہو جود و کرم — وہ ہے خالق سے واجب الانعام

اللہ اللہ جس فقیری پر — فخر کرتا ہو بانیٔ اسلام

تکملہ کر کے اس فقیری کا — لے لیا حق سے دائمی آرام

لعل شاہ باز کے تقرب میں — رازِ سربستہ بن گیا پیغام

تجھ کو معراجِ فقر حاصل ہے — فیض پاتے رہیں گے خاص و عام

رازِ مرشد شفیقؔ لکھ دیجے

محرمِ ذالجلالِ والاکرام

۱۳۸۳ھ

قطعہ تاریخ فکر کردہ پروفیسر علامہ حامد حسن قادری

خلیفہ حضرت پیر جماعت علی شاہ خلد اللہ مرقدہٗ

پاک شمائل مولانا مولوی صلاح الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۸۳ — ۱۳ھ

ہیں یہ ہی مولوی صلاح الدین — خواب راحت میں اپنی تربت میں

زندگی میں تھے کس قدر با فیض — وقف خلق خدا کی خدمت میں

عالم و زاہد و خدا آگاہ — نیک خصلت ہیں پاک سیرت ہیں
کس قدر ابرِ جود و بحرِ کرم — کس قدر باکمال رافت میں
پائیں فضلِ خدائے برتر سے — جائے اعلیٰ جوارِ رحمت میں

قادری نے لکھا یہ سالِ وفات
ہیں یہ قربِ شفیعِ امت میں
۱۳۸۳ھ

بعد کے حالات

حضرت قبلہ کے چہلم کے لئے ایک واضح اور جامع لائحہ عمل مرتب کیا گیا اور بذریعہ اخبارات عوام کی سہولیت اور شرکت کے لئے عام اعلان کر کے باقاعدہ انتظامات کئے گئے جن میں تمام برادرانِ طریقت و عقیدتمندان نے پرجوش عقیدت کے ساتھ عملی اقدامات کئے کیونکہ یہ ہی وہ ابتدائی تقریب تھی جس کی بنا پر دیگر تقاریب ایصالِ ثواب کو مستقبل میں انجام دیکر کامیاب تر بنانا مقصود تھا تو بحمد اللہ حضرت قبلہ کا چہلم وہ تاریخی شایانِ شان کے عینِ مطابق انجام پذیر ہوا جس کا خلاصہ مگر باختصار درج ذیل ہے۔

بتاریخ ۷، اگست ۱۹۶۳ء بروز ہفتہ تقریبِ چہلم بغرضِ ایصالِ ثواب منعقد ہوئی جس میں حیدرآباد کراچی اور مضافاتِ سندھ و پنجاب بہ کثیر تعداد معتقدین نے شرکت کی۔ بعد نمازِ مغرب چادر و تبرکات وغیرہ نذر و نیاز کا سلسلہ مزارِ مقدس پر جاری رہا۔ اور بعد نمازِ عشاء لنگر (ماحضر) و چائے وافر مقدار میں شرکاء تقریب کی خدمت میں نہایت خوش اسلوبی سے پیش کیا گیا اور فوراً بعد ہی نہایت معقول طریقہ سے ایک محفلِ میلاد شریف منعقد ہوئی جس میں الحاج سید یوسف علی صاحب نے مدلل اور مفصل بیان کرتے ہوئے ختم بہ مناقبِ حضرت قبلہ کیا۔ صلوٰۃ و سلام پڑھا گیا۔ مگر حاضرین میں سے بالخصوص الحاج عبدالحکیم شاہ و حضرت عبداللہ شاہ نے احقر سے اصرار کیا کہ مختلف گوشہ ہائے زندگی حضرت قبلہ کے واضح کئے جائیں چنانچہ تعمیل ارشاد میں جستہ جستہ حالات و مناقب حضرت قبلہ کی حیات مقدسہ کے حسبِ توفیق بیان کئے جس کا اثر مجمع پر شدید رقت و گریہ وزاری کی حالت میں نمودار ہوا اور مندرجہ ذیل منقبت احقر نے جب پیش کی تو مزید شدت اختیار کر گئی۔ وہ وقت خاص مقبولیت کا تھا چنانچہ ہر شخص اپنے اپنے گوہر ہائے اشک اپنے اپنے دامنوں میں لیکر مزارِ مقدس کے چاروں طرف پروانہ وار نثار ہونے لگا اور جب حالت

مزید بے اختیاری کی شکل میں نمودار ہوئی تو چند مقدس ہستیوں نے حاضرین کو تالیفِ قلوب کی تلقین کرتے ہوئے حضرت قبلہ کی یاد میں زار و قطار روتے ہوئے استغراقی کیفیات پیدا کرنے کی کوشش کی جس کا اثر دعاؤں کی شکل میں منتقل ہو گیا اور اب ایسا معلوم ہونے لگا کہ حضرت قبلہ بہ نفسِ نفیس موجود ہیں تو کچھ سکونِ قلبی ہر شخص نے محسوس کیا۔ بالآخر حاجی صاحب نے دعا کے لئے سب کو رجوع کیا اور محفل اختتام پذیر ہوئی۔ چائے و تبرک تقسیم کیا گیا۔ اور تقریباً دو بجے رات کو حاضرین نے وضو کر کے تہجد ادا کی بعدہٗ اوراد و ذکر کی محفل بھی مزار پر ہی منعقد کی گئی جو قبل از نماز فجر حسب دستور سابقہ ختم کی گئی۔

کھلا ہے آج میخانہ صلاح الدینؒ بابا کا — پیو بھر بھر کے پیمانہ صلاح الدینؒ بابا کا
ہزاروں شمعیں خود قربان ہوتی ہیں سرِ محفل — جہاں آتا ہے پروانہ صلاح الدینؒ بابا کا
مآلِ بیخودی دراصل ہے آغازِ درویشی — یہ تھا کردار جانانہ صلاح الدینؒ بابا کا
شرابِ معرفت پینا مگر ہشیار ہو جانا — یہ ہے اندازِ رندانہ صلاح الدینؒ بابا کا
کوئی دے یا نہ دے لیکن صلاح الدینؒ دیتے ہیں — کہ ہے بحرِ کریمانہ صلاح الدینؒ بابا کا
یہاں کے صرف پانی سے مریضوں نے شفا پائی — انوکھا ہے شفا خانہ صلاح الدینؒ بابا کا
لٹا کر دولتِ دنیا حیاتِ دائمی لوٹی — کھلا رازِ فقیرانہ صلاح الدینؒ بابا کا
مجددؒ کی ادا پائی قلندرؒ سے جلا پائی — یہی ہے سرِّ میخانہ صلاح الدینؒ بابا کا
یہ اندازِ جنوں کہئے کہ معراجِ محبت ہے — مجھے کہتے ہیں دیوانہ صلاح الدینؒ بابا کا

شفیق اپنا مقدر ہے نظر آنے لگا مجھ کو
جمالِ بے حجابانہ صلاح الدینؒ بابا کا

۱۷ اگست ۱۹۶۳ء

مزارِ مقدس پر نمازِ فجر کے بعد ہی وابستگان نے الوداعی حاضری دیکر صلوٰۃ و سلام منظوم انداز میں بحالتِ رقت پیش کیا اور عبداللہ شاہ صاحب نے ناشتہ و چائے کا انتظام کر ہی لیا تھا تو ان کے کمرہ میں سب حضرات پہنچے اور بعد چائے کے مستقبل کے پروگرام پر ایک مجلسِ شوریٰ کا قیام بھی ہوا جس کی صدارت الحاج عبدالرحمٰن نے کی اور طے پایا کہ آج کے نقوش پر ہی جملہ انتظاماتِ عرس اول مرتب کئے جائیں گے تاکہ حضرت قبلہ کی ذاتِ بابرکات کے مطابق عین شایانِ شان عرس اول ہو سکے الحمدللہ الحمدللہ عرسِ اول جس شان و شوکت اور متحدہ شکل میں تمام برادرانِ طریقت کی مشترکہ جدوجہد سے انجام پذیر ہوا وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر بعد ازاں یہ ہی اجتماعی جذبہ نامعلوم

وجوہ کی بنا پر انفرادی اور اختراعی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اللہ رحم فرمائے اور صاحبان حل وعقد کو چشمِ بصیرت عطا فرمائے تاکہ حضرت قبلہ کا وہ مقام ارفع و اعلیٰ جو اپنی حیات میں حاصل ہوا تھا ارتقائی منازل میں ہی دائم و قائم رہ سکے۔ آمین ثم آمین

وصال کے دوسرے سال ہی عزیزی سعید الدین صدیقی سلمہٗ نے صرف کثیر سے سنگِ مرمر کا مزار معہ جالیوں کے تیار کرا کر نذر کیا۔ مگر مزید تعمیر چند حضرات نے روک دی۔ احقر نے بھی علاوہ لوحِ مزار کے مزید خدمت کی خواہش کی تو طرح طرح سے قدغن لگا دیئے گئے اور عزیزی اصغر میاں سلمہٗ نے تجدید و تعمیر مسجد کے لیئے اقدام کیا تو نہایت سنگدلی کے ساتھ حوصلہ شکنی کی گئی۔ جس کا نتیجہ آج سات سال کے بعد ظاہر ہے کہ جس رفیع الدرجات نے حضرت قبلہ کو زندگی میں وہ مقام بلند عطا فرمایا تھا اس کا نعم البدل دنیا والوں نے کیا دیا ہے۔ یہ مقامِ افسوس ہی نہیں ہے بلکہ اس روحِ مقدس کی تکلیف دہی کے مختلف پہلو بیش کئے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے انگشت نمائی بھی ہو اور موجودہ جاں نثاروں کو ذلت آمیز شکار بنایا جائے۔ مگر یہ واضح رہے کہ وہ مقدس ہستی اپنی حیات میں جن حالات سے گریز و پرہیز کرتا تھا اور اس کے جمال و جلال سے لوگ کانپتے تھے تو آج اُس کو عدم نہ سمجھو بلکہ **موجود بہ حقیقت** سمجھو اور ڈرو اُس وقت سے کہ قہر و عذاب نازل ہو۔ اور دوسروں کو رسوا کرنے سے قبل ہی دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار نہ ہو جاؤ۔ یہی میری آخری خواہش و تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازے کہ ہم لوگوں کو صلاح الدین کی صلاحیت پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دنیا چند روزہ ہے اور کسی بزرگ محترم جو مغلوب الحال ہو کر بھی متشرع حیثیت میں زندگی بھر رہا ہو بعد وصال خدارا اُس کو رسوا نہ کرو۔ اللہ ہم سب پر رحم فرمائے کیونکہ

"اُس کی ہستی عدم نہیں ہوتی — جو فنا سے بقا میں آتا ہے"

شفیق

آغاز میں چند حضرات نے تبلیغی حیثیت میں حضرت قبلہ کے مناقب شائع کرا کے عوام میں عرس کے موقعوں پر تقسیم کئے جن سے خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور لوگوں نے اُن کتابچوں کے ذریعہ استفادہ اور حضرت قبلہ سے روحانی اکتساب حاصل کیا۔ مگر عظیم تر خدمت تو برادرم محمد ابراہیم خانصاحب روزِ اول سے تا ہنوز انجام دیتے رہتے ہیں۔ یعنی ایام عرس میں کافی کھانا لنگر کا جو ہزاروں زائرین کے لیئے تبرک غیر منقسمہ ہوتا ہے اپنے ذاتی انتظام و سرمایہ سے تقسیم کراتے ہیں۔ اس جیسا ہی انتظام الحاج عبدالرحمان صاحب بھی کرتے ہیں۔ اللہ ان حضرات کے دین و دنیا میں روز افزوں ترقی عطا فرمائے آمین

ہر سال عُرس کے موقع پر الحاج عبدالحکیم شاہ صاحب خانقاہ کالاپل سے بہمراہی دیگر حضرات شرکت کے لئے حاضری دیتے ہیں۔ اپنے چائے ولنگر وغیرہ کا انتظام خود ہی کرتے ہیں۔ اور نذر و نیاز بھی خود ہی پیش کرتے ہیں۔ مگر چونکہ آپ کا حلقۂ اثر وارادت کافی وسیع ہے اور لوگوں کے قیام کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے تو ایک شب سماع میں شریک رہکر واپس آجاتے ہیں۔

کیا کیا انتظامات دیگر حضرات انفرادی طور پر کرتے ہیں نہ معلوم ہو سکے۔ مگر افسوس ہے کہ اجتماعی شکل کی بجائے انفرادی حیثیت میں سب کام چل رہے ہیں۔ جن کو صرف ایک ہنگامی تقریب تو کہا جاسکتا ہے مگر شایانِ شان حضرت قبلہ کے ہرگز نہیں کہا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اربابِ حل وعقد اور منتظمینِ خود ساختہ کو چشمِ بصیرت و توفیقِ عبرت عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

اور اگر یہی لیل و نہار قائم رہے تو جس طرح الحاج عبدالحکیم شاہ صاحب جن کو حضرت قبلہ نے بدرجہ اتم اعزاز و اکرام سے نوازتے ہوئے اپنی حیات میں ہی موزوں و مناسب مقام عطا فرمادیا تھا اور خانقاہ کالاپل کا مکمل مجاز قرار دیا تھا تو کیا درگاہ شریف حضرت قبلہ کی کچھ کم رونق افزا اسی بزرگ ہستی کے دم سے نہیں ہو سکتی تھی ؟ میں نہایت ذمہ داری اور وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر حاجی صاحب کو تمام اموراتِ درگاہ شریف سے متعلق اور مجاز کیا گیا ہوتا تو جو ارتقائی حیثیت خانقاہ کالاپل کی اب تک ہوسکی ہے ہزار گنا زیادہ بہتر انصرام و انتظام درگاہ شریف کا بھی ہو سکتا تھا۔ مگر الحاج عبدالحکیم شاہ صاحب تو اہل غنا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ از خود کوئی اقدام مناسب خیال نہیں کرتے اور مختلف مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ وہ کشیدہ کشیدہ اور کبیدہ کبیدہ دم بخود نظر آئے تو ہم نے بھی خیال کیا کہ یہی دنیا ہے جس پر للچائی نگاہیں سب ڈالتے ہیں تو ہمارا بھی اجتناب ہی مناسب ہے الحمد للہ الحمد للہ۔

"دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے"

لیکن یہ امر مشاہدہ میں آیا ہے کہ امراء و وزرا اور بادشاہوں کے مقبرے ویران پڑے ہوتے ہیں۔ اور کس مپرسی کی حالت میں نظر آتے ہیں۔ لیکن مساجد اور فقراء کے مقبرے نہایت بارونق اور آباد ہوتے ہیں اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ امراء۔ وزرا اور بادشاہوں کو دنیا طلبی مقصود و محبوب ہوتی ہے اس لئے جب تک دنیا میں رہے انہوں نے دنیا کا اور دنیا نے اُن کا ساتھ دیا۔ مگر جب دنیا کو چھوڑا تو دنیا نے بھی ان کو چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ حیّ قیّوم ہے ہمیشہ تھا اور ہمیشہ رہے گا جس کا تعلق اس کے ساتھ ہے وہ بھی ہمیشہ رہیگا تو جب مساجد اور فقراء کا تعلق بھی اللہ کے ہی ساتھ ہے تو ظاہر ہے کہ وہاں زندگی ہے اور دنیا داروں کی قبروں پر مُردنی ہے۔ اس لئے درخواست

اور تمنا ہے کہ حضرت قبلہؒ کے مزارِ مقدس پر بھی زندگی ہوتے ہوئے عقیدت مندوں کو بھی اس زندگی کا صدقہ حاصل کرنے کا موقعہ فراہم کرنے کے اسباب پیدا کئے جائیں یعنی زائرین کے قیام و طعام کے وہ اسباب و علل پیدا ہوں جو اسلاف سے وراثتاً ملتے چلے آئے ہیں کہ حضرت قبلہ کی روحِ مقدس سے وہ وہ کمالات و مشاہدات منظرِ عام پر آئیں کہ دنیا انگشت بدنداں ہو کر رہ جائے گی۔ انشاء اللہ دریائے فیوض و اکرام کے وہ چشمے عوام الناس کے لئے جاری ہوں گے کہ جن سے روحانی افزائش یقینی ہے مگر

فاعتبروا یا اولی الابصار

سمجھنے کی بات تو یہی ہے کہ اہلِ دنیا مردہ ہیں اور اہل اللہ زندہ ہیں۔ پس یہ ہی منشور اگر روبکار لا یا جائے تو دنیا و آخرت سنور جائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

احقر العباد
خاکِ پائے اولیا
شفیق احمد قریشی

۲۶ر اپریل سنہ ۱۹۷۰ء مطابق ۱۹ر صفر المظفر سنہ ۱۳۹۰ھ بروز اتوار یعنی یکشنبہ

ترتیب ذکر و عبادات

آگرہ میں حضرت قبلہ مسجد کچہری گھاٹ کے حجرہ میں بعد نمازِ تہجد محفلِ ذکر جمالی و جلالی اپنی سرپرستی میں نہایت محدود طریقہ سے ترتیب دیتے۔ حاضرین میں عموماً وابستگان مندرجہ ذیل شرکت فرماتے

۱۔ بالو بھائی زین خانہ والے (کمانڈنگ) جو خوش الحان بھی تھے اور نقیب الاذکار کی حیثیت میں آغازِ ذکر کیا کرتے تھے (۲) سیٹھ الحاج حیدر بخش صاحب (۳) جناب عظیم خاں صاحب (۴) سید آصف علی صاحب (۵) مولوی ولی الرحمٰن صاحب (۶) حافظ شکور صاحب (۷) الحاج سید یوسف علی صاحب (۸) الحاج عبد الحکیم شاہ صاحب (۹) ماسٹر محمد اسحاق علی صاحب اور احقر۔

محفلِ ذکر میں عجیب سماں قائم ہو جاتا۔ لوگوں کو رقّت و وجد کی کیفیات میں مصروف پایا گیا ختم ذکر کے فوراً بعد تلاوتِ قرآن مجید میں کم از کم ایک رکوع نہایت استغراقی حالت میں پڑھا جاتا اور جستہ جستہ ضرورتاً حضرت قبلہ تفسیر بیان فرماتے رہتے۔ بعدہٗ اسی سلسلہ میں احادیث نبوی کے حوالے بھی دیتے اور مزید ذائقہ پیدا کرنے کے لئے بزرگانِ دین کے حالات بھی تمثیلاً بیان فرما دیتے تاکہ نفس کلام

الٰہی خوش آیند و خوش آثار بنکر محفوظ بہ ذہن و قلب ہوسکے ۔ الغرض ایسی مختصر صحبت چند گھنٹوں کی وہ کیف آور اور سرور آگیں ہوتی تھی کہ ہفتوں تعلیمی و تدریسی پہلو گفتگو کے لئے محور بن جاتے ۔ اللہ واحد وشاہد ہے کہ انہی صحبتوں کے تصرفات کا صدقہ ہے کہ دل و دماغ آج بھی روشن و منوّر ہیں ۔

حضرت قبلہؒ کا مذکورہ بالاسلسلۂ ترتیبِ محافلِ ذکر تا قیام آگرہ قائم رہا بلکہ اس قدر توسیع بھی ہوگئی تھی کہ لیبا اوقات یہی سلسلہ درگاہ شاہ رفیعؒ ۔ قاضی لعمانؒ ۔ سید جلال بخاریؒ اور قدم شریف لودلہیں بھی قائم ہو جاتا اور ان مقاماتِ مقدسہ کے اہالیان بھی شریکِ محفل ہو کر فیضیاب ہوتے رہے ۔

کراچی تشریف لانے پر حضرت قبلہ نے یہی سلسلہ ریاضات وعبادات کا ریلوے کوارٹروں میں ۔ درگاہ پیر بخاری متصل جناح ہسپتال میں اور خانقاہ کالاپل میں اسی شدّ و مد اور ذوق وشوق سے قائم کر دیا ۔ لیکن یہاں تو سلسلہ اس درجہ عروج پر پہنچا کہ پچاس پچاس وابستگان حضرت قبلہ شریک محفل ہونا اپنی سعادت وفضیلت سمجھنے لگے ۔ لیبا اوقات توکوٹھی ۔ بنگلے اور موٹر کار والے خواہ تجار ہوں یا حکامِ وقت ہوں نصف شب سے آکر حضرت قبلہ کی اس محفلِ ذکر میں شرکت کرتے اور اپنے دینی و دنیوی مقاصد میں کامیاب ہو کر انتہائی ذوق وشوق سے حضرت قبلہ کے ارشادات وملفوظات پر عمل پیرا نظر آنے لگے ۔ اُن چند حضرات خصوصی کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں :۔

۱۔ مولوی عبداللہ شاہ خطیب مسجد ریلوے کوارٹر کالاپل کراچی (۲) سید امیر علی عرف مُنّا خاں (۳) حمید اللہ شریف (۴) حشمت اللہ گوالیاری (۵) محمد عظیم خاں (۶) مقبول حسین (۷) سید آصف علی (۸) عثمان لالہ (۹) ابراہیم خاں (۱۰) سیٹھ رحمت اللہ (۱۱) سیٹھ احمد بھائی (۱۲) گرائیں (۱۳) سیٹھ الحاج آدم چشمہ والے (۱۴) سردار خاں (۱۵) نظام الدین (۱۶) حافظ شکور (۱۷) خوشی محمد (۱۸) مجید دھولپوری مرحوم (۱۹) عبدالرحمان بمبئی والا (۲۰) مفتی صاحب ریاست جاورہ (۲۱) شریف کمپنی (۲۲) ماسٹر محمد اسحٰق علی جبلپوری وغیرہ وغیرہ

شب کو کئی کئی دور چائے نوشی کے ہو جاتے اور حضرت قبلہ سالفہ حسین انداز میں وہ وہ موشگافیاں تصوف کی اور حالاتِ حاضرہ پہ فرماتے کہ لوگ حیران و ششدر ہو کر اپنی اپنی اصلاح پر مائل نظر آتے ۔ اسی خانقاہ میں صبح سے شام تک حاجتمندوں کے غول کے غول آتے اور اپنی اپنی مرادیں پاکر کامران وفیضیاب جاتے ۔ مریضوں کی پانی کی بھری ہوئی بوتلیں سینکڑوں کی تعداد میں حضرت دم کرتے اور مریضوں کو شفائے مطلق نصیب ہوتی چنانچہ اسی قسم کے چوبیس گھنٹے تصرفات جاری اور ساری رہے مگر جب حضرت قبلہ نے اپنا قیام مستقلاً حیدر آباد اختیار کر لیا تو خانقاہ کالاپل کو الحاج عبدالحکیم شاہ کے سپرد کر دیا اور وہی فیوض وبرکات ۔ ریاضات وعبادات اسی نہج سے آپ نے قائم کر دیئے اور اپنے پیرو مرشد کے نقش قدم پر

اور تمنا ہے کہ حضرت قبلہؒ کے مزارِ مقدس پر بھی زندگی ہوتے ہوئے عقیدت مندوں کو بھی اس زندگی کا صدقہ حاصل کرنے کا موقعہ فراہم کرنے کے اسباب پیدا کئے جائیں یعنی زائرین کے قیام و طعام کے وہ اسباب و علل پیدا ہوں جو اسلاف سے وراثتاً ملتے چلے آئے ہیں کہ حضرت قبلہ کی روحِ مقدس سے وہ وہ کمالات و مشاہدات منظرِ عام پر آئیں کہ دنیا انگشت بدنداں ہو کر رہ جائے گی۔ انشاء اللہ دریائے فیوض و اکرام کے وہ چشمے عوام الناس کے لئے جاری ہوں گے کہ جن سے روحانی افزائش یقینی ہے مگر

فَاعْتَبِرُوا يَا اُولِی الْاَبْصَار

سمجھنے کی بات تو یہی ہے کہ اہلِ دنیا مردہ ہیں اور اہل اللہ زندہ ہیں۔ پس یہ ہی منشور اگر روبکار لایا جائے تو دنیا و آخرت سنور جائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

احقر العباد
خاکِ پائے اولیا
شفیق احمد قریشی

۲۶ر اپریل ۱۹۷۰ء مطابق ۱۹ر صفر المظفر ۱۳۹۰ھ بروز اتوار یعنی یکشنبہ

ترتیب ذکر و عبادات

آگرہ میں حضرت قبلہ مسجد کچہری گھاٹ کے حجرہ میں بعد نماز تہجد محفلِ ذکر جمالی و جلالی اپنی سرپرستی میں نہایت محدود طریقہ سے ترتیب دیتے۔ حاضرین میں عموماً وابستگان مندرجہ ذیل شرکت فرماتے
۱۔ بالو بھائی زین خانہ والے (کمانڈنگ) جو خوش الحان بھی تھے اور نقیب الاذکار کی حیثیت میں آغازِ ذکر کیا کرتے تھے (۲) سیٹھ الحاج حید بخش صاحب (۳) جناب عظیم خاں صاحب (۴) سید آصف علی صاحب (۵) مولوی ولی الرحمٰن صاحب (۶) حافظ شکور صاحب (۷) الحاج سید یوسف علی صاحب (۸) الحاج عبد الحکیم شاہ صاحب (۹) ماسٹر محمد اسحاق علی صاحب اور احقر۔
محفلِ ذکر میں عجب سماں قائم ہو جاتا۔ لوگوں کو رقت و وجد کی کیفیات میں مصروف پایا گیا ختم ذکر کے فوراً بعد تلاوتِ قرآن مجید میں کم از کم ایک رکوع نہایت استغراقی حالت میں پڑھا جاتا اور جستہ جستہ ضرورتاً حضرت قبلہ تفسیر بیان فرماتے رہتے۔ بعدہٗ اسی سلسلہ میں احادیث نبوی کے حوالے بھی دیتے اور مزید ذائقہ پیدا کرنے کے لئے بزرگانِ دین کے حالات بھی تمثیلاً بیان فرما دیتے تاکہ نفسِ کلام

الٰہی خوش آیند و خوش آثار بنکر محفوظ بہ ذہن و قلب ہو سکے۔ الغرض ایسی مختصر صحبت چند گھنٹوں کی وہ کیف آور اور سرور آگیں ہوتی تھی کہ ہفتوں تعلیمی و تدریسی پہلو گفتگو کے لئے محور بن جاتے۔ اللہ واحد وشاہد ہے کہ انہی صحبتوں کے تصرفات کا صدقہ ہے کہ دل و دماغ آج بھی روشن و منور ہیں۔

حضرت قبلہؒ کا مذکورہ بالا سلسلۂ ترتیبِ محافلِ ذکر تا قیام آگرہ قائم رہا بلکہ اس قدر توسیع بھی ہوگئی تھی کہ لبسا اوقات یہی سلسلہ درگاہ شاہ رفیعؒ۔ قاضی لعمانؒ۔ سید جلال بخاریؒ اور قدم شریف بود لہ میں بھی قائم ہو جاتا اور ان مقاماتِ مقدسہ کے اہالیان بھی شریکِ محفل ہو کر فیضیاب ہوتے رہے۔

کراچی تشریف لانے پر حضرت قبلہ نے یہی سلسلہ ریاضات و عبادات کا ریلوے کوارٹروں میں۔ درگاہ پیر بخاری متصل جناح ہسپتال میں اور خانقاہ کالاپل میں اسی شدّ و مد اور ذوق و شوق سے قائم کر دیا۔ لیکن یہاں تو سلسلہ اس درجہ عروج پر پہنچا کہ پچاس پچاس وابستگان حضرت قبلہ شریک محفل ہونا اپنی سعادت و فضیلت سمجھنے لگے۔ لبسا اوقات تو کوٹھی۔ بنگلے اور موٹر کار والے خواہ تجار ہوں یا حکام وقت ہوں نصف شب سے آکر حضرت قبلہ کی اس محفلِ ذکر میں شرکت کرتے اور اپنے دینی و دنیوی مقاصد میں کامیاب ہو کر انتہائی ذوق و شوق سے حضرت قبلہ کے ارشادات و ملفوظات پر عمل پیرا نظر آنے لگے۔ اُن چند حضرات خصوصی کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:۔

۱۔ مولوی عبد اللہ شاہ خطیب مسجد ریلوے کوارٹر کالاپل کراچی (۲) سید امیر علی عرف مُنّا خاں (۳) حمید اللہ شریف (۴) حشمت اللہ گوالیاری (۵) محمد عظیم خاں (۶) مقبول حسین (۷) سید آصف علی (۸) عثمان لالہ (۹) ابراہیم خاں (۱۰) سیٹھ رحمت اللہ (۱۱) سیٹھ احمد بھائی (۱۲) گمرائیں (۱۳) سیٹھ الحاج آدم چشمہ والے (۱۴) سردار خاں (۱۵) نظام الدین (۱۶) حافظ شکور (۱۷) خوشی محمد (۱۸) مجید دھولپوری مرحوم (۱۹) عبد الرحمان بمبئی والا (۲۰) مفتی صاحب ریاست جاورہ (۲۱) شریف کمپنی (۲۲) ماسٹر محمد اسحٰق علی جبلپوری وغیرہ وغیرہ

شب کو کئی کئی دور چائے نوشی کے ہو جاتے اور حضرت قبلہ سابقہ حسین انداز میں وہ وہ موشگافیاں تصوف کی اور حالاتِ حاضرہ پر فرماتے کہ لوگ حیران و ششدر ہو کر اپنی اپنی اصلاح پر مائل نظر آتے۔ اسی خانقاہ میں صبح سے شام تک حاجتمندوں کے غول کے غول آتے اور اپنی اپنی مرادیں پا کر کامران و فیضیاب جاتے۔ مریضوں کی پانی کی بھری ہوئی بوتلیں سینکڑوں کی تعداد میں حضرت دم کرتے اور مریضوں کو شفائے مطلق نصیب ہوتی چنانچہ اسی قسم کے چوبیس گھنٹے تصرفات جاری اور ساری رہے مگر جب حضرت قبلہ نے اپنا قیام مستقلاً حیدر آباد اختیار کر لیا تو خانقاہ کالاپل کو الحاج عبد الحکیم شاہ کے سپرد کر دیا اور وہی فیوض و برکات۔ ریاضات و عبادات اسی نہج سے آپ نے قائم کر دیئے اور اپنے پیر و مرشد کے نقش قدم پر

آج تک چل رہے ہیں۔ جب آپ نے اپنا قیام حسین بخش عرف حسینی بھڑ بھونجہ کی جھونپڑی میں اختیار کیا تو عوامی اجتماع غیر ممکن سا ہو گیا۔ مگر آپ نے عبدالوہابؒ کی درگاہ کے صحن اور بغیچی میں اپنی نشست قائم کر دی اور شکیو وہی محفلِ ذکر و فکر منعقد ہونے لگی۔ وقتاً فوقتاً عالیجناب مرتضیٰ خاں صاحب ٹھیکیدار کے دولت خانہ پر یا چند روز کے لئے شوز مارکیٹ کی چھت پر الحاج عبدالرحمٰن صاحب کے کمرہ میں اسی قسم کی نشستیں حضرت قبلہ کی سرپرستی میں قائم ہونے لگیں۔ جن میں حضرات ذیل لازماً شرکت کرتے ہوئے پائے گئے۔

۱۔ انصاری صاحب منیجر سنگر مشین کمپنی حیدرآباد (۲) یٰسین خان صاحب منیجر یف مشین کمپنی حیدرآباد ۳۔ مرتضیٰ خاں صاحب ٹھیکیدار (۴) الحاج عبدالرحمٰن صاحب صدر شو مارکیٹ حیدرآباد (۵) مولوی عبداللہ صاحب (۶) عفوری حسینی بھڑ بھونجہ و دیگر مقامی و غیر مقامی وابستگان حضرت قبلہ وغیرہ وغیرہ چند سالوں تک تو یہی سلسلہ قائم رہا مگر بعدہٗ آپ نے ہفتوں سفر میں یا مقاماتِ مقدسہ پر قیام اختیار فرمایا تو یہ سلسلہ دیگر حضرات سے جاری نہ رہ سکا اور آپ کی عدم موجودگی سے لوگوں میں انہماک یا کشش باقی نہ رہ سکی۔

آج اس قدر اطلاعاً ضرور اظہار خیال مناسب ہے کہ جس جلیل القدر صاحب کمال بزرگ کا مزار مقدس ایسے وسیع و عریض اراضی پر قائم ہے تو خانقاہ سے محروم ہی نہیں ہے بلکہ کوئی قیامگاہ زائرین کے لئے گذشتہ سات سال کی مدت مدیدہ میں تعمیر نہیں ہو سکی ہے۔ اللہ توفیق عطا فرمائے کہ ذمہ داران حضرات اس شدید ضرورت کی طرف متوجہ ہو کر ثوابِ دارین کے مستحق ہو سکیں۔ آمین ثم آمین

احقر شفیق احمد قریشی

تاریخ تکمیلہ ۲۷ اپریل ۱۹۷۰ء مطابق ۲۰ صفر المظفر ۱۳۹۰ھ بروز پیر (دوشنبہ)

مضرابِ تصوّف

شریعت دیکھنا ہے دیکھ اقوالِ محمدؐ کو طریقت چاہتا ہے دیکھ افعالِ محمدؐ کو
حقیقت دیکھنی ہے دیکھ احوالِ محمدؐ کو جو چاہے معرفت تو دیکھ اشکالِ محمدؐ کو

زمین و آسماں کے خود بخود اٹھ جائینگے پردے
حجاباتِ محمدؐ میں نظر آجائیں گے جلوے

اگرچہ میمِ اوّل تو محمدؐ کا جدا کر دے تعلق ۔ کاش لفظ حمد سے اللہ کا کر دے
یہ ہی اسمِ مقدس واصلِ حمدِ خدا کر دے تو پھر تو گنبدِ خضرا کو بھی عرشِ عُلا کر دے

ترا ذوقِ نظر پھر شمعِ راہ معرفت ہوگا
ترا ہر فعل مقبولِ جنابِ احدیت ہوگا

اگر پرواز تیری ماورائے ہر دو عالم ہو — میسّر کاش تجھ کو منزلِ تخلیقِ آدم ہو
شہودِ اصل کے ہاتھوں سے تیرا خیر مقدم ہو — وجودِ بے ثباتی برزخِ کبریٰ میں قائم ہو

ترا اوّل ترا آخر ترا ظاہر ترا باطن
وجودِ کائناتِ دہر کا بن جائے گا ضامن

کمالِ عبدیت ہی گر ترا مقصود ہو جائے — تو معبودِ حقیقی پھر ترا معبود ہو جائے
تری تخلیق ہی خالق میں گر مفقود ہو جائے — عدم کی منزلوں میں بھی وہی موجود ہو جائے

تیری حدِّ نظر کے سامنے اِک دوسری حد ہے
اِدھر خوئے محمدؐ ہے اُدھر روئے محمدؐ ہے

یہاں حسنِ نظر یا ظرفِ دل بس کام آتا ہے — اسی عالم میں بس آغازِ نیک انجام آتا ہے
یہاں ساقی نہیں آتا ہے لیکن جام آتا ہے — خوشا قسمت کہ وصلِ یار کا پیغام آتا ہے

صفات و ذات کا یہ وہ مقامِ عشق ہوتا ہے
جہاں خود مانگنے والا اثاثُ البیت کھوتا ہے

شفیق اپنی حقیقت در حقیقت محورِ جاناں — بڑی بات اور چھوٹا منہ اگر ہو دعویٰ عرفاں
جزاک اللہ منور ہو رہی ہے محفلِ امکاں — صلاح الدینؒ کے صدقے صلاح الدینؒ پر قرباں

کہ جس نے دامنِ صدق و صفا ڈالا مرے دل پر
سفینہ میری قسمت کا بھی لگ جائیگا ساحل پر

نوٹ :۔ مندرجہ بالا نظم کو عزیزی مولانا عاقل اکبر آبادی نے زیب رسالہ فیضان کر کے حضرت قبلہ کی خدمت میں بطور خاص پیش کیا تو آپ نے مصرعہ

"اِدھر خوئے محمدؐ ہے اُدھر روئے محمدؐ ہے"

کو بحالتِ جذب بار بار دہراتے ہوئے دعائے خیر سے یاد فرمایا۔

گہرہائے رنگین

بزبان آنریبل جسٹس نورالعارفین عدالت العالیہ سندھ و بلوچستان مغربی پاکستان

ایک عرصہ دراز سے متمنّی و کوشاں تھا کہ مکرّمی و محترمی فضیلت مآب جسٹس نورالعارفین صاحب سے دربارہ حضرت قبلہ شاہ صلاح الدینؒ کچھ قیمتی معلومات حاصل کر کے اپنی سعادت و خوش نصیبی میں اضافہ کروں کہ ساعت خوش فال سے بہرہ ور ہوا اور آنجناب سے رابطہ قائم ہونے پر حسب ذیل ارشاد ہائے گرامی سے مستفید ہوا۔

عالیجناب نورالعارفین صاحب نے میرے چند سوالات کو بغور سماعت فرماتے ہوئے استغراقی کیفیات سے ہمکنار ہو کر بیساختہ ارشاد فرمایا ــــ" حضرت قبلہ تو اس وقت بھی میرے سامنے تشریف فرما ہیں " اس جواب نے احقر کے دل و دماغ پر بھی وہی کیفیت طاری کر دی جس کا اثر یہ ہوا کہ چند لمحوں تک تو جانبین میں ایک سکوت قائم رہا اور بعد ازاں موصوف نے اپنے تاثرات و مشاہدات کو اس والہانہ انداز میں پیش کیا کہ حضرت قبلہ کا تعارف باوصاف حمیدہ بھی ہو گیا اور اس باب کا مکمل عنوان قائم کرنا پڑا۔ فرماتے ہیں۔

"مولوی صلاح الدینؒ صاحب وہ صاحب کمال بزرگ تھے کہ جن کو روحانی قوت تامّہ اس درجہ حاصل تھی کہ بہائمی خصائل و عوامل کو وجود انسانی سے خارج کر کے نہ صرف اصلاح کر سکتے تھے بلکہ ایک بلند اخلاق انسانیت و شرافت کا پیکر کامل بنانے میں کامیاب و کامران ہو جاتے تھے جس کا تجربہ و مشاہدہ مختلف نوعیتوں سے ہوا"

"قوت مکاشفہ حضرت قبلہ کی اس درجہ کمال پر معلوم ہوتی تھی کہ ہم سے کسی غلطی، کجروی یا لغزش کا احتمال ہی ممکن نہ تھا۔ لبسا اوقات جن پند و نصائح کو قرآن و احادیث کی روشنی میں ارشاد فرماتے تو قلب و ذہن میں پیوست ہی نہ ہو جاتے تھے بلکہ عزم بالجزم سے عمل پیرا ہونے کی ترغیب بھی پیدا ہوتی رہتی"

"اکثر حضرت قبلہ کرم گستری اس طرح علی الخصوص فرماتے کہ بغیر کسی اطلاع کے غریب خانہ پر

تشریف لاکر بچوں پر بتوجہ خاص نوازش کریمانہ کرتے جس میں میری ایک بچی شش سالہ کو تو اپنی آغوش میں لیکر اظہار النسیّت فرماتے رہتے ۔ غالباً یہ اسی توجۂ مخلصانہ وکرم ملتفتانہ کا اثر ہے کہ وصال کے بعد سے متواتر اس بچی کو خواب میں نظر آتے رہتے ہیں ۔ جس کا ہم پر اظہار ہوتا رہتا ہے ۔

یکے از یادداشت ایک واقعہ کا آپ نے اظہار فرمایا کہ کسی مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں حیدرآباد جانا ہوا تو آپ نے اپنے ہمراہ بچوں کو بھی لے لیا ۔ خیال تھا کہ ہم خرما وہم ثواب، یعنی حضرت قبلہ سے بھی مشرف بہ نیاز ہو جائیں گے مگر واپسی پر خیال بدل گیا اور کراچی واپس آنے کی تیاری کر لی ۔ مگر چند ہی لمحوں کے بعد " میری بچی کو مسلسل قے آنی شروع ہوگئیں ۔ ہم سب سخت پریشان ہو گئے ۔ طرح طرح سے اس کو روبہ صحت لانے کی کوشش کرتے رہے بالآخر روانگی ملتوی کر دی اور مشرف بہ نیاز ہونے کے لئے حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضری کیلئے روانہ ہوگئے تو گاڑی میں سوار ہوئے ہی تھے کہ یکایک الٹیاں بند ہوگئیں اور بچی ماشاء اللہ روبصحت ہوگئی ۔ تو ہم لوگ نہایت مطمئن ہوکر خدمت میں حاضر ہوئے مگر برجستہ حضرت قبلہ نے فرمایا " **اچھا تو بغیر ملے چلے جا رہے تھے** " اور آپ مسکرا بھی دیئے جس سے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ محادثہ لعینہٗ آپ کے مشاہدہ میں تھا ۔ بہر حال کچھ دیر حضرت قبلہ کی توجہ خاص سے بہرہ ور ہوکر باجازت واپس آگئے ۔"

اس قدر معلومات مندرجہ بالا کے بعد موصوف نے مزید یادداشت پر توجہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ " ذرا سوچنے کا اور بھولی ہوئی یادوں کو سمیٹنے کا موقعہ مل جائے تو بہتر ہے چنانچہ انتظار کو ہی عنوان بہ تحت قول حافظ شیرازی قائم کرتے ہوئے رابطہ اول کا اختتام کیا ۔

روضۂ خلد بریں خلوتِ درویشان است
مایۂ محتشمی خدمتِ درویشان است
حافظ

افسوس مزید برآں باوجود اپنی کوشش کے نہ حاصل کر سکا ۔

مناجات

اے خدا تو خالق و معبود ہے
تیرا جلوہ ہر جگہ موجود ہے

تو مکان و لامکاں سے دور ہے
گوشہ گوشہ نور سے معمور ہے

تو صفاتِ کائناتِ دھر ہے
بس تو ہی مختارِ ماہ و مہر ہے

عرش ہو کرسی ہو یا لوح و قلم
ہیں ترے واللہ محتاجِ کرم

تیرے قبضہ میں ہے جبر و اختیار
مرحبا یہ تیری شانِ کردگار

اللہ اللہ تیری ہستی راز ہے
کیا کہوں تو سوز ہے یا ساز ہے

جس کو چاہا زینتِ عالم کیا
جس کو چاہا درہم و برہم کیا

آگ سے سجدہ کرایا خاک کو
اور زمیں پر خم کیا افلاک کو

آج بھی ہیں تیری جلوہ ریزیاں
راز تو ہے اور تو ہے رازداں

صرف تو ہی خالقِ مخلوق ہے
تو حجابِ عاشق و معشوق ہے

تو محب ہے تو رخِ محبوب ہے
تو ہے طالب اور تو مطلوب ہے

جب مکمل شوقِ ایزد ہو گیا
نقطۂ اول محمدؐ ہو گیا

شوق بھی تھا صرف اپنی حمد کا
حمد پر اک میم شامل کر دیا

میم گویا اک معمہ بن گیا
رازِ عریاں ہو گیا مخلوق کا

میم سے ملتی ہے گویا معرفت
اللہ اللہ یہ کمالِ احدیت

انکشافِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد
اعترافِ حق ہے اَللّٰهُ الصَّمَد

میم ہی قلبِ احد کی جان ہے
روئے احمد کی یہی پہچان ہے

حبذا صلِّ علیٰ اے مرحبا
شغل ہے یہ بھی صفات و ذات کا

تو ہے رحمت اور محمدؐ رحمتی
اے خوشا قسمت کہ ہوں میں امتی

دامنِ رحمت مجھے درکار ہے
انتظارِ احمدؐ مختار ہے

کاش وہ غارِ حرا کا بادشاہ
دل میں آجائے وہی عالم پناہ

سر بسجدہ ریت پر مسند نشیں
ہے غمِ امت میں بھی اندوہ گیں

عرش پر دازی کرے جس کی زمیں ہے وہی علمُ الیقیں عین الیقیں
میری قسمت سے وہ مل جائے کہیں میں کہوں یا رحمۃُ اللعالمیں
سیّدِ القرآن ہو یٰسین ہیں تم نظر آئے صلاح الدّین ہیں
میری بگڑی کو بنا دیجے حضور معرفت کا دیجئے علم و شعور
کعبہ والا چاہیئے کعبہ نہیں کیجئے مستغنیِٔ دنیا و دیں
ماورائے درک تو آواز و جہت صرف مجھ کو چاہیئے للّٰہیت
تجھ کو صدّیقِ نبیؐ کا واسطہ تجھ کو فاروقِ جری کا واسطہ
تجھ کو عثمانِ غنیؓ کا واسطہ اور تجھے مولا علیؓ کا واسطہ
آج بھر اولیاء و اصفیاء اے خدا سن میری فریاد و بکا
اب شفیقِ بے نوا مشکل میں ہے تو ہی واقف ہے جو میرے دل میں ہے
دامنِ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اک سہارا بھیک کا جاتا رہا
میری فطرت فطرتِ عجز و نیاز تیری عادت عادتِ بندہ نواز
دے عروجِ عالمِ انسانیت کر عطا وہ قوتِ روحانیت

خاک میری تیری دامنگیر ہو
کاش مجھ پر التفاتِ پیر ہو

آمین

حضرت قبلہ کی مخصوص دعائیں بارگاہِ ایزدی میں

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

اے مولا ہمارے گناہوں کو بخشدے۔ غلطیوں کو معاف فرما۔ ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادتوں کو قبول فرما۔ ہماری کوتاہیوں پر نظر نہ کر اپنی کریمی و رحیمی کے صدقے سیدھی راہ دکھا۔ اسبابِ خیر پیدا کر دے۔ اسبابِ شر کو ختم کر دے۔ زندہ رکھ اسلام پر۔ موت دے ایمان پر۔ ہم سے وہ کام لے جس سے تو اور تیرا محبوب راضی ہو جائے۔ عالمِ اسلام پر رحم فرما۔ مسلمانانِ عالم پر کرم کر۔ ہم کو توفیقِ نیکی عطا فرما۔ مسلّط عذاب کو دور کر دے۔ حج بیت اللہ کی توفیق عطا فرما۔ بیماروں کو شفائے کلّیہ عطا فرما۔ سکونِ قلبی وسکونِ ذہنی عطا فرما۔ دنیوی اخروی عزّت سے سرافراز کر۔ امّتیانِ محمدیہ پر بالخصوص کرم فرما۔ روزِ محشر شرمندہ نہ کر۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ

"عکس کتاب علم و عمل مسلک قلندر"

۱۳۹۱ھ

ھو اللہ

تاریخ طبع بہ سنہ ہجری

قطعہ

از نتیجہ فکر عقیدت احقر و تصرفِ مرشدی و مولائی حضرت قبلہ شاہ صلاح الدینؒ

ہے جسمِ شریعت سے طریقت منسوب
اسباب ہوا کرتے ہیں روح مسبوب
یا شیخ زباں پر جو مری آیا شفیق
دل بولا کہ "یا سالکِ ظرف المحبوب"

۹۱ ۱۳ ھ

از نتیجہ فکر عالیجناب نگار فاروقی اکبر آبادی

سوچ رہا تھا نام تصنیف
وہ بھی برنگ کشف المحجوب
عرش اعلیٰ سے آئی آواز
"کہئے اس کو ظرف المحبوب"

۹۱ ۱۳ ھ

از نتیجۂ فکر مخدومی و مکرمی عالیجناب الحاج سید یوسف علی صاحب فضاؔ اکبر آبادی
خطیب جامع مسجد عالمگیر ناظم آباد

سمجھ میں نہ آیا نہ آئے گا ہرگز ۔۔۔ مقام و نشانِ اویسؓ اللہ اللہ
قلندر کے در سے ہوا راز افشا ۔۔۔ کہ دو امتحانِ اویسؓ اللہ اللہ
فنا ظاہری ہے بقا باطنی ہے ۔۔۔ یہ ہے آن بانِ اویسؓ اللہ اللہ
فضاؔ میرے مرشد نے حالاً بتایا ۔۔۔ ہے عرش آسمانِ اویسؓ اللہ اللہ

بہ تفصیل لکھی ہے تاریخِ بابا
"زہے ارمغانِ اویسؓ" اللہ اللہ

۹۱ ۔۔۔ ۱۳ھ

از کلکِ گہر بار مولوی سید آصف علی آصفؔ صاحب اکبر آبادی

تصنیف لاجواب اللہ اللہ
کہنے لگے سب ماشاء اللہ
تعریف اس کتاب کی آصفؔ
"ہے مظہرِ حقائق آگاہ"

۹۱ ۔۔۔ ۱۳ھ

از نتیجۂ فکر محبّی و عزیزی حضرت اکرام اکبر آبادی

طرزِ تحریرِ شفیقِ مشفق ہو گئی باعثِ تسخیرِ قلوب

ہیں یہ خاصانِ خدا کے حالات اور پھر طرزِ بیانِ اسلوب

فیض اُن کا ہی رہا شاملِ حال یہ صحیفہ ہوا جن سے منسوب

کہہ دو یہ مصرعۂ تاریخ اکرام

"بزمِ محبوب ہے ظرف المحبوب"

۱۳ ۹۱ ھ

از نتیجۂ فکر عالی جناب قاضی مولوی سید حامد علی صاحب حامد سنبھلی

صحیفۂ معرفت کا مصحفِ دل ہے
جزاک اللہ فیضِ پیر شامل ہے

یہ ہے معمورۂ رُشد و ہدایت
بحمدُ اللہ اویسیؓ شمعِ محفل ہے

بالقائے طریقت کہہ دو حامد
"صلاحِ الدینؒ کی تاریخ کامل ہے"

۱۳ ۹۱ ھ

از نتیجۂ فکر برادرم عابد حسین عابدؔ آغائی ابو العلائی اکبر آبادی

جو محب چاہتا ہے ہوتی ہے چاہ محبوب | شانِ رب ہوتی ہے مشہور بشانِ مربوب
معرفت اور حقیقت کے کھلے راز خفی | جب شریعت کو طریقت سے کیا ہے منسوب
اللہ اللہ کمالات صلاح الدینؒ | خدمتِ خلق رہی جسکو ہمیشہ مرغوب
دِل قلندر کا مجدّد کی ادا خوئے اویسؓ | اللہ اللہ ان اوصاف سے ہو کر منسوب
اس کی تاریخِ حیاتِ ابدی لکھی ہے | پڑھنے والوں کیلئے خوب ہے سالک کیلئے خوب

عابدِؔ خستہ کو جبدم ہوئی فکر تاریخ
"آئی آواز مجدّد کی ہے ظرف المحبوب"

۹۱ ۱۳ ھ

نتیجۂ فکر محترم ومکرم عالیجناب شکور احمد رعناؔ اکبر آبادی

یہ جو تالیف ہے ظرف المحبوب | کیوں اسے پڑھ کے نہ اب اُف کہیئے
اس میں شامل ہے جو اور اک شفیق | اس کی تعریف میں کیجے نہ تکلّف کہیئے
صرف ہے مرضئ معبود ہی سب کچھ ورنہ | ماسوا کے لئے بس تُف کہیئے
سال تاریخ میں کی مُلہمِ غیبی نے مدد | کہا کیسا ہے تأسّف کہیئے

آئی ہاتف کی صدا اے رعناؔ
"نسخۂ یُمن تصوّف" کہیئے

۹۱ ۱۳ ھ

قندِ فارسی

ازنتیجہ فکر آغا غلام حسین صاحب اسیر
بمعذرت حضرت شفیق اکبر آبادی

خود را چو بمینوشی نمودم منسوب
رفتم بسوئے میکدہ بودم مطلوب
دیدم ہمہ رندان بہ مینوشی بوند
گویند کہ "یا سالکِ طرف المحبوب"

ھ ۱ ۳ ۹ ۱

جناب شفیق احمد صاحب قریشی نے جن کاوشوں کا مظاہرہ کیا اور عقیدت کے لئے حضرت شاہ سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ بابا کا جو تعارف کیا ہے میرے خیال میں جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ مجھے تو حضرت شاہ صلاح الدین رح بابا کی سوانح حیات کتابت کرتے ہوئے ایسا محسوس ہوا کہ حضرت رح بتا رہے ہیں اور میں لکھ رہا ہوں۔ واقعات پر ایسا محو ہو جاتا گویا میں بذات خود وہاں موجود ہوں۔ چنانچہ اتنا مجھ پر گہرا اثر ہوا کہ میں نے فیصلہ کیا اگر حضرت شاہ سلطان صلاح الدین رح بابا مجھے روحانی طور پر اپنے مریدوں میں شامل کرلے تو

اگر نصیب شود این بود سعادت من

میں جناب شفیق احمد صاحب کو اس کارنامہ پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ علم طریقت سے مجھ جیسے ناواقف لوگ اس کتاب کے پڑھنے سے راہ راست پر آجائیں گے۔ پروردگار عالم شفیق صاحب کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

غلام حسین اسیر

تعارف خوشنویس

آغا غلام حسین اسیرؔ صوبہ سرحد "پشاور" کے مشہور و معروف فارسی گو شاعر ہیں۔ ایرانی نژاد ہونے کی وجہ سے فارسی پر مکمل عبور حاصل ہے۔ اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء میں افغانستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔

سنہ ۱۹۵۵ء میں پشاور میں شادی کی اور پشاور میں ہی فن خوشنویسی سیکھا۔ سنہ ۱۹۶۳ء میں کراچی آئے اور کتابت کو اپنا ذریعۂ معاش بنا لیا۔ سات سال روزنامہ آغاز کراچی میں خدمات انجام دیں۔ اس وقت "اسیر پرنٹنگ ایجنسی عیدگاہ بندر روڈ" انہی کی ملکیت ہے۔

حضرت قبلہ شاہ صلاح الدینؒ کی سوانح حیات کے زیادہ تر حصہ کی کتابت انہی نے کی ہے۔ حضرت قبلہ شاہ صلاح الدین کی سوانح حیات سے متأثر ہو کر غائبانہ ان کے معتقد بن گئے اور اظہار عقیدت میں دو رباعیات ایک اردو میں مسلک اویسؓ قرنی سے منسوب اور دوسری فارسی میں حضرت شاہ سلطان صلاح الدینؒ سے متعلق برجستہ کہہ کر زیب تصنیف کر دیا۔ اللہ سے دست بدعا ہوں کہ موصوف کو منقلب الحال دقال دائم دقائم رکھتے ہوئے دینی و دنیوی و اخروی دولت سے نوازتا رہے۔ آمین

شفیق احمد قریشی

از نتیجۂ فکر آغا غلام حسین صاحب اسیرؔ

آغازِ عجیب تھا آغازِ ظرف المحبوب

رازِ مرشد ہوا رازِ ظرف المحبوب

تصنیف کی تاریخ بالقائے اسیرؔ

"آوازِ اویسؓ ہے آوازِ ظرف المحبوب"

۱ ۹ ۳ ۱ ھ

قطعہ تاریخ از نتیجۂ فکر مکرمی جناب نور ایٹوی ثم کراچی

مقرب ہو اگر مملوکِ مالک — بنے کیونکر نہ مسجودِ ملائک
شعور و معرفت کا راز تھا جو — کہا عابد کسی نے اور ناسک
اسی کی زندگی کا ہے خلاصہ — کوئی سمجھا کیا مجذوب سالک

کتابِ معرفت پر دل پکارا
ہے "ملفوظِ صلاح الدین سالک"

ھ ۱ ۳ ۹ ۱

قطعہ تاریخ از نتیجۂ فکر عالیجناب الحاج سید یوسف علی صاحب فضا اکبر آبادی

سبق یہ دیا ہے مرے محترم نے — سوانح کی ہو طرزِ تحریر ایسی
نگاہِ محبت سے گر کوئی دیکھے — نظر آئے شانِ صلاحؒ اویسیؓ
جو کی فکرِ تاریخ تصنیف میں نے — تو آواز آئی تجھے فکر کیسی

فضا بے سرِ زید اس طرح کہدے
یہ ہے حسنِ سعئ شفیقِ قریشی

ھ ۱ ۳ ۹ ۱

نوٹ:۔ ز کے عدد ے تفریق کیجئے۔ ۱۳۹۸ — ۷ = ۱۳۹۱ مادۂ تاریخ ہے

برادر مکرم و معظم شفیق صاحب السلام علیکم

آپ کا حکم پا کر میں نصف شب تک مادۂ تاریخ کی تلاش میں سرگرداں رہا مگر کوئی ایسا مادہ ذہن میں نہیں آیا جو حضرت بابا صاحبؒ کی شان کے شایاں ہوتا۔ جب تھک گیا تو کاغذ قلم سرہانے رکھ کر اونگھنے لگا اور اکتا کر دل ہی دل میں کہا کہ اونھ تاریخ کہلوانی ہوگی تو خود ہی لکھوا دیں گے۔ ابھی ہلکی سی غنودگی تھی کہ مصرعۂ تاریخ ہاتھ جوڑ کر سامنے حاضر ہو گیا۔ اب بتائیے یہ میرا نتیجۂ فکر ہے یا باباؒ کا کرم خاص۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

آپ کا

صہبا

قطعہ تاریخ

تبقریب طباعت ظرف المحبوب تذکرۂ گرامی قدر حضرت قبلہ شاہ صلاح الدین بابا رحمۃ اللہ علیہ

داستاں مردِ قلندر کی ہے — جس کا عنوان ہے ظرف المحبوب

حال بھی قال بھی روشن روشن — کیف سامان ہے ظرف المحبوب

بادۂ عشق و معارف کے لئے — ظرفِ ذیشان ہے ظرف المحبوب

ہے شریعت بھی طریقت بھی یہاں — رازِ قرآن ہے ظرف المحبوب

کہئے تاریخِ طباعت صہبا

"بابِ ایمان ہے ظرف المحبوب"

۱۳۹۱ھ

نذر گزار

ابوظفر صہبا اکبرآبادی

بلحاظ سنہ عیسوی

از نتیجۂ فکر شاعرِ نازک خیال مورخِ بیمثال حضرت خواجہ محمد امیر صبا اکبرآبادی

تھے راہِ خدا میں سالکِ راہِ عمل — مولانا صلاح الدین قلندر محبوب
فیضان سے ان کے ہو گئے ہیں پُر نور — اربابِ خلوص اہلِ معنیٰ کے قلوب
تصنیف جو کی شفیق صاحب نے کتاب — عرفان و حقائق کے ہیں اسمیں اسلوب
مجھ رند سے کی ہے اسکی تاریخ طلب — واللہ یہ ہے ان کی ادا بھی کیا خوب
ارشاد کو ان کے ٹالنا ناممکن — یہ بات ہے دوستی کے حق میں معیوب
تعمیل میں کی ہے فکر میں نے لیکن — کیا جانیئے ہو پسند یا نامرغوب

تاریخ ملی ہے کیا ہی برجستہ
"حد فکرِ شفیق ظرف المحبوب"
۱ ۷ ۹ ۱ ء

از نتیجۂ فکر مولانا مولوی محمد اسمٰعیل خاں صاحب عاقل اکبرآبادی (مولوی فاضل)

تصنیف علیٰ قدر مراتب ہے خوب
اک سالکِ مجذوب سے ہو کر منسوب
ہے فیضِ قلندر متشرع عاقِل
"خلقِ دینِ متین ظرف المحبوب"
۱ ۷ ۹ ۱ ء

سنِ تکملہ کتاب

از نتیجۂ فکر شاہ عبد الغنی محسنی ابوالعلائی ضیاؔ اکبر آبادی

کہنے کو ہے مجموعۂ اسرارِ حقیقت — اس دور کی شاہکار ہے اللہ کی رحمت
تصنیف کی تکمیل میں ہاتف نے پکارا — واللہ ضیاؔ پاش ہوئی "شمعِ شریعت"

۱۳۹۰ھ

قندِ مکرر بلحاظ سنِ تکمیل

از نتیجۂ فکر مولانا مولوی محمد اسمٰعیل خاں صاحب عاقلؔ اکبر آبادی (مولوی فاضل)

جب نام انتخاب ہوا ظرف المحبوب — وجہ اکتساب ہوا ظرف المحبوب
اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھو — طورِ ارباب ہوا ظرف المحبوب
واللہ معارف کا خزینہ ہے کتاب — سرِّ بے حجاب ہوا ظرف المحبوب
فَاتَّقُوا اللہ کی تشریح بھی ہے — فخرِ الباب ہوا ظرف المحبوب

سنِ تصنیف بھی عاقلؔ نے کہا ہے خوب
"آئینۂ لاجواب ہوا ظرف المحبوب"

۱۳۹۰ھ

از نتیجۂ فکر عالیجناب ضیاء الحق صاحب ضیاؔ اکبر آبادی

خوب تھے حضرتِ صلاح الدینؒ | حق نما قدرتِ صلاح الدینؒ
سرمدی رقّتِ صلاح الدینؒ | عرش ہیں عظمتِ صلاح الدینؒ
مُبتدا صورتِ صلاح الدین | مُنتہا سیرتِ صلاح الدینؒ
نقشبندی بھی اور قلندر بھی | ہے عجب جدّتِ صلاح الدینؒ
درس گاہ صلاحیت خود تھے | خوب تھی صحبت صلاح الدینؒ
دُرِّ بحرِ امامِ ربّانی | حبّذا ثروتِ صلاح الدینؒ
حاملِ مسلکِ اویسیؓ بھی | بن گئی خصلتِ صلاح الدینؒ

سنِ تاریخ تکمیل ہے ضیاؔ
مُنتہا سیرتِ صلاح الدینؒ

۵ ۱ ۳ ۹ ۰

تاریخ عقیدت

از نتیجۂ استغراقِ حضرت شاہ عبد الغنی المتخلص ضیاء اکبر آبادی محسنی ابو العلائی

ولیٔ راشد و ارشد "زآغوشِ اویسؓ"
۱۳۹۱ھ

کمال حضرتِ سرمدؒ "زآغوشِ اویسؓ"
۱۳۹۱ھ

بزرگانِ طریقت راز گویند
صلاح الدینؒ می آید "زآغوشِ اویسؓ"
۱۳۹۱ھ

از نتیجۂ فکر الحاج سید محمد اسحاق علی صاحب خورشید اکبر آبادی

شیخ کا مسلکِ قلندر تھا
فقر و فخری کا ایک پیکر تھا
میں نے دیکھا قریب سے خورشید
تاجِ فضل اویسؓ سر پر تھا
۱۳۹۱ھ

چند اہم تاریخی و روحانی نسبتیں

بسلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ

سن تاریخ ولادت	تاریخ وصال	اسمائے مقدس	عمر شریف
۱۲ ربیع الاول	۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ	شہنشاہ کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم	تریسٹھ ۶۳ سال
۷۲۸ھ	۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ	خواجہ خواجگان سید بہاء الدین نقشبندی بخاریؒ	ایضاً
۹۷۱ھ	۲۶ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ	حضرت امام ربانی حبیب یزدانی مجدد الف ثانیؒ	ایضاً
۱۳۲۰ھ	۲۰ صفر المظفر ۱۳۸۳ھ	حضرت قبلہ شاہ صلاح الدینؒ	ایضاً

مندرجہ بالا جدول سے محض اعتقاداً ہی نہیں بلکہ تاریخی حساب سے روشن اور واضح ہو جاتا ہے کہ مدت حیات مقدسہ حضرت قبلہ کی بیک بینی و دو کار تسلیم کرتے ہوئے محققین کے لئے مسئلہ آسان تر ہو جائے تاکہ اگر تقلید حقیقی ہو تو اس درجہ تو ہو کہ نظام قدرت بھی تسبیح کے دانوں کی طرح برگزیدہ ہستیوں کو ایک لڑی میں گوندھ کر واضح کر دے کہ حیاتِ دنیوی اگر ہم عمر ہے تو حیاتِ آخرت بھی ہم مسلک و ہم مشرب ہی سنداً و تصدیقاً تسلیم کی جا سکتی ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

بقول شخصے

بک گیا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

چند اہم یادیں

مُدّتِ خلافت

اسمائے گرامی	عُمر	وفات	مدّت خلافت
خلیفہ اوّل سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۶۲ سال	سنہ ۱۳ھ	۲ دو سال
خلیفہ دویم سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ	۶۲ سال	سنہ ۲۳ھ	دس سال
خلیفہ سویم سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ	۸۰ سال	سنہ ۳۵ھ	۱۲ بارہ سال
خلیفہ چہارم سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ	۶۳ سال	سنہ ۴۱ھ	۶ چھ سال

حیات فقہ

اسمائے گرامی	عُمر	وفات
حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	۷۰ سال	سنہ ۱۵۰ھ
حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ	۸۹ سال	سنہ ۱۷۹ھ
حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ	۵۴ سال	سنہ ۲۰۴ھ
حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ	۷۷ سال	سنہ ۲۴۱ھ

۷۸۶

تاریخ طباعت کتاب الموسوم

ظرف المجبوب

تالیف عارف حق شناس

۱ ۹ ۳ ۱ ہجری

میاں شفیق اکبر آبادی

کیا فیض رساں ہے یہ تصوف کا مجلّہ — صد لائق تحسین ہے تحقیق کی کاوش

پاکیزگیٔ فکر کے پاکیزہ تخیّل — پاکیزہ مضامین ہیں پاکیزہ نگارش

افکار طریقت ہیں بپابندیٔ سنّت — ہر لفظ میں قرآن کے جلووں کی نمائش

احوال و مقامات کی بھی جلوہ گری ہے — کیا حسنِ معانی و مطالب کی ہے تابش

یہ مادّۂ سال بھی کیا خوب ہے عابدؔ

یہ رفعتِ تخئیل ہے "تنظیم نگارش"

۱ ۷ ۹ ۱ ء

حرفِ آخر

از فکرِ عالی مرتبت جناب سیّد سخاوت علی رضوی الوارثی ایم، اے، ایل، ایل، بی
انکم ٹیکس آفیسر کراچی

مؤرخین نے ہمیشہ بادشاہوں اور حکومت کے کارپردازوں کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں لیکن جن لوگوں نے دین کے ستونوں کا کام کیا ان کے لئے تاریخ میں بہت کم مواد ملتا ہے۔ اگر کسی عقیدتمند نے قلم اٹھائی بھی تو مبالغہ آمیزی سے کام لیکر اول شخصیت اور کردار کو پسِ پُشت ڈال دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ دور کے تقاضوں اور تاریخ کے اصولوں پر وہ کتاب پوری نہیں اترتی۔ اس سلسلہ میں جناب شفیق اکبرآبادی کا یہ اقدام بڑا مستحسن ہے کہ انہوں نے موجودہ دور کی ایک عظیم شخصیت کی سوانح مرتب کی۔

یہ مُسلّم امر ہے کہ امتِ محمدیؐ میں بیشمار شخصیتیں ایسی پیدا ہوئی ہیں کہ جنہوں نے اپنی بلند کردار اور علم وعمل سے تاریخ کے دہاروں کو موڑ دیا ہے اس کے لئے ان کو معاشرہ کی خرابیوں کو دور کرنا پڑا اور افراد کو بلند کردار بنایا ہے کیونکہ اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی کردار کو بلند کرتا ہے اور انسانیت کی تکمیل اور ترقی کرتا ہے۔ افراد کے کردار سے اقوام درست ہوتی ہیں اور اقوام کی ترقی میں انسانیت کی فلاح وبہبود ہے۔ اور یہ صرف قرآنی تعلیمات پر منحصر ہے۔

مسلمانوں کے دور انحطاط میں ہمیشہ ایسی بزرگ وبلند کردار شخصیتیں پیدا ہوتی رہی ہیں جنہوں نے امت کو پستی سے بلندی کی طرف مائل کرایا۔

بیسویں صدی کے اواخر اسی قسم کی ایک محترم شخصیت ابھرتی نظر آئی ہے اور وہ مقتدنا ومولانا حضرت شاہ صلاح الدینؒ ہیں۔ جنہوں نے نہایت مختصر عرصہ میں کافی ریاضت شاقہ وعبادت عالیہ کرکے کثیر طبقہ کو ایمان کی دولت سے بہرہ اندوز کردیا اور عوام کی بداعتقادی اور بے راہ روی کے خلاف نعرۂ حق بلند کیا۔

موصوف شروع میں ایک عالم متبحر کی حیثیت سے نظر آئے لیکن جب انہوں نے مدارج اعلیٰ حاصل کئے تو سالکِ مجذوب کے مقام اعلیٰ پر سرافراز نظر آئے۔ آپ کے حالات وواقعات جناب شفیق اکبرآبادی نے بہت محنت وجانفشانی سے جمع کئے ہیں اور اس سے پہلے تصوف پر بھی سیر حاصل مواد فراہم کیا ہے جو شاہ صاحب موصوف کے زیرِ نظر وفیض اثر ہو چکا ہے۔ صوفیا کی حیثیت اس امت میں مسلّم ہے۔

اوران کی خدمات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ حقیقت شریعت کی پابندی سے روشناس ہوتی ہے تو طریقت معرفت کے لئے ممد و معاون ہوتی ہے۔ جب ان بادیہ پیمائی سے سالک فرصت پاتا ہے تو اسی حقیقت کے شواہد میں مصروف ہوجاتا ہے۔ جہاں حیرت ہی حیرت ہے جس کا اشارہ سرکار دوعالم صلعم نے فرمایا ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ تَحَیُّرًا فِیْکَ " اے اللہ پاک میری حیرت اپنی ذات میں بڑھا" یعنی السان اپنی بلندیوں پر پہنچکر عام سطح سے بلند ہوجاتا ہے۔ اور اس کا صاحب کشف و کرامات ہوجانا بعید از قیاس بات نہیں ہے۔

سب سے پہلے شفیقؔ صاحب ایک ذہین شاعر کی حیثیت سے میرے ذہن پر اثر انداز تھے لیکن بحیثیت سوانح نگار کے انہوں نے اس سے بھی بلند مقام حاصل کیا ہے۔ وہ نقوش جو اس تصنیف مقدس کے ذریعہ میرے قلب و ذہن پر مرتسم ہوئے تو کہنا پڑتا ہے۔

"کمالِ ہمنشیں بر من اثر کرد"

حصہ دویم میں تو حضرت قبلہ شاہ صلاح الدینؒ کی حیاتِ طیبہ کے مختلف گوشوں کو جس پیارے انداز میں واضح کیا گیا ہے وہ محض اس پر اکتفا کرنا بہتر ہے کہ جس بزرگ ہستی نے اپنی تمام زندگی کو ایک انقلابی زندگی بنا کر اللہ کی راہِ مستقیم میں باوجودیکہ متاعی، دنیوی، توریثی و علمی خزائن سے مالا مال ہوتے ہوئے بھی سب کچھ قربان کر دیا اور **فقر** ہی کو اپنا نصب العین حیات قرار دیا تو کیونکر لقاء بالحق کے مقام اعلیٰ پر فائز نہ ہو۔ ان تمام واقعات و حالات کو جس ترتیب و سلیقہ سے اس کتاب میں درج کیا گیا ہے وہ محض سطحی یا تاریخی نہیں کہے جا سکتے ہیں بلکہ یہ تو عمیق نظری اور تقرب ہی کے ذریعہ سے محفوظ الذہن ہو کر دائرۂ تحریر میں لائے گئے ہیں اور اسی وجہ سے سنداً و تصدیقاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ شیخ کے حالات سے واقفیت اس درجہ مرید کے لئے سعادت خصوصی میں ایک طرۂ امتیاز ہے جس سے شیخ کی شخصیت، سیرت اور تعلیمات کا روشن پہلو عوام کے لئے سامنے آجاتا ہے اور بالآخر زیر نظر کتاب کے لئے لکھنا پڑتا ہے کہ یہ کتاب صحیفۂ استفادہ ہے دنیا و آخرت کے لئے۔

وما علینا الا البلاغ

خاکپائے وارثؒ

سید سخاوت علی رضوی الوارثی

۵ ستمبر ۱۹۷۱ء

۷۸۶
۹۲

یہ خلوت نشیں ہے وہی انجمن ہے
سفر ہے وہی جو سفر در وطن ہے

یہ تصنیف و تالیف اللہ اکبر
شفیق اپنی قسمت ہے منزل کٹھن ہے

ظرف المحبوب

المعروف

سوانح حیات

مولانا مولوی شاہ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ علیگ چترالی

معہ

خصوصیات، ملفوظات، مکتوبات، کرامات

مرتبہ

شفیق احمد قریشی اکبرآبادی

اے خدا قربانِ احسانت شوم
ایں چہ احسانست قربانت شوم
(حافظ)